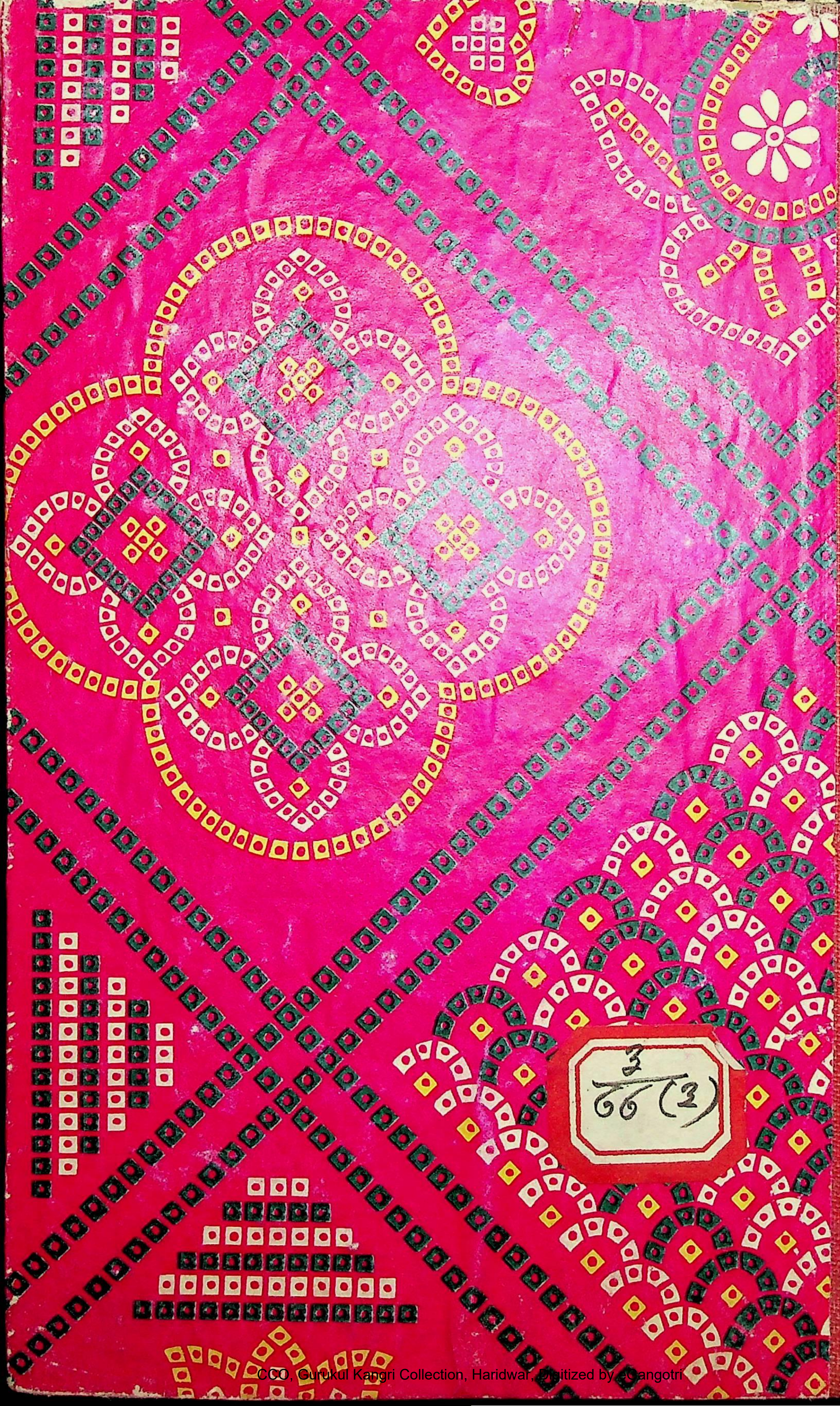
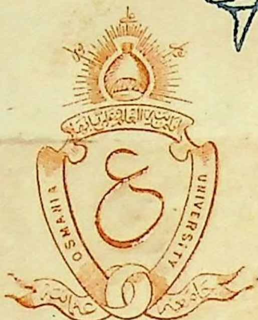


दिनांक	सदस्य संख्या	दिनाँक	सदस्य संख्या



سلسلۂ نصابات علمی جامعۂ عثمانیہ

تاریخ فرشتہ

جلد سوم

از ابتداء حالات سلطنت بہمنیہ تا اختتام حکومت یوسف عادل شاہ
بانی سلطنت بیجاپور

ترجمہ

مولوی محمد فدا علی صاحب طالب
رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی

سنہ ۱۳۴۶ھ م سنہ ۱۳۳۷ف م سنہ ۱۹۲۸ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن



فہرست مضامین تاریخ فرشتہ جلد سوم

فہرست سنین تاریخ فرشتہ جلد سوم

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ کتاب	صحت
سنہ ۸۰۰ھ	سنہ ۱۳۹۷ء	فیروز خاں بارہ سلحداروں کے ساتھ دربار میں آیا اور سراپردہ شاہی کے اندر داخل ہوا۔	۸۳	
سنہ ۸۰۱ھ	سنہ ۱۳۹۸ء	دیو رائے والی بیجانگر نے تین ہزار سواروں وغیرہ کے ہمراہ مملکت بہمنی پر حملہ کیا۔	۹۱	
سنہ ۸۰۲ھ	سنہ ۱۳۹۹ء	فیروز شاہ نرسنگھ کی گوشمالی کے لئے برار روانہ ہوا۔	۹۶	
سنہ ۸۰۴ھ	سنہ ۱۴۰۱ء	فیروز شاہ کو معلوم ہوا امیر تیمور نے ہندوستان فتح کیا۔	۹۸	
سنہ ۸۰۹ھ	سنہ ۱۴۰۶ء	فیروز شاہ بڑے دبدبہ اور بیحد شان و شوکت کے ساتھ گلبرگہ سے روانہ ہوا۔	۱۰۸	
سنہ ۸۱۰ھ	سنہ ۱۴۰۷ء	فیروز شاہ نے بالا گھاٹ دولت آباد میں رصدگاہ قایم کی۔	۱۰۹	
سنہ ۸۱۵ھ	سنہ ۱۴۱۲ء	فیروز شاہ شکار کے بہانہ سے گونڈواڑہ گیا۔	۱۰۹	
سنہ ۸۱۸ھ	سنہ ۱۴۱۵ء	فیروز شاہ نے اپنے عیش پسند فرزند حسن خاں کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔	۱۱۰	
سنہ ۸۰۰ھ	سنہ ۱۴۱۷ء	فیروز شاہ نے راجہ تلنگانہ کے پاس قاصد روانہ کئے۔	۱۱۱	سنہ ۸۲۰ ہجری
سنہ ۸۲۵ھ	سنہ ۱۴۲۲ء	فیروز شاہ نے وفات پائی اور احمد شاہ بادشاہ ہوا	۱۱۸	
سنہ ۸۱۸ھ	سنہ ۱۴۲۴ء	احمد شاہ نے ورنگل کے راجہ پر فوج کشی کی۔	۱۲۶	سنہ ۸۲۸ ہجری
سنہ ۸۱۰ھ	سنہ ۱۴۲۵ء	احمد شاہ نے قلعہ ماہور پر لشکر کشی کی۔	۱۲۷	سنہ ۸۲۹ھ
سنہ ۸۳۲ھ	سنہ ۱۴۲۶ء	نرسنگھ نے امداد کے لئے ایک عرضداشت احمد شاہ کی خدمت میں روانہ کی۔	۱۲۸	سنہ ۸۳۰ھ
سنہ ۸۳۳ھ	سنہ ۱۴۲۹ء	احمد شاہ نے ملک التجار حسن بصری کو کوکن کی مہم پر روانہ کیا۔	۱۳۶	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ کتاب	حصہ
سنہ ۸۳۵ھ	سنہ ۱۴۳۱ء	احمد شاہ کو معلوم ہوا کہ فاتح گجرات کا فرزند ملک ندر بار میں مقیم ہے اور بادشاہ نے اس پر لشکر کشی کی۔	۱۳۷	
سنہ ۸۳۶ھ	سنہ ۱۴۳۲ء	احمد آباد بیدر کا قلعہ تیار ہوا۔	۱۳۷	
سنہ ۸۳۷ھ	سنہ ۱۴۳۳ء	سلطان ہوشنگ حاکم مالوا نے نرسنگھ کے ممالک پر قبضہ کیا۔	۱۳۸	
سنہ ۸۳۸ھ	سنہ ۱۴۳۵ء	احمد شاہ ولی بہمنی نے وفات پائی اور علاؤالدین ثانی تخت نشین ہوا۔	۱۳۸	
سنہ ۸۴۰ھ	سنہ ۱۴۳۶ء	سلطان علاؤالدین نے دلاور خاں کو کوکن کی مہم پر روانہ کیا۔	۱۴۳	
سنہ ۸۴۱ھ	سنہ ۱۴۳۷ء	ملکہ جہاں نے اپنے باپ والی خاندیس سے سلطان علاؤالدین کی بے توجہی کی شکایت کی۔	۱۴۴	
سنہ ۸۴۷ھ	سنہ ۱۴۴۳ء	راجہ نے ممالک بہمنی پر لشکر کشی کی اور مدگل پر قبضہ کر لیا۔	۱۴۷	
سنہ ۸۵۷ھ	سنہ ۱۴۵۴ء	بادشاہ کی پنڈلی میں کاری زخم لگا اور وہ مرگ کے قریب ہو گیا۔	۱۵۸	سنہ ۸۵۹ ہجری
سنہ ۸۶۰ھ	سنہ ۱۴۵۵ء	سلطان محمود نے بڑے کروفر کے ساتھ کوچ کیا۔	۱۵۸	
سنہ ۸۶۲ھ	سنہ ۱۴۵۷ء	سلطان علاؤالدین نے زخم کی وجہ سے وفات پائی اور ہمایون شاہ ظالم تخت نشین ہوا۔	۱۵۹	
سنہ ۸۶۴ھ	سنہ ۱۴۵۹ء	بادشاہ یوسف ترک کی مہم سے بیدر واپس آیا۔	۱۶۴	
سنہ ۸۶۴ھ	سنہ ۱۴۶۰ء	ہمایوں شاہ نے سات ہزار بیگناہ زن و مرد کو تہ تیغ کیا۔	۱۶۸	
سنہ ۸۶۵ھ	سنہ ۱۴۶۱ء	ہمایون شاہ ظالم نے وفات پائی۔	۱۶۹	

صحت	صفحہ کتاب	واقعات	سنہ عیسوی	سنہ ہجری
	۱۸۰	نظام شاہ بہمنی نے وفات پائی	۱۴۶۳ء	۸۶۷ھ
	۱۸۲	محمد شاہ نے نظام الملک کو قلعہ کھرلہ کی مہم پر روانہ	۱۴۶۷ء	۸۷۲ھ
	״	کیا۔	״	״
	۱۸۵	ملک التجار بیجاپور کا لشکر ہمراہ لیکر سنگیسر و کھنیہ کی	۱۴۶۹ء	۸۷۴ھ
	״	سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔	״	״
	۱۸۸	رائے اوریا فوت ہوا اور اس کے برادر زادہ	۱۴۷۱ء	۸۷۶ھ
	״	نے بادشاہ سے مدد طلب کی۔	״	״
برکانہ	۱۹۲	پرکھتیہ رائے نے جزیرہ گووہ کو فتح کرنے کا	۱۴۷۲ء	۸۷۷ھ
״	״	ارادہ کیا۔	״	״
	۱۹۵	محمد شاہ دریا کو عبور کرکے اڑیسہ میں داخل ہوا	۱۴۷۷ء	۸۸۲ھ
	۲۰۷	محمد شاہ نے وفات پائی۔	۱۴۸۲ء	۸۸۷ھ
	۲۱۵	عادل خاں حاکم درنگل فوت ہوا اور قوام	۱۴۸۶ء	۸۹۱ھ
	״	الملک صغیر نے تمام تلنگانہ پر قبضہ کیا۔	״	״
۸۹۶ھ ہجری	۲۱۸	حبشی اور دکنی امرا ترک اور مغل امیروں کے	۱۴۹۰ء	۸۹۵ھ
״	״	مخالف ہوئے۔	״	״
״	״	حبشی و دکنی امراء بادشاہ کے قتل کرنے کے	۱۴۹۰ء	۸۹۳ھ
״	״	لئے قلعہ ارک میں داخل ہوئے۔	״	״
		یوسف عادل شاہ، نظام الملک بحری اور	۱۴۹۰ء	۸۹۵ھ
״	״	عماد الملک ہر سہ امیروں نے اپنی خود مختاری	״	״
	״	کا اعلان کیا۔	״	״
۸۹۶ ہجری	۲۲۱	قاسم برید منصب وکالت پر فائز ہوا۔	۱۴۹۱ء	۸۹۶ھ
	۲۲۳	محمد شاہ گجراتی نے محمود شاہ بہمنی سے بہادر	۱۴۹۳ء	۸۹۹
	״	گیلانی کی شکایت کی	״	״

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ کتاب	صحت
۹۰۲ھ	۱۴۹۶ء	ترکی امیروں نے باہم اخلاص و وفاداری	۲۳۰	
"	"	کے عہد و پیمان کئے۔	"	
۹۰۳ھ	۱۴۹۷ء	محمود شاہ نے یوسف عادل کی کم سن دختر	۲۳۱	
"	"	کی اپنے فرزند شاہزادہ احمد سے نسبت کی۔	"	
۹۰۴ھ	۱۴۹۸ء	یوسف عادل نے دستور دینار پر لشکر کشی کی۔	۲۳۲	
۹۱۰ھ	۱۵۰۴ء	قاسم برید فوت ہوا اور اس کا فرزند امیر برید	۲۳۲	
"	"	اپنے باپ سے زیادہ مہمات سلطنت میں	"	
"	"	دخیل ہوا۔	"	
۹۱۶ھ	۱۵۱۰ء	یوسف عادل نے وفات پائی اور امیر برید	۲۳۴	
"	"	نے بیجاپور پر حملہ کیا۔	"	
۹۱۸ھ	۱۵۱۲ء	قطب الملک نے خود مختاری کا اعلان کر کے	۲۳۴	
"	"	بادشاہ کا نام خطبہ سے نکال دیا۔	"	
۹۲۰ھ	۱۵۱۴ء	امیر برید نے بھی اعلان خود مختاری کا ارادہ کیا	۲۳۵	
۹۲۳ھ	۱۵۱۷ء	خداوند خاں حبشی کے فرزند نے شاہی	۲۳۷	
"	"	مقبوضات پر دھاوا کیا۔	"	
۹۲۴ھ	۱۵۱۸ء	محمود شاہ بہمنی نے وفات پائی۔	۲۳۷	
۹۲۷ھ	۱۵۲۰ء	احمد شاہ ثانی نے وفات پائی۔	۲۳۸	
۹۳۳ھ	۱۵۲۶ء	بابر بادشاہ نے دہلی فتح کی اور احمد شاہ بہمنی	۲۴۱	
"	"	نے بھی اپنے قاصد فاتح ہندوستان کی خدمت	"	
"	"	میں روانہ کئے۔	"	
۹۳۴ھ	۱۵۲۷ء	کلیم اللہ بہمنی بیدر سے فراری ہو کر بیجاپور روانہ ہوا۔	۲۴۱	
۱۹۵۴ھ	۱۴۵۱ء	سلطان مراد نے وفات پائی اور اس کا	۲۴۲	
"	"	فرزند سلطان محمد فرمان روا ہوا۔	"	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات	صفحہ کتاب	صحت
سنہ ۸۶۲ھ	سنہ ۱۴۶۰ء	یوسف عادل دریا کی راہ سے ہندوستان روانہ ہوا	۲۴۵	
سنہ ۸۹۵ھ	سنہ ۱۴۸۹ء	یوسف عادل نے اپنے نام کا خطبہ وسکہ جاری کیا۔	۲۴۹	
سنہ ۸۹۸ھ	سنہ ۱۴۹۳ء	یوسف عادل اور تمراج میں معرکہ آرائی ہوئی ۔	۲۵۴	
سنہ ۹۰۱ھ	سنہ ۱۴۹۵ء	دستور دینار حبشی نے بھی تاج و تخت کے خواب دیکھنے شروع کئے	۲۵۶	
"	"		"	
سنہ ۹۰۳ھ	سنہ ۱۴۹۷ء	محمود شاہ نے اپنے فرزند کو یوسف عادل کی دختر سے منسوب کیا۔	۲۵۸	
"	"		"	
سنہ ۹۰۹ھ	سنہ ۱۵۰۳ء	یوسف عادل نے میاں محمد کو سپہ سالاری سے معزول کرکے جاگیر عطا کی ۔	۲۶۶	
"	"		"	
سنہ ۹۱۵ھ	سنہ ۱۵۱۰ء	چند عیسائی دفعۃً بندر گوہ میں پہونچ گئے	۲۷۰	
سنہ ۹۱۶ھ	سنہ ۱۵۱۱ء	یوسف عادل نے وفات پائی ۔	۲۷۱	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد سوم

تیسرا مقالہ سلاطین دکن کے حالات میں

شاہان دہلی کا حال لکھنے کے بعد میری طبیعت فرمانروایان دکن کے واقعات قلم بند کرنے پر متوجہ ہوئی میں عہد حکومت کی ترتیب کا خیال مدنظر رکھ کر سب سے پہلے شاہان بہمنی کے حالات معرض تحریر میں لاتا ہوں۔ اگلے اور پچھلے مورخوں کی طرح مجھے اس کتاب کی تالیف سے دینار و درم حاصل کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس لئے کہ خاقان اعظم جہانبان معظم ناصر الدنیا والدین ابو المظفر ابراہیم عادل شاہ ثانی کی توجہ سے میرا پاؤں خود خزانہ کے سر پہ ہے۔ میں صبح و شام بادشاہ کی سخاوت کے سمندر اور اسکی بخشش کی کان سے ایسا فیض یاب ہو رہا ہوں کہ آسمان اور ستاروں سے بھی احسان کی امید نہیں رکھتا میری بلند ہمت کا مصرف یہی ہے کہ خدیو زماں کی فرماں برداری پر کمر خدمت مضبوط باندھوں اور ایسی کتاب دل پسند عبارت میں لکھوں جس میں ہندوستان کے تمام ممالک کے واقعات شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہوں۔ اس کتاب میں چھ روضے ہیں

پہلا روضہ شاہان حسن آباد گلبرگہ اور احمد آباد بیدر کے حالات میں جو سلاطین بہمنیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

دوسرا روضہ عادل شاہیہ سلاطین بیجاپور کے بیان میں۔

تیسرا روضہ نظام شاہیہ شاہان احمد نگر کے بیان میں۔

چوتھا روضہ قطب شاہیہ فرمانروایان تلنگ کے احوال میں۔

پانچواں روضہ عماد شاہیہ بادشاہان برار کے حالات میں۔

چھٹا روضہ برید شاہیہ والیان بیدر کے بیان میں۔

پہلا روضہ بادشاہان حسن آباد گلبرگہ اور احمد آباد بیدر کے واقعات اور حالات میں

جو سلاطین بہمنیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

واضح ہو کہ مختلف مورخوں نے سلطان علاء الدین حسن گانگوئی بہمنی کے نسب کے متعلق
مختلف قول لکھے ہیں میں ان تمام روایتوں کا لکھنا بیجا سمجھتا ہوں اور ناحق کی خامہ فرسائی
سے گریز کرکے بات کو مختصر کرتا ہوں اور جو قول سب سے زیادہ مشہور ہے اسی کو اس کتاب
میں لکھ کر قصہ کو تمام کرتا ہوں۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ دار الخلافت دہلی میں حسن نام
ایک شخص گانگوئی بہمن منجم کا نوکر تھا۔ یہ منجم محمدؐ تغلق کی ایام ولی عہدی میں شاہزادہ کا بڑا معزز
اور مقرب مصاحب تھا۔ حسن مصیبت اور غربت کے عالم میں اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔ معاش کی
تنگی سے بیحد پریشان ہو کر ایک دن گانگوئے بہمنی سے اُسنے کسی ایسے پیشہ یا کام میں لگا دینے کی درخواست
کی جو اسکی کفالت کر سکے اور جس سے اُس غریب کا افلاس کچھ دور ہو۔ گانگو نے ایک جوڑی
بیل کی اور دو مزدور حسن کے ساتھ کئے اور حوالی دہلی میں ایک غیر مزروعہ زمین اُسے عطا کی
تاکہ کھیتی باڑی کرکے اُس کی آمدنی سے حسن اپنی اوقات بسر کرے۔ حسن نے پریشانی اور
اور شدید ضرورت کے عالم میں گانگو کے حکم کی تعمیل کی اور کھیتی کا کام شروع کر دیا مزدوروں
نے زمین گوڑنا شروع کی۔ ایک دن زمین میں ہل پھنس گیا۔ مزدوروں نے حسن کو اس واقعہ
کی خبر کی حسن نے زمین کھدوائی اور معلوم ہوا کہ ہل کی نوک ایک زنجیر میں اٹک گئی ہے
حسن نے خوب غور کیا اور دیکھا کہ زنجیر ایک برتن کے گلے میں بندھی ہوئی ہے اور برتن علائی اشرفیوں
اور سونے کے ٹکڑوں سے لبالب بھرا ہوا ہے۔ اس ہوشیار کسان نے خیانت کو اپنے گرد پھٹکنے
تک نہ دیا اور اُس برتن کو چادر میں باندھکر رات کے وقت گانگو کے مکان پر لے آیا اور اُسے
سارے واقعہ کی اطلاع دی۔ گانگو نے حسن کی ایمانداری اور اُس کی دیانت کی بیحد تعریف کی
اور اس نے صبح کو یہ عجیب ماجرا شاہزادہ محمدؐ تغلق سے بیان کیا۔ محمدؐ تغلق کو بھی حسن کی عالی ہمتی
اور ایمانداری پر حیرت ہوئی اور شاہزادہ نے حسن کو اپنے سامنے بلایا۔ محمدؐ تغلق کو حسن کی
وضع اور قطع بیحد پسند آئی اور شاہزادہ نے سارا ماجرا اپنے باپ سلطان غیاث الدین
تغلق کے کان تک پہونچایا۔ بادشاہ نے حسن پر شاہانہ نوازش فرمائی اور اُسے یک صدی
امیروں کے گروہ میں داخل کر دیا۔ ایک دن گانگو برہمن نے حسن سے کہا کہ مجھے تیری قسمت
کے زائچے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو بڑا اقبال مند ہوگا اور خدا کی مدد اور اُس کی مہربانی
سے جلد کسی بلند رتبہ پر پہونچ جائے گا۔ مجھ سے اس بات کا عہد اور اس امر کی شرط

کرکہ اگر خدا تجھے کوئی عظیم الشان مرتبہ عنایت کرے تو میرا نام بھی اپنے نام کا جزو بنالے تاکہ تیرے اقبال کی برکت سے میں بھی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہ سکوں دوسرے یہ کہ تو اپنے خزانہ کا دفتر مجھے اور میری اولاد کے سپرد کرے۔ حسن نے اپنے محسن سے دونوں باتوں کا عہد کرلیا اور قبل اس کے کہ حکمرانی کی باگ اُس کے ہاتھ میں آئے اُس نے گانگوئے بھمنی کا نام اپنے نام کا ایک جزو بناکر اپنے کو حسن گانگوئے بھمنی لکھنا اور کہنا شروع کیا۔ ایکدن حضرت سلطان نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کے آستانہ پر خلق خدا کی دعوت تھی۔ دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے تھے اور خاص و عام ہر شخص کو آنے کی اجازت تھی شاہزادہ محمد تغلق نے بھی اس دعوت میں حاضر ہوکر فقیروں کے خوان نعمت سے فائدہ اٹھایا۔ محمد تغلق کی واپسی اور دسترخوان کے اُٹھ جانے کے بعد حسن گانگو شیخ کی خانقاہ میں داخل ہوا حسن نے چاہا کہ حاضری کی اطلاع دے کر حضرت شیخ کی زیارت سے فیض یاب ہو حضرت سلطان نے اپنے انوار باطن سے حسن کا حال دریافت کرلیا اور زبان سے فرمایا کہ ایک بادشاہ گیا دوسرا بادشاہ آیا اور قبل اس کے کہ کوئی حضرت شیخ سے حسن کی آنیکی اطلاع کرے سلطان جی نے اپنے ایک خادم سے کہا کہ ایک شخص جس کی پیشانی پر شرافت کے آثار روشن ہیں باہر دروازہ پر کھڑا ہے تو جا اور اُس کو میرے پاس لے آ۔ خادم حسن کو لانے کے لئے باہر گیا لیکن حسن کی ظاہری حالت اور پھٹے پرانے کپڑوں کی وجہ سے اُسے پہچان نہ سکا اور خانقاہ کے اندر واپس آکر اُس نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ ایسا کوئی شخص دروازے پر حاضر نہیں ہے۔ حضرت سلطان نے فرمایا کہ خوب غور سے دیکھ ضرور کوئی ایسا شخص موجود ہے۔ خادم نے کہا کہ ایک گمنام اور مجہول الحال شخص البتہ آستانہ پر حاضر ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اُسی آدمی کو میرے پاس لے آ وہی جوان ہے جو ظاہر میں فقیر اور حقیقت میں بادشاہ ہے۔ غرض کہ حسن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا سلطان جی نے حسن پر بڑی مہربانی فرمائی اور اُس کے حالات پوچھتے رہے۔ شیخ کی خانقاہ میں دسترخوان اٹھ چکا تھا اور کوئی چیز کھانے کی موجود نہ تھی حضرت سلطان نے تھوڑی روٹی اپنے افطار کے لئے حجرے میں ایک طاق پر رکھ چھوڑی تھی۔ اسی روٹی کا ایک ٹکڑا شیخ نے اپنی انگلی کے سرے پر رکھ کر حسن کو عنایت کیا اور کہا کہ یہ چتر شاہی ہے جو بہت دنوں اور بڑی محنت کے بعد سرزمین دکن میں تیرے سر پر سایہ فگن ہوگا۔

حسن گانگو نے حضرت شیخ کی یہ بشارت سنی اور دکن کی حکومت کا سودا اُس کے سر میں سمایا عرصہ تک وقت اور موقع کا انتظار کرتا رہا اور ہر وقت اسی سوچ میں رہتا کہ کس طرح سرزمین دکن کو اپنا وطن بنا کر رفتہ رفتہ دل کی تمنا پوری کرے۔ اسی آرزو میں تھا کہ سلطان محمد تغلق اپنے عہد حکومت میں دکن گیا اور اپنے استاد تغلق خاں کو دولت آباد کا حاکم مقرر کیا۔ محمد تغلق نے عام حکم دیا کہ امیروں اور منصب داروں میں جس کسی کا جی چاہے تغلق کے ساتھ دکن میں قیام کرے۔ حسن کی مراد برائی اور اُس نے بعض یک صدی امیروں کے ساتھ جو سب کے سب اُس کے دوست اور آشنا تھے تغلق خاں کے ساتھ دکن میں سکونت اختیار کی۔ حسن کو قریۂ کوبخی اور رائے باغ کے کچھ حصے جاگیر میں ملے اسی اثنا میں جیساکہ تغلقی عہد میں بیان ہو چکا محمد تغلق نے گجرات کے یک صدی امیروں کا فتنہ فرو کرنے کے لئے اِن منصب داروں پر لشکر کشی کی اِن باغی امیروں میں جس کسی کو پایا اُسے تو تلوار کے گھاٹ اتارا اور باقی ماندہ امیروں کا پیچھا کر کے انھیں اطراف و جوانب میں آوارہ وطن کر دیا۔ اِن فراری امیروں میں اکثر دکن میں پناہ گزیں ہوئے۔ قتلق خاں نے شاہی فرمان پا کر اپنے بھائی عالم الملک کو دولت آباد کا حاکم بنایا اور خود بادشاہ کی خدمت میں واپس ہوا۔ دکنی امیروں نے عالم الملک کی کچھ پروانہ کی اور باغی امیروں کو پناہ دینے میں حاکم وقت کا انھیں کچھ خوف نہ ہوا اور بلا تامل شاہی مجرموں کو اپنے دامن میں چھپانے لگے۔ محمد تغلق کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی۔ بادشاہ نے ارادہ کیا کہ دکن کے یک صدی امیروں کے ایک بڑے گروہ کو اپنے پاس طلب کر کے اُن کی جگہ دوسرے معتبر امیر دولت آباد روانہ کرے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے احمد لاچین۔ قزلباش بیگ اور ملک علی کو عالم الملک کے پاس دولت آباد روانہ کیا اور ایک تاکیدی فرمان اس مضمون کا لکھا کہ فرمان کے دیکھتے ہی تمام دکن کے یک صدی امیر گجرات روانہ ہو جائیں اس لئے کہ وہاں ایک بڑے لشکر کے فراہم کرنے کی ضرورت درپیش ہے۔ عالم الملک نے شاہی فرمان کی تعمیل کی اور تواچیوں کو ان امیروں کے حاضر کرنے کے لئے گلبرگہ۔ رائچور وغیرہ مختلف مقامات پر بھیجا۔ ان امیروں نے اپنی عادت کے موافق پانچ چھ مہینے سفر کی تیاری میں صرف کر دیئے۔ اس تاخیر کے بعد چار ہزار مسلح اور مرتب سواروں کے ساتھ دولت آباد پہنچے اور عالم الملک سے اجازت لے کر احمد لاچین کے ہمراہ گجرات روانہ ہوئے۔

احمد لاچین نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے اِن امیروں سے لاحاصل امیدیں باندھیں اور جب لاچین کی آرزوئیں پوری نہ ہوئیں تو اُس نے یاوہ گوئی شروع کی اور غائبانہ کہنا شروع کیا کہ اس گروہ سے دو ایسے قصور سرزد ہوئے ہیں جنکی سزا قتل کے سوا اور کچھ نہیں ہے اول یہ کہ انھوں نے گجرات کے باغی امیروں کو پناہ دی دوسرے بادشاہ کا فرمان پانے پر بھی اپنی روانگی میں اتنی تاخیر اور کاہلی کی۔ یک صدی امیروں نے لاچین کی دل ہلا دینے والی آوازیں سنیں اور مانک گنج کے درّہ تک پہونچکر جو دکن کی سرحد ہے انھوں نے ایک مشورہ کا جلسہ مقرر کیا۔ سارے امیر اس مجلس میں شریک ہوئے اور بالاتفاق سبھوں نے کہا کہ سلطان محمد شاہ تغلق بے گناہوں کو تو بلا پرسش قتل کراتا ہے ہم لوگوں سے تو دو قصور بھی سرزد ہوئے ہیں یہ یقینی ہے کہ جس وقت ہم اُس کے سامنے جائینگے تو بغیر اس کے کہ وہ گنا گار اور بے گناہ میں تمیز کرے ہم سب کے قتل کا حکم دیدے گا۔ ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ دکن کے باہر قدم نہ رکھیں اور خود ہی اپنے ہاتھ پاؤں باندھکر اپنے کو بکری کی طرح قصاب کے سپرد نہ کریں اور ناحق اپنی جانیں نہ ضائع کریں اس مشورہ کے بعد تمام یک صدی امیر سرحد سے کوچ کر کے اپنے اپنے مقام کو واپس ہونے لگے۔ احمد لاچین نے اِن امیروں کو سختی سے روکا ان منصب داروں نے لاچین کو تہ تیغ کیا اور سب مل کر دولت آباد پہونچے۔ دکن کی خلقت خود ہی محمد تغلق کی سفاکی اور غضب کی وجہ سے زندگی سے بیزار ہو رہی تھی۔ ان امیروں کے پہونچتے ہی بعض رعایا تو فوراً ان سے آملی اور بعضوں نے اپنے معتبر لوگ اِن کے پاس بھیجکر ان سے اتفاق اور ہمدردی کا اظہار کیا۔ غرضکہ ضحاک اور کاوۂ آہنگر کا قصہ سرزمین دکن میں بھی نمودار ہوا اور ایک ایسے عظیم الشان فتنہ کی ابتدا ہوئی جس کا تدارک انسانی طاقت سے تقریباً باہر ہوگیا۔ عماد الملک ترکمان الملقب بہ سر تیز جو سلطان محمد تغلق کا داماد اور برار اور خاندیس کا سپہ سالار تھا اِس زمانہ میں ایلچپور میں مقیم تھا۔ عماد الملک نے سمجھ لیا کہ خاندیس اور برار کے منتخب اور بہترین امیر شاہی باغیوں کے ساتھ یک دل اور یک زبان ہوکر خود عماد الملک کی جان کے دشمن اور اُس کی حکومت کے مخالف بن گئے ہیں سر تیز نے اب ایلچپور میں ٹھیرنا مناسب نہ سمجھا اور شکار کے بہانہ سے اپنے معتمد امیروں کے ایک چھوٹے سے گروہ کے ساتھ ایلچپور سے

روانہ ہوا اور تمام راستہ شکار کھیلتا ہوا سلطان پور ندربار میں پہونچا۔ ایلچپور اور اسکے نواح کے امیر عماد الملک کے فرار ہونے سے آگاہ ہوئے اور یہ امیر عماد الملک کے تمام سامان اور اسباب پر قابض ہوئے اور دولت آباد پہونچکر باغی منصبداروں سے جاملے اور انھیں کا راگ خود بھی گانے لگے۔ حصار دولت آباد کے رہنے والوں نے بھی شاہی مخالفوں کی روز افزوں قوت اور طاقت پر غور کر کے ایک گروہ کثیر نے قلعہ کی جماعت کا ساتھ دیا اور انھیں کی دوستی کو اپنی سلامتی جان کا ذریعہ سمجھکر باغیوں کے بہی خواہ بن گئے۔ اہل قلعہ نے عالم الملک کو گرفتار کر کے قلعہ مع خزانہ و اثاثہ شاہی مخالفوں کے سپرد کر دیا۔ غرضکہ تین مہینے میں سرزمین دکن کی سی مملکت جو خون جگر پی کر حاصل کی گئی تھی بادشاہ کے ہاتھ سے اسطرح نکل گئی کہ سارے ملک میں یک شخص بھی محمدؒ تغلق کا فرمانبردار اور اطاعت گذار باقی نہ رہا۔ اِن یک صدی امیروں نے اتنے بڑے کام کی جرأت کرنے کے بعد آپس میں مشورہ کیا اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ ایسے کام بغیر کسی سردار اور حاکم کے درست نہیں ہوتے عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم بھی اپنے میں سے کسی کو بادشاہی کے لئے منتخب کریں تاکہ انتظام میں سہولت اور حکومت میں رونق پیدا ہو۔ غرضکہ بڑی گفتگو اور طویل بحث کے بعد حکمرانی کا قرعہ اسمٰعیل فتح خاں افغان کے کے نام پڑا۔ اسمٰعیل فتح دو ہزاری منصبدار اور محمدؒ تغلق کا نامی امیر تھا اسمٰعیل فتح کا بڑا بھائی ملک گل افغان تغلقی امیروں میں بیحد ممتاز تھا اور اِس زمانہ میں ایک جرّار لشکر کے ساتھ مالوہ کی حفاظت کر رہا تھا۔ اسمٰعیل فتح کو بادشاہ بنانے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ ضرورت کے وقت ملک گل اپنے بھائی کی مدد کریگا۔ غرضکہ ان امیروں نے اسمٰعیل فتح کو سمجھا بجھا کر دکن کا بادشاہ بنایا اور اُسے ناصر الدین شاہ کے خطاب سے مشہور کر کے چتر شاہی اُس کے سر پر سایہ فگن کیا اور جو خطاب کہ افغانوں میں رائج ہیں وہ آپس میں تقسیم کر کے ہر امیر نے ملک دکن کا کوئی نہ کوئی حصہ اپنی جاگیر میں لے لیا اور سارے ملک پر اس طرح قبضہ کر کے لشکر جمع کرنے میں مشغول ہوئے اور یک دل و یک زبان ہو کر محمدؒ تغلق کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ اس تقسیم میں حسن گانگو کو ظفر خاں کا خطاب ملا اور ہیکری۔ رائے باغ میرچل کلہر اور گلبرگہ کے پرگنے اُس کی جاگیر میں دیئے گئے۔ حسن گانگو نے بہرون رائے حاکم حصار گلبرگہ کو جو محمدؒ تغلق کے معتبر امیروں میں تھا قتل کیا

اور اس نواح میں اپنی حکومت مستقل کرلی۔ نورالدین نام ایک شخص خان جہاں کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور ملک کے بہترین حصے اُس کی جاگیر میں بھی دیئے گئے۔ محمدؐ تغلق نے گجرات میں یہ سارے واقعات سنے اور جلد سے جلد دولت آباد روانہ ہوا۔ عماد الملک اور ملک گل افغان بھی مالوہ کا لشکر لے کر بادشاہ سے جا ملے۔ ناصر الدین شاہ بھی تیس ہزار افغانی۔ مغل۔ راجپوت اور دکنی سپاہیوں کا ایک لشکر ہمراہ لے کر دولت آباد کے قلعہ سے باہر نکلا جس میدان میں سلطان علاؤالدین خلجی نے رام دیو کے لڑکے سے معرکہ آرائی کی تھی وہیں ناصر الدین نے بھی اپنے پرے جمائے اور بادشاہ سے لڑائی شروع کی ناصر الدین نے بادشاہ کے میمنہ اور میسرہ کو پریشان کر دیا اور قریب تھا کہ محمدؐ تغلق بھاگ جائے یا دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائے کہ کفران نعمت کا وبال دکنیوں کے سر پر نازل ہوا اور مالک کے ساتھ جنگ آزمائی کرنا انھیں راس نہ آیا۔ اتفاق سے ایک تیر نورالدین خان جہاں کے ایسا لگا کہ نورالدین گھوڑے سے نیچے گر پڑا خاصہ کے چھ ہزار کوکی سوار یکبارگی میدان جنگ سے بھاگے۔ اسی کے ساتھ ناصر الدین شاہ کے علم بردار پر ایسا خوف طاری ہوا کہ جھنڈا اُس کے ہاتھوں سے گر پڑا۔ ساتھیوں نے جب علم کو بلند نہ دیکھا تو سمجھے کہ ناصر الدین کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑ گئے۔ سپاہیوں نے بھی اپنے خیال کے مطابق اپنے بادشاہ کا ساتھ دیا اور میدان سے منہ موڑنے لگے۔ چونکہ شام ہو چکی تھی جنگاہ کے قریب تمام سپاہی جمع ہوئے اور مجروح فوجیوں کی مرہم پٹی کرنے لگے محمدؐ تغلق نے بھی خاص میدان جنگ میں خیمے نصب کرائے اور تمام رات ہوشیاری اور بیداری میں بسر کی صبح کے قریب ناصر الدین شاہ حسن گانگو اور دوسرے امیروں نے مشورہ کا جلسہ منعقد کیا اور باہم یہ طے کیا کہ اب معرکہ آرائی کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ ناصر الدین شاہ جسقدر فوج کی ضرورت سمجھے اپنے ساتھ لے کر حصار دولت آباد میں قیام کرے اور حسن گانگو المخاطب بہ ظفر خاں بارہ ہزار سپاہیوں کے ہمراہ گلبرگہ کے قلعہ میں مقیم رہ کر اپنی ذمہ داری پر جس طرف بادشاہ کا لشکر متوجہ ہو اُس کے دفع کرنے کی کوشش کرے۔ باقی ماندہ امیر اپنی اپنی جاگیروں پر واپس جا کر اپنے پرگنوں کی حفاظت کریں ضرورت کے وقت ایک دوسرے کو مدد دینے میں کوتاہی نہ کریں اس قرارداد کے موافق آدھی رات گزرنے پر دکنی امیر کوچ کر کے اپنے اپنے صوبوں کو روانہ ہو گئے۔ محمدؐ تغلق نے صبح کو میدان دشمن سے بالکل خالی پایا۔ بادشاہ نے

عماد الملک کو تو ایک خونخوار اور جرّار فوج کے ساتھ حسن گانگو کے تعاقب میں بھیجا اور خود دولت آباد روانہ ہوا۔ شاہی نجومیوں نے عرض کیا کہ تین دن محاصرہ کے لئے منحوس ہیں۔ بادشاہ نے مجبوراً اس زمانہ تک محاصرے سے ہاتھ اٹھایا اور صرف اہل قلعہ کو ڈرانے کے لئے شاہی لشکر کی صفیں آراستہ کر کے دشمنوں پر اپنی قوت اور شوکت کا اظہار کرتا رہا چوتھے روز بادشاہی فوج نے قلعہ والوں سے لڑائی شروع کی اور ساباط بنانے اور منجنیق نصب کرنے اور سرنگ کھودنے میں مشغول ہوئے اور روز بروز اہل قلعہ پر سختیوں کا اضافہ کرنے لگے اسی دریان میں دہلی سے خبر آئی کہ طغی نام ایک غلام نے شہر کے کمینوں اور بدمعاشوں کی ایک جماعت اپنے گرد جمع کر کے بغاوت کا ارادہ کیا ہے اور گجرات پر قبضہ کرنے کے لئے اپنے بہی خواہوں کے ہمراہ دہلی سے روانہ ہو چکا ہے۔ محمدؐ تغلق نے یہ خبر سن کر اپنے لشکر کے ایک گروہ کو دولت آباد کے محاصرہ میں چھوڑا اور خود گجرات روانہ ہوا۔ ناصر الدین شاہ کے بعض امیر جو ناسک اور پاٹودہ میں مقیم تھے بادشاہ کی واپسی سے آگاہ ہوئے اور دولت آباد پہونچے۔ یہ امیر بادشاہ کے اس لشکر کے مقابلہ میں جو دولت آباد کے محاصرہ میں مشغول تھا کامیاب نہ ہوئے اور خود بادشاہ کے تعاقب میں آگے بڑھے اور دریائے نربدہ کے کنارے لشکر کے آگے اور پیچھے دونوں طرف شاہی فوج پر چھاپہ مار کر انھوں نے بڑا نقصان پہونچایا اور چند ہاتھیوں کو جو اشرفیوں اور سونے سے لدے ہوئے تھے گرفتار کر کے اپنے مقام پر واپس آئے۔ حسن گانگو اس غیبی امداد سے بہت خوش ہوا حسن نے اطراف و جوانب کے امیروں کو یکجا کیا اور بیس ہزار تجربہ کار سواروں کے ہمراہ قلعہ احمد آباد بیدر کی طرف چلا۔ احمد آباد بیدر میں عماد الملک ایک جرّار فوج لئے ہوئے مقیم تھا۔ حسن گانگو بیدر پہونچا اور عماد الملک بھی فوج اکٹھا کر کے بڑی شان و شوکت کے ساتھ حسن کے مقابلہ میں آیا۔ قریب بیس روز کے دونوں لشکر اپنے گرد خندقوں کے کھدوانے میں مشغول رہے اور کسی فریق نے لڑائی کی ابتدا نہ کی یہاں تک کہ تلنگانہ کے راجہ نے جو محمدؐ تغلق کے ہاتھوں زخم کھا چکا تھا کولاس سے پندرہ ہزار پیادے حسن کی مدد کے لئے روانہ کئے۔ ناصر الدین شاہ نے بھی پانچ ہزار سوار مع تغلق شاہ کے حاصل کردہ خزانہ کے دولت آباد سے حسن کی امداد کے لئے بھیجے۔ اس طرح پر حسن گانگو کے پاس بہت بڑی جمعیت ہو گئی۔ حسن گانگو نے طبل جنگ بجوایا اور ملک سیف الدین غوری کی ماتحتی میں فوج کو بہترین طریقہ پر آراستہ

کیا دوسری طرف عماد الملک نے بھی جو شجاعت اور بہادری میں ضرب المثل تھا اپنی فوج مرتب کی اور میمنہ اور میسرہ درست کر کے حسن کے مقابلہ میں آیا۔ لڑائی کا بازار خوب گرم ہوا اور صبح سے ظہر کے وقت تک طرفین کے بہادر برابر کام آتے رہے اور کشتوں کے خون کی ندیوں سے میدان جنگ کی زمین لالہ زار ہو گئی۔ چونکہ خدا کی مشیت یہی تھی کہ دکن میں حسن گانگو کی حکمرانی کا ڈنکہ بجے عماد الملک ترکمان اس معرکہ میں قتل ہوا اور اس کا لشکر شکست کھا کر ادھر ادھر پراگندہ ہو گیا۔ بعضے سپاہی تو احمد آباد بیدر بھاگے اور بعضوں نے قندھار کے قلعہ میں پناہ لی اور اکثروں نے بڑی مشکل اور خرابی سے اپنے کو شہر مندو تک پہونچایا ظفر خاں نے ملک سیف الدین غوری کو تو دونوں قلعوں کے محاصرہ کے لئے چھوڑا اور خود بڑے جاہ و حشم کے ساتھ طبل و علم نقارہ اور دیگر سامان سلطنت جو عماد الملک ترکمان سے ہاتھ آیا تھا ہمراہ لے کر نیک ساعت میں ناصر الدین شاہ کی امداد کے لئے دولت آباد روانہ ہوا تغلقی امیر جو بادشاہ کے حکم سے دولت آباد کے محاصرہ میں مصروف تھے عماد الملک ترکمان کے مارے جانے اور اپنے لشکر کے نفاق اور حسن گانگو کے پہونچنے سے ایسے خوف زدہ ہوئے کہ محاصرہ سے دست بردار ہو کر انھوں نے دہلی اور گجرات کی راہ لی۔ ناصر الدین شاہ دولت آباد سے نظام پور تک جو دولت آباد سے چند کوس کے فاصلہ پر ہے حسن گانگو کے استقبال کے لئے آیا دونوں امیروں نے نظام پور میں چودہ روز قیام کیا۔ ناصر الدین شاہ نے دیکھا کہ حسن گانگو کا استقلال کمال کو پہونچ گیا۔ اور اس کی عظمت کا سکہ دلوں پر بیٹھ چکا ہے اور تمام لوگ اس کے آگے سر جھکانے کے لئے تیار ہیں۔ اس نے خود سبقت کی اور تمام امیروں کو ایک جگہ جمع کیا اور ان سے کہا کہ میں حکمرانی کے لایق نہیں ہوں بڑھاپے کی وجہ سے آرام لینے اور گوشۂ عافیت میں بیٹھنے کی تمنا مجھے ایسی ہے کہ سلطنت کی بھی مجھے پروا نہیں ہے۔ میں نے تم لوگوں کے اصرار سے پہلے یہ عظیم الشان خدمت قبول کر لی تھی لیکن اب مجھے معاف رکھو اور اس کام کے لئے کسی دوسرے کو منتخب کرو امیروں نے جواب دیا کہ جس شخص کو تم کہو اسی کو منتخب کر کے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں۔ ناصر الدین نے کہا کہ حسن گانگو المخاطب بہ ظفر خاں اپنے زمانہ کا بے نظیر بہادر ہے اور بزرگی اور شرافت کے آثار اس کی پیشانی پر روشن ہیں میرے نزدیک وہی تاج و تخت کے لایق ہے اس رائے کو سبھوں نے پسند کیا صدر الشریف سمرقندی اور میر محمد منجم بدخشی جو دکن کے

یک صدی امیر اور علم نجوم اور ریاضی کے بڑے ماہر تھے لشکر کے ہمراہ تھے۔ ان مسلمان نجومیوں اور ہندوستان کے پنڈتوں میں ساعت جلوس مقرر کرنے میں بڑی طویل بحث ہوئی چونکہ کثرت رائے ہندو پنڈتوں کے ساتھ تھی حسن گانگو نے بھی انھیں سے اتفاق کیا اور سلطان قطب الدین کی مسجد میں ربیع الثانی کی چوبیس تاریخ ۷۴۸ھ میں جمعہ کے دن تاج شاہی حسن گانگو کے سر پر رکھا گیا اور چتر سیاہ جو خلفائے عباسی کا قومی نشان تھا برکت کے لئے حسن کے سر پر سایہ فگن ہوا۔ دکن میں حسن گانگو کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری ہوا اور بادشاہ علاء الدین حسن گانگوئے بہمنی کے نام سے مشہور ہوا۔ امیروں نے گلبرگہ کو مبارک جگہ سمجھ کر اس کو حسن آباد گلبرگہ کے نام سے موسوم کر کے سلطنت کا دارالحکومت قرار دیا۔

ملا داؤد بیدری نے اپنی کتاب تحفۃ السلاطین میں جس کو مصنف نے فیروز شاہ بہمنی کے نام سے معنون کیا ہے لکھا ہے کہ صدر الشریف سمرقندی اور میر محمد بدخشی نے اکثر مجلسوں میں بارہا اظہار افسوس کے ساتھ کہا کہ اگر ہماری مقرر کردہ ساعت میں سلطان علاء الدین حسن تخت سلطنت پر جلوس کر کے اپنے نام کا خطبہ وسکہ دکن میں جاری کرتا تو بہت بہتر ہوتا ان فاضلوں کی تقریر کسی طرح علاء الدین حسن کے کانوں تک پہونچی۔ علاء الدین اس گفتگو سے فکر مند ہوا اور ان دونوں باکمالوں کو تنہائی میں اپنے پاس بلا کر ان سے ان کے اظہار افسوس کا سبب دریافت کیا۔ بادشاہ کے دل میں یہ وہم پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہندو نجومیوں کی اختیار کردہ ساعت میں تخت پر جلوس کرنے سے سلطنت کو کسی طرح کا نقصان پہونچے اور سرزمین دکن کی حکمرانی اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ صدر الشریف اور میر محمد بادشاہ کے خیال کو سمجھ گئے اور ان لوگوں نے شدید قسمیں کھا کر بادشاہ کو اطمینان دلایا کہ بادشاہ کا خیال صحیح نہیں ہے بلکہ ہمارے اظہار افسوس کا سبب دوسرا ہے۔ بادشاہ نے اس سبب کو دریافت کیا۔ ان فاضل نجومیوں نے جواب دیا کہ سیاروں کی وضع اور شکلوں سے ہمیں ایسا معلوم ہوا تھا کہ جس ساعت بادشاہ نے تخت سلطنت پر جلوس کیا اس کی تاثیر یہ ہے کہ اس خاندان میں بادشاہوں کی تعداد بیس تک نہ پہونچیگی اور زمانہ حکمرانی بھی دو سو سال سے کم ہی رہے گا جو ساعت جلوس ہم لوگوں نے اختیار کی تھی اگر اس وقت بادشاہ تخت سلطنت پر بیٹھتے تو اس ساعت کی تاثیر سے سات سو سال حکومت اس خاندان میں

رہتی اور تقریباً ایکسو پچاس فرمانروا آپ کی اولاد سے تخت سلطنت پر جلوس کرتے۔ بادشاہ علاالدین حسن اس تقریر سے مطمئن ہوا اور صدر الشریف سمرقندی کو منصب صدارت پر مقرر کیا اور میر محمد بدخشی کو قاضی لشکر بنایا۔ مولف لکھتا ہے کہ جب ایک سو ستھتر برس کے بعد آل بہمنی کی حکومت ختم ہوئی اور فرمانرواؤں کی تعداد بھی بیس تک نہ پہونچی تو ان فاضلوں کی سچائی اور علم نجوم میں ان کی مہارت صاحب انصاف لوگوں پر اچھی طرح ظاہر ہوگئی۔ غرض کہ سلطان علاؤالدین کار سلطنت میں مشغول ہوا اور اپنے تمام انتظامات میں اچھی طرح کامیاب رہا مملکت کا دائرہ روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک کہ دریائے پونہ سے قلعۂ ادونی کے نواح تک اور بندر جیول اور دابل سے شہر احمد آباد بیدر تک علاء الدین حسن کا قبضہ ہوگیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ علاؤالدین حسن نے تخت سلطنت پر بیٹھکر پہلا حکم جو جاری کیا وہ یہ تھا کہ پانچ من سونا اور دس من چاندی شیخ برہان الدین دولت آبادی کی معرفت حضرت سلطان نظام الدین اولیا کی روح کو ثواب رسانی کی غرض سے فقیروں اور مسکینوں کو تقسیم کی جائے۔ سلطان علاؤالدین حسن نے اسمٰعیل فتح خاں کو امیر الامرا بنا کر سپہ سالار مقرر کیا اور ناصر الدین شاہ کا خطاب منسوخ کیا۔ ملک سیف الدین غوری کو جو نیک سیرت عقلمند سخن سنج۔ مردم شناس اور قدرداں تھا اور جس کی سابقہ خدمتوں کے حقوق بھی علاء الدین حسن کے ذمہ تھے وکیل سلطنت کر کے اُس کی بیٹی شاہ بیگم کی نسبت اپنے بڑے بیٹے محمدؐ کے ساتھ مقرر کی اسی طرح اپنے اس نوکر کو جو علاء الدین کی رفاقت میں ہر رنج اور مصیبت میں اس کا شریک حال رہا تھا مناسب خطاب سے سرفراز کر کے ملک کے عمدہ حصے جاگیر میں دیئے قلعہ دولت آباد کو بہرام خاں مازندرانی کے سپرد کر کے شاہانہ جلوس اور بڑے جاہ و حشم کے ساتھ بلدۂ گلبرگہ کی طرف روانہ ہوا۔ باوجود پانی کی کم یابی کے اور صفائی کے نہ ہونے پر بھی اس جگہ کو اپنے لئے مبارک سمجھ کر گلبرگہ کو پائے تخت مقرر کر کے حسن آباد کے نام سے اُسے موسوم کیا۔ علاء الدین نے اپنے سابق محسن کی شرط کو بھی پورا کیا اور اپنے خزانہ کا دفتر گانگوئے بہمنی کو جو حال ہی میں محمدؐ تغلق کی نوکری چھوڑ کر دکن آیا تھا سپرد کر دیا اور اس کے نام کو اپنے نام کے ساتھ طغرے اور شاہی فرمانوں میں درج کیا کمترین بندۂ حضرت سبحانی علاء الدین حسن گانگوئے بہمنی۔ مشہور ہے کہ اس سے پہلے برہمن شاہان اسلام کی

ملازمت اور عہدہ داری نہیں کرتے تھے بلکہ گاؤں اور شہر کے گوشۂ عافیت میں مختلف
علوم کی تحصیل خصوصاً علم نجوم کی تکمیل میں مشغول رہ کر توکل کے ساتھ زندگی بسر کرتے
تھے۔ اگر اتفاق سے ان میں کوئی طبابت۔ نجوم۔ وعظ قصہ خوانی کی وجہ سے امیروں
کی مجلس میں جاتا بھی تھا تو صرف انعام واکرام کے قبول کرنے کو کافی سمجھ کر نوکری
کا جوا اپنی گردن میں نہیں ڈلتا تھا۔ برہمنوں کا فرقہ دنیاداروں کی نوکری کو عام طور پر اور مسلمانوں
کی ملازمت کو خاص طور پر نیکیوں کے زایل ہونے اور ابدی بدبختی میں گرفتار ہونے کا
باعث سمجھتے تھے۔ برہمنوں میں سب سے پہلے جس شخص نے مسلمان بادشاہوں کی
ملازمت اختیار کی وہ گانگو پنڈت تھا چنانچہ اب تک جو ۱۰۱۶ھ ہے سارے ہندوستانی
ممالک کے خلاف سرزمین دکن میں یہ دستور ہے کہ شاہان اسلام کا دفتر برہمنوں ہی کے
سپرد رہتا ہے۔ سلطان علاء الدین حسن نے اپنی حسن تدبیر اور صائب رائے اور شمشیر زنی
سے تھوڑے ہی زمانہ میں دکن کا تمام وہ حصہ جو محمدؐ تغلق کے آخری زمانہ میں تغلق امیروں
کے قبضہ میں تھا فتح کر لیا اور تمام تغلق امیروں کو جن میں مغل افغان اور راجپوت سب
داخل تھے اور جو بیدر اور قندھار کے قلعوں میں سکونت پذیر تھے مہربانی اور ملائمت سے
اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا کر دونوں حصاروں پر بھی اپنا قبضہ کر لیا کولاس کو بھی مع اُسکے
مضافات کے راجہ ورنگل کے قبضہ سے نکال کر راجہ کے ساتھ مہربانی اور ہمدردی کا
طریقہ ملحوظ رکھا۔ گلبرگہ کی مسجد اور قلعہ کی جو تباہ اور ویران ہو گیا تھا بنا ڈال کر دونوں
عمارتوں کو تھوڑے ہی زمانہ میں پورا کر دیا ۷۵۲ھ میں محمدؐ تغلق نے وفات پائی اور
اس واقعہ سے علاء الدین حسن ہر طرف سے بالکل مطمئن ہو گیا اور اپنی بقائے سلطنت کا
اور زیادہ امیدوار ہوا اور سلطنت کی بنیاد کو پہلے سے زیادہ مستحکم اور مضبوط کرنے لگا۔
سب سے پہلے ملک سیف الدین غوری کی بیٹی سے اپنے بڑے بیٹے شاہزادہ محمدؐ کا
عقد کیا اور شاہانہ آئین و قوانین کے ساتھ عروس کو نوشاہ کے سپرد کیا مورخین لکھتے
ہیں کہ جشن شادی کے زمانہ میں ایک دن شاہزادہ کی والدہ ملکۂ جہان نے ٹھنڈی
سانس بھری اور کہا کہ اس وقت تو میرے بیٹے کی خالہ کو یہاں ضرور موجود ہونا تھا
تاکہ اس جشن اور مجلس عشرت کو دیکھ کر وہ بھی خوش ہو۔ علاء الدین نے پوچھا کہ شاہزادہ
کی خالہ اس زمانہ میں کہاں ہے ملکۂ جہاں نے جواب دیا کہ ملتان میں مقیم ہے بادشاہ نے

کچھ نہ کہا اور اس مجلس سے اٹھ کر باہر گیا۔ علاء الدین نے ملکۂ جہاں کی بہن کو ملتان سے لینے کیلئے
آدمی بھیجے اور اس کارروائی میں اتنی احتیاط برتی کہ کوئی واقف اور آگاہ نہ ہو سکے۔
علاء الدین حسن نے جشن کے منتظموں کو حکم دیا کہ مجلس کو اور طول دیں اور جشن قائم رکھنے
کے لئے جس قدر روپیہ کی ضرورت ہو وہ ہر مہینے سرکاری خزانہ سے ملک سیف الدین
غوری کے مکان پر پہونچایا جائے۔ جشن کے شروع ہونے سے چھ مہینے کے بعد بادشاہی
پیادے شاہزادہ کی خالہ کو ڈولی میں بٹھا کر ملتان سے گلبرگہ لے آئے۔ سلطان علاء الدین
اس خبر سے بیحد خوش ہوا اور اس بہانہ اور اس شہرت کے ساتھ کہ یہ ڈولی ملک سیف الدین
کی بہن کی ہے سواری کو ملکۂ جہاں کے پاس بھیجدیا۔ ملکۂ نے جیسے ہی اپنی بہن کو دیکھا
حیران اور ششدر رہگئی اور جب اُسے سارے واقعہ کی اطلاع ہوئی تو ملکۂ جہان نے
بادشاہ کی مہربانی کا بہت شکریہ ادا کیا۔ بادشاہ علاء الدین حسن نے نئی نئی محفلیں عیش و عشرت
کی منعقد کیں اور ملکۂ کی بہن کے لئے نئے جشن برپا کر کے اُس کے سامنے شاہزادہ کا خطبۂ نکاح
پڑھوا کر دلھن کو نوشاہ کے سپرد کیا۔ اس بزم عشرت میں علاء الدین حسن نے باوجود اسکے
کہ اُس کی حکومت کو بہت تھوڑا زمانہ گذرا تھا دس ہزار زربفت۔ مخمل اور اطلس کی
قبائیں اور ایک ہزار گھوڑے عربی اور عراقی اور دو سو کمر و خنجر اور قیمتی جواہرات سے
مرصع تلواریں امیروں منصب داروں نوکروں میں تقسیم کیں۔ یہ جشن ایک سال کامل
برپا رہا اور اس سارے زمانہ میں یہ دستور رہا کہ شہر میں چند مقامات پر منجنیقیں نصب کیگئی
تھیں اور مٹھائیاں اور شیرینی کی گولیاں جو عام طور پر ہندوستان میں بنائی جاتی ہیں
ان منجنیقوں پر رکھ کر اہل شہر پر برسائی جاتی تھیں۔ یہ جشن ایک یوم جلوس یعنی چوبیس
ربیع الآخر کو شروع ہوا اور دوسری ربیع الآخر کی چوبیسویں کو ختم ہوا۔ ختم جشن کے روز
تمام امیروں اور ارکان دولت نے قسم قسم کے تحفے اور ہدیئے اور جواہرات اور قیمتی
لعل اور بیشمار نقد و جنس پیشکش کے طور پر بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کئے اور اپنے
حسن عقیدت کی وجہ سے شاہی عنایتوں سے سرفراز ہوئے۔ ملک سیف الدین غوری
کو چونکہ خاندان شاہی سے قرابت ہوگئی اس لئے اُس کا رتبہ پہلے سے بہت زیادہ
بلند ہوا اور جو تقرب ملک غوری کو بارگاہ خسروی میں حاصل ہوا اُس کے مثل کسی دوسرے
امیر کو میسر نہ ہوا۔ نوروز کے دن تمام عالم اور فاضل قاضی اور مفتی اور ارکان دولت شاہی

دربار میں جمع ہوئے۔ صدرالشریف سمرقندی اور سید احمد غزنوی مفتی نے بادشاہ کے حکم کے
موافق ملک سیف الدین کا ہاتھ پکڑ کر اسمٰعیل فتح سے بلند جگہ پر بٹھایا اسمٰعیل فتح کا تقرب
بارگاہ بہمنی میں وہ تھا کہ عیدین اور دوسرے مذہبی درباروں کے دن اسمٰعیل فتح جب
دربار میں آتا تو بادشاہ سروقد اس کی تعظیم دیتا تھا اور چند قدم اپنی جگہ سے بڑھکر اُس کا
استقبال کرتا اور اس کے بعد دیوان خانہ میں جاکر تخت سلطنت پر بیٹھتا اور لوگوں کو
حاضری کی اجازت دیتا تھا۔ اسمٰعیل فتح کو جس نے کچھ دنوں حکمرانی بھی کی تھی ملک سیف الدین
غوری کا یہ تقدم بھلا نہ معلوم ہوا اور ایک روز شاہی تخت کے قریب جاکر اس بات کی شکایت
کی اور شکوہ کے وقت اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ علاء الدین حسن نے اسمٰعیل فتح
سے کہا کہ تم صرف امیر الامرا اور سپہ سالار ہو اور ملک غوری نائب السلطنت اور وکیل مطلق
ہے باوجود اس کے کہ تم نے اِن دونوں عہدوں کا فرق مراتب اور دونوں عہدہ داروں
کی قدر و منزلت کو بادشاہی مجلسوں میں اپنی آنکھ سے دیکھا ہے پھر بھی تمھارا اس کی
شکایت کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسمٰعیل فتح اس جواب سے خاموش ہو رہا اور ظاہرا سوا
اطاعت کے اور کوئی چارہ کار اُسے نظر نہ آیا اسی طرح ہر روز دربار میں آتا اور بیحد خوشی
اور مسرت کے ساتھ سیف الدین غوری سے نیچے مرتبہ پر بیٹھتا تھا۔ اسمٰعیل کا ظاہر تو یہ حال
تھا لیکن حقیقت میں اُس کا دل بادشاہ سے پھر گیا اور اس نے ارادہ کر لیا کہ بیٹوں
اور عزیزوں کے ساتھ مل کر جو سب کے سب شاہی امیروں میں داخل تھے بعض افغانی
امیروں کی مدد سے جو سیف الدین غوری کے بہی خواہ تھے علاء الدین حسن کو شکار یا سواری
کے وقت تہ تیغ کرکے خود دوبارہ حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے۔ چونکہ تقدیر تدبیر کے
موافق نہ تھی اسمٰعیل کا پانسہ الٹا پڑا اور اس کو خود اپنی جان ہارنی پڑی۔ بادشاہ کو اسمٰعیل
کی نیت کا حال معلوم ہوگیا اُس نے ایک بڑی مجلس ترتیب دی اور تمام امیرون
منصبداروں سادات اور علماء اور مشائخ کو اس دربار میں بلایا اور اسمٰعیل فتح سے
اس کے بد ارادہ کی بابتہ استفسار کیا۔ اسمٰعیل نے انکار کیا اور شدید قسمیں کھائیں کہ میں نے
ایسا بد ارادہ ہرگز نہیں کیا۔ علاء الدین حسن حاضرین مجلس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ
جس کسی نے اسمٰعیل فتح کے ہاتھ پر بیعت کرکے اس کی ترغیب سے راہ راست
چھوڑنے کا ارادہ کیا ہو وہ بلا خوف و خطر گواہی دے اور جو کچھ اُس نے اسمٰعیل فتح سے سنا

یا اُسے کرتے ہوئے دیکھا ہو اُس کو چھپائے نہیں بلکہ صاف صاف مجھ سے بیان کردے
میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسے شخصوں سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی جائیگی اور نہ ان کو کوئی
سزا بھگتنی پڑیگی۔ بادشاہ کی یہ تقریر سنتے ہی اُن تمام امیروں اور منصب داروں نے جو
خفیہ طور پر اسمٰعیل کی دست بوسی کر چکے تھے اپنی خیریت راست بیانی میں دیکھی اور جو کچھ
حقیقت میں واقعی تھی بےکم و کاست ایسا بادشاہ سے بیان کی کہ شبہہ کی گنجائش نہ رہی
بادشاہ علاء الدین نے گناہ ثابت ہونے کے بعد حاضرین مجلس سے قتل کا فتویٰ لیا اور
بیحد غضب آلود ہو کر اسی مجلس میں اسمٰعیل فتح کا سر قلم کر ڈالا اسمٰعیل کے دوسرے
رازداروں کا قصور معاف کیا اور کسی سے کچھ بھی پرسش نہ کی اور نہ کچھ حقیقت حال کی
طرف توجہ کی۔ اسمٰعیل فتح کے بیٹوں اور عزیزوں کا اگرچہ جرم ثابت ہو گیا تھا لیکن بادشاہ
نے ان لوگوں کو اپنے پاس بلایا اور اُن کے گناہ معاف کئے۔ اسمٰعیل فتح کا عہدہ اسکے
بیٹے بہادر خاں کو عطا ہوا اور اسمٰعیل کے تمام وارث شاہی عنایت اور خاص مہربانی سے
خوش اور مطمئن کر دیئے گئے اسمٰعیل کی قربانی اور مجرموں کے گناہ معاف کرنے اور مقتول
کے بیٹوں کی عزت افزائی سے بادشاہ کا غلبہ ہزار گونہ بڑھ گیا اور اس کی محبت کا سکہ دلوں
پر خوب جم گیا۔ رائے تلنگانہ بھی جواب تک سرکشی پر تلا ہوا تھا اور بادشاہ اُس کی سابقہ
روکا لحاظ کر کے نرمی اور سہولت سے پیش آتا تھا اپنی سرکشی کے مقابلہ میں بادشاہی
عنایتوں کو دیکھ کر شرمندہ ہوا۔ راجہ نے خلوص اور اطاعت کا اظہار کیا اور جو رقم کہ ہمیشہ
شاہان دہلی کو بھیجا کرتا تھا ہر سال خزانۂ ہمنیہ میں داخل کرنے لگا۔ جب سلطان علاء الدین
حسن کو کسی گوشہ میں بھی کوئی مخالف نظر نہ آیا اور ملک کا ہر گوشہ دشمنوں سے پاک ہو گیا تو
اپنے امیروں اور ارکان دولت کا ایک جلسہ مرتب کیا اور کہا کہ خدا نے مجھکو اتنی بڑی
دولت عطا کی ہے اور دہلی کے لشکر کا بہترین حصہ جو سر زمین دکن کی حفاظت کے لئے
دارالخلافت سے آیا تھا اب میرے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گیا ہے میرا گمان ہے
کہ اس جمعیت کو ساتھ لے کر میں جس طرف توجہ کروں گا وہیں فتح و نصرت میرا ساتھ
دے گی مناسب یہ ہے کہ اپنے ارادہ میں مستقل ہو کر جہاں کشائی کے لئے اٹھوں اور
ادونی سے بیجانگر تک اور سیت بن رامیسر سے ملا بار تک سارا ملک اپنے قبضہ میں
لے آؤں۔ ان ممالک کو فتح کر کے گوالیار کا رخ کروں اور مالوہ اور گجرات کو بھی فتح

کر کے ان شہروں کو بھی اپنی مملکت میں شامل کروں ملک سیف الدین غوری ادب سے سامنے آیا اور عقل و دانش کے ساتھ اس نے بادشاہ سے کہا کہ کرناٹک کا ملک نہروں اور درختوں سے بالکل معمور ہے اور ہوا میں رطوبت بھی زیادہ ہے خصوصا برسات کے زمانہ میں ہمارے لشکر کے گھوڑے ہاتھی اونٹ اور بیل اور گائے بلکہ باربرداری کے سارے جانور ایسے ملک میں پلے ہیں جس کی آب و ہوا کرناٹک کے موسم سے بالکل خلاف ہے ان جانوروں کا پردیس میں زیادہ دنوں تک رہ کر زندہ رہنا بیحد دشوار ہے علاء الدین خلجی اور محمدؐ تغلق کے زمانوں میں دو یا تین مرتبہ دہور سمند پر لشکر کشی کی گئی لیکن انسان اور بے زبان جانوروں میں دنس میں سے ایک بھی سلامت واپس نہ ہوا مختصر یہ کہ وہ ملک ایسا نہیں ہے کہ بادشاہ خود اس نواح پر دھاوا کرے مناسب یہ ہے کہ پہلے ایک گروہ کرناٹک کی سرحدوں کے فتح کرنے کے لئے بھیجا جائے ظاہر ہے کہ سرحد کرناٹک کی آب و ہوا دکن کے موسم سے کچھ تھوڑی بہت مشابہ ہے۔ یہ گروہ اس نواح کے سرکش راجاؤں کو جنھوں نے اب تک تحفے اور ہدیئے اور اپنے ایلچیوں کو شاہی بارگاہ میں بھیجکر خلوص اور اطاعت کا اظہار نہیں کیا ہے تلوار کے زور سے موم کرے اور ان سنگدلوں سے باج اور خراج کی رقم وصول کر کے اس طرف سے پوری خاطرجمعی حاصل کرے اس کے بعد چونکہ تختگاہ دہلی پر ان دنوں ادبار کی تاریک گھٹائیں چھائی ہیں بادشاہ خود گوالیار اور مالوہ کا سفر کر کے ان ممالک کو جو آجکل دور اندیش اور مدبر حاکموں سے بالکل خالی ہیں اپنے قبضہ میں لائے اور اس طرح اپنے جہاں کشائی کے جھنڈے کو بلند کر کے اپنا آوازۂ جہانگیری بلند کرے سلطان علاء الدین حسن نے ملک سیف الدین غوری کی رائے کی بیحد تعریف کی اور اپنے دو نامی امیروں یعنی عماد الملک تاشکندی اور مبارک خاں لودھی کو کرناٹک کی مہم پر نامزد کیا۔ ان امیروں نے دریائے تادبی اور بکری تک ہندوؤں کے ملک کو تاخت و تاراج کیا اور اس قوم کے تمام گھروں اور آبادیوں کو لوٹ مار سے غارت اور تباہ کر کے دو لاکھ علائی اشرفیاں جس کا دو سو لاکھ تولہ سونا ہوتا ہے اور بہت سے قیمتی جواہرات بیشمار موتی اور نقد دولت دو سو نامی ہاتھی اور ایک ہزار ناچنے والی لونڈیاں اور ساز عمدہ اس ملک کے راجاؤں سے بطور خراج حاصل کئے اور بادشاہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے عہد و پیمان راجاؤں سے لے کر مع ان راجاؤں کے ایلچیوں کے

موسم باراں میں اپنے ملک کو واپس آئے۔ سلطان علاء الدین نے اس لشکر کی واپسی کے بعد ملک سیف الدین غوری کے مشورہ سے سفر کی تیاریاں کیں اور شعبان ۷۵۸ھ میں حسن آباد گلبرگہ سے روانہ ہو کر دولت آباد پہونچا۔ بالا گھاٹ میں لشکر کا جائزہ لیا اور معلوم ہوا کہ پچاس ہزار سوار جن میں اکثر بہادر سپاہی تھے لشکر میں موجود ہیں۔ علاء الدین حسن نے چاہا کہ ندربار اور سلطان پور کے راستہ سے مالوہ پہونچے۔ رائے ہرن کے قاصد اپنے راجہ کے بھیجے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں پہونچے۔ رائے ہرن راجہ کرن کی اولاد تھا اور باوجود اس کے کہ گجرات میں فساد برپا تھا دشمنی سپاہ کے خوف سے بگلانہ میں مقیم تھا اسے اپنے ملک موروثی کو جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ان ایلچیوں نے اپنے مالک کی طرف سے بادشاہ سے عرض کیا کہ گجرات کے راجاؤں اور فرمانروایان دکن میں ہمیشہ دوستی اور اتحاد کا برتاؤ چلا آتا ہے۔ میری خواہش یہ ہے کہ بادشاہ سب سے پہلے گجرات کا رخ کریں اور اس سدا بہار زمین کو جو میرے باپ دادا کی ملکیت ہے اور جس کی رعایا جاگیرداروں کے ظلم سے تنگ آکر اپنی جان سے بیزار ہو گئی ہے اور جو عرصہ سے اسی طرح کی غیبی مدد کی منتظر تھی فتح کر کے اپنے قبضہ میں لائیں اور مجھے اپنے حلقہ بگوشوں میں داخل کر کے اطمینان کے ساتھ مالوہ پر لشکر کشی کریں۔ راجہ کے علاوہ باقی زمینداروں نے بھی علاء الدین حسن کے پاس اپنے قاصد بھیجکر بادشاہ سے گجرات پر قبضہ کرنے کی درخواست کی۔ سلطان علاء الدین حسن نے اپنے درباریوں اور بہی خواہوں سے مشورہ کیا۔ بڑے غور و فکر کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ جب بادشاہ دکن کو فیروز شاہ باربک فرمانروائے دہلی کے مقابلہ میں معرکہ آرائی کرنا ہر طرح پر مقصود ہے اور اسی قصد سے بادشاہ اپنے دار الخلافت حسن آباد سے روانہ ہوا ہے تو مالوہ اور گجرات دونوں برابر ہیں بلکہ گجرات کی رعایا خود بادشاہ کے آنے کی خواہشمند ہے اس لئے پہلے اسی شہر پر دھاوا کرنا بہتر اور مناسب ہے۔ سلطان علاء الدین حسن نے بھی اپنے بہی خواہوں کی رائے کو پسند کیا۔ شاہزادہ محمد کو بیس ہزار سواروں کے ساتھ ہراول کے طور پر روانہ کیا اور اس کے بعد خود آہستہ خرامی کے ساتھ مع لشکر و علم گجرات کی طرف بڑھا۔ شاہزادہ محمد نوساری پہونچا اور اس نے دیکھا کہ نوساری کا نواح ہر قسم کے شکاری جانوروں سے بھرا ہوا ہے شاہزادہ خود بھی شکار کھیلنے میں مصروف ہوا اور اپنے باپ کو بھی جو ہمیشہ صید افگنی کا عاشق اور دلدادہ تھا اس مقام کی کیفیت سے

آگاہ کیا بادشاہ نے جلد سے جلد اُس طرف قدم بڑھائے اور نوساری پہونچکر ایک مہینے کامل سیر و شکار میں بسر کیا۔ غرضکہ جن باتوں نے کرناٹک کے سفر سے روکا تھا وہی نوساری کے شکار میں پیش آئیں۔ بادشاہ پر رطوبت کا اثر ہوا اور بخار نے اُس کے جسم میں گھر کیا۔ بادشاہ شکار کا ایسا دیوانہ تھا کہ صید افگنی پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوا اور اپنی حفاظت پر ذرا بھی توجہ نہ کی اور باوجود اِس کے کہ بڑھاپے کا زمانہ گناہ سے توبہ کر کے خدا کو یاد کرنے کا وقت ہے لیکن علاء الدین حسن نے بھی دوسرے بادشاہوں کی پیروی کی اور شکارگاہ میں ساقی و شراب کی مجلس گرم ہوئی۔ علاء الدین نے شکار کا گوشت کباب کر کے کھایا اور ہیضہ میں مبتلا ہو کر فوراً صاحب فراش ہوگیا۔ علاء الدین پر اپنے مرض کی نوعیت اور اُسکا اشتداد کھل گیا اور بڑی حسرت اور مایوسی کے ساتھ راستہ سے پلٹا اور سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا حسن آباد گلبرگہ پہونچ گیا۔ دار الحکومت میں پہونچکر علماء اور مشائخ کا ایک جلسہ کیا اور صدر الشریف سمرقندی کے ہاتھ پر تمام گناہوں سے توبہ کی۔ علاء الدین حسن نے بھی قتلغخاں استاد کے طریقہ کے موافق اپنے ممالک محروسہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ حسن آباد گلبرگہ سے لے کر وایل رائچور اور مدکل تک کے تمام ممالک ملک سیف الدین غوری کے زیر انتظام کئے گئے اور دولت آباد جیبر۔ چول۔ بیڑ اور مونگی پٹن کے ضلعے جو مرہٹواڑی کے بہترین شہر ہیں اپنے بھتیجے خان محمد بن علی شاہ کی ماتحتی میں دیئے۔ ملک برار اور ماہور صفدر خاں سیستانی کو سپرد کئے گئے اور بیدر قندھار۔ اندور۔ کولاس اور تلنگانہ کے تمام مقبوضات پر اعظم ہمایوں ولد ملک سیف الدین غوری حاکم بنایا گیا۔ بادشاہ چھ مہینے کامل صاحب فراش رہا۔ اس بیماری کے دوران میں اپنی جگہ قصر کے اندر ایک ایسے مقام پر مقرر کی جو گلی کے رخ پر واقع تھا۔ صبح و شام بلکہ ہر وقت بادشاہ کا یہ کام تھا کہ تمام رعایا کو باریابی کی اجازت دیتا اور خلق خدا کے حالات کی پرسش کرتا اور مظلوموں کی فریاد رسی کرتا تھا۔ اُس نے اپنے مرض الموت کے زمانہ میں حکم دیا کہ تمام ممالک محروسہ کے قیدی یکبارگی رہا کر دیئے جائیں اگر ان قیدیوں میں سے کوئی شخص کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نظر بند کیا گیا ہے تو وہ جلد حسن آباد گلبرگہ پہونچایا جائے۔ شاہی فرمان کے موافق ہر چہار طرف سے اس قسم کے قیدی جو کسی بڑے جرم کے مواخذہ میں پا بہ زنجیر تھے اُسی قید کی حالت میں دار الحکومت کے اندر جمع ہونے لگے انصاف پرور بادشاہ نے اسی وقت

اُن کے قصور معاف کر کے سب کو آزاد اور رہا کر دیا قیدیوں میں صرف سات ایسے مجرم
جن کی رہائی ملک کے لئے باعث آزار تھی اسی طرح پابہ زنجیر رکھے گئے بادشاہ نے
اِن قیدیوں کو شاہزادہ محمدؐ کے سپرد کیا اور کہا کہ میرے بعد ملک کی رفاہ اور مصلحتوں کا خیال
کر کے اِن مجرموں کے ساتھ مناسب برتاؤ کرنا۔ اِس زمانہ میں مرض اور ترقی کر گیا ہر چند
حکیم علیم الدین تبریزی۔ حکیم نصیر الدین شیرازی اور دوسرے نامی طبیبوں نے اصلاح مزاج
کی کوششیں کیں لیکن چونکہ بیماری طبیعت پر غالب آچکی تھی اور روحانی حرارت دن بدن
گھٹتی جاتی تھی حکیموں کے علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور بادشاہ روز بروز بد سے بدتر
حالت میں پہونچنے لگا۔ آخر کار علاء الدین کو یقین ہو گیا کہ کوچ کا وقت قریب ہے
قطعاً دوا سے کنارہ کشی اختیار کی اور موت کی گھڑیاں گننے لگا۔ اسی اثنا میں ایک دن
اپنے سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے شاہزادہ محمود کو اپنے پاس نہ دیکھ کر پوچھا کہ
شاہزادہ کہاں ہے حاضرین نے کہا مکتب میں سبق پڑھ رہا ہے۔ بادشاہ نے شاہزادہ
کو بلا کر پوچھا کہ اب کیا پڑھتے ہو شاہزادہ نے جواب دیا کہ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ
کی بوستان پڑھتا ہوں بادشاہ نے کہا آج کونسی حکایت تم نے پڑھی شاہزادہ نے
ایک حکایت پڑھی جس میں شیخ سعدی نے جمشید بادشاہ ایران کے منہ سے دنیا کی
بے ثباتی کا اچھا نقشہ کھینچا ہے۔ بادشاہ علاء الدین حسن نے جب اس حکایت کا
تیسرا شعر (جسکا مطلب یہ تھا کہ بہتوں نے زور اور مردانگی سے تمام عالم کو فتح کیا لیکن
جب مرے تو اپنے ساتھ قبر میں کچھ نہ لے گئے) سنا تو باآواز بلند رونے لگا اور اپنے
دوسرے بیٹوں یعنی داؤد و محمدؐ کو بھی اپنے پاس بلا کر بیٹوں سے کہا کہ یہ میرا آخری
وقت ہے میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اگر سلطنت کی بقا چاہتے ہو تو سب بھائی
مل کر اتفاق سے رہنا اور محمدؐ کو میرا جانشین سمجھکر اُس کی خدمت گزاری اور اطاعت
کو دنیا و دین کی سعادت سمجھنا۔ بیٹوں کو وصیت کر کے علاء الدین نے خزانہ دار کو
بلایا اور تمام نقد دولت شاہی خزانہ سے نکلوا کر اپنے بیٹوں کو دی اور ان سے کہا کہ
اسے لیکر جامع مسجد جاؤ اور حنفی مذہب علماء اور فقرا کو سب تقسیم کر دو۔ شاہزادوں نے
باپ کے حکم کی تعمیل کی اور روپیہ تقسیم کر کے بادشاہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ
تمام دولت تقسیم کر دی گئی علاء الدین نے زبان سے الحمد للہ کہا اور اسی وقت دنیا سے

رحلت کی اور گیارہ سال دو مہینے سات دن حکومت کرنے کے بعد پہلی ربیع الاول ۹۵۹ھ میں دنیا کو خیر باد کہا۔ اس بادشاہ نے سرسٹھ سال کی عمر پائی۔ شیخ عین الدین بیجاپوری اپنے ملحقات میں لکھتے ہیں کہ کسی نے علاء الدین حسن سے پوچھا کہ خزانہ اور لشکر نہ ہونے پر بھی اتنی بڑی سلطنت اسقدر قلیل مدت میں تم نے کیونکر حاصل کی اور کس طرح کسی دوسرے کی مدد کے بغیر لوگوں کو تم نے اپنا فرمانبردار اور اطاعت گزار بنالیا۔ علاء الدین حسن نے جواب دیا کہ اس کے دو سبب ہیں اول یہ کہ مروت کو میں نے اپنا شعار بنایا اور کسی حال میں میں نے مروت کے دائرہ سے قدم آگے نہیں بڑھایا۔ دوسرے یہ کہ میری سخاوت کا ہاتھ کبھی بیکار نہیں رہا دوست دشمن سب کے ساتھ میں نے عمدہ سلوک کئے اور سبھوں کو اپنا ممنون احسان بنایا۔ لوگ انھیں دو خصلتوں کی وجہ سے میرے گرویدہ ہوے اور میرے مطیع اور بہی خواہ بن گئے۔ علاء الدین حسن کے معاصر علماء اور مشائخین میں شیخ عین الدین بیجاپوری اور شیخ محمد سراج بھی شامل ہیں ان دونوں بزرگوں کے حالات عنقریب اپنی جگہ پر لکھے جائینگے۔ ناظرین تواریخ کو جاننا چاہیے کہ صاحب تحفۃ السلاطین اور مصنف سراج التواریخ اور ناظم بہمن نامہ دکنی میں سے جس سے مراد بعض کے نزدیک حضرت شیخ آذری ہیں کسی نے بھی علاء الدین حسن کے نسب اور اس کی اصل کی بابتہ صراحتاً ایک حرف بھی اپنی تصانیف میں نہیں لکھا ہے لیکن تعریف کے وقت بعض مقامات پر ان مصنفوں نے علاء الدین حسن کو شاہان کیان کی طرف منسوب کیا ہے اور کہیں لکھا ہے کہ بادشاہ نے کلاہ کیانی سر پر اور قدم تخت کیانی پر رکھکر جلوس کیا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ ان کتابوں میں بعض مقامات پر علاء الدین حسن کو بہمن اور اسفندیار کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے مثلاً کہیں تو بادشاہ کو بہمن نژاد لکھا ہے اور کہیں افروزندۂ کلاہ بہمنی وغیرہ مبالغہ آمیز جملوں سے اس کی مدح کی ہے ایسی عبارتیں اور جملے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علاء الدین حسن اسفندیار کی نسل سے تھا ان دونوں کتابوں میں کثرت سے زیادہ مرقوم ہیں۔ رہا بہمن نامہ اور اس کے شعر جو اس بات کے ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں کہ علاء الدین حسن نسل بہمن بن اسفندیار سے ہے وہ بھی قابل سند نہیں ہیں۔ اس لئے کہ بہمن نامہ کی بابتہ اگر یہ بات تحقیق کو پہونچ جاتی کہ اس نظم کے مصنف شیخ آذری ہیں تو یہ شعر بیشک دعویٰ کی بہترین دلیل ہوتے۔ اسلئے

کہ شیخ آذری ایسے شخص نہیں ہیں جو کسی بات کو بلا تحقیق اپنی کتاب میں درج کر دیتے دوسرے یہ کہ سندی شعروں میں استادانہ کلام کی مناسبت اور پختگی بھی نہیں پائی جاتی۔ اور نیز یہ کہ کتاب کے کسی شعر میں شاعر کا تخلص بھی موجود نہیں ہے۔ پھر باوجود ان باتوں کے محض عوام کے کہنے سے یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ یہ اشعار استاد شیخ آذری کی فکر بلند کا نتیجہ ہیں۔ مورخ فرشتہ جس وقت بلدۂ احمد نگر میں مرتضیٰ نظام شاہ بحری کا ملازم تھا اُس زمانہ میں نظام شاہیہ کتب خانہ میں ایک رسالہ اس کی نظر سے گذرا جو علاء الدین حسن کے نسب اور اس کی اصل کی تحقیق کی بابتہ لکھا گیا تھا لیکن مصنف کا نام اس رسالہ میں بھی کہیں مندرج نہ تھا۔ رسالۂ مذکور کا ماحصل یہ ہے کہ علاء الدین حسن بہمنی بہرام گور کی اولاد ہے اور اس کا سلسلۂ نسب بہرام گور تک اِس طرح پہونچتا ہے کہ علاء الدین حسن گانگوئے بہمنی بن کیکاوس بن محمدؐ بن علی بن حسن بن سہام بن سیبون بن سلام بن ابراہیم بن نصیر بن منصور بن رستم بن کیقباد بن منوچہر بن نامدار بن اسفندیار بن کیومرث بن خورشید بن صعصائی بن فغفور بن فرخ بن شہریار بن عامر بن سعید بن ملک داود بن ہوشنگ بن نیک کردار بن فیروز بخت بن نوح بن سالغ اور سالغ کا نسب چند پشتوں کے بعد بہرام گور سے جا ملتا ہے اور بہرام گور ساسان کی نسل سے ہے اور ساسان بہمن بن اسفندیار کی جو کیانی خاندان کا فرمانروا تھا یادگار ہے۔ مذکورۂ بالا رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ علاء الدین اور اس کی اولاد کو بہمنیہ کہنا یہی معنی رکھتا ہے کہ یہ خاندان نسل بہمن بن اسفندیار سے ہے۔ مورخ فرشتہ کے نزدیک یہ رائے غلط ہے بلکہ اُس کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ چونکہ گانگوئے بہمنی کا نام علاء الدین حسن کے نام کا جزو ہو گیا تھا اس لئے خود علاء الدین اور اُس کی اولاد بہمن کے نسب سے مشہور ہو گئی۔ خوشامدی شعرا اور مورخین کو ایک بات مل گئی اور انھوں نے اُس کو مبالغہ کا رنگ آمیز جامہ پہنا کر اُس کی صورت ہی بالکل بدل دی۔

(۲) محمدؐ شاہ بہمنی بن سلطان علاء الدین حسن گانگو۔

حسن گانگو کی وفات کے بعد سلطان محمدؐ شاہ نے تخت حکومت پر جلوس کیا۔ محمدؐ شاہ عقلمند اور بہادر اور سخی فرمانروا تھا۔ اس بادشاہ نے سامان شوکت اور لوازمۂ سلطنت بہم پہونچانے میں پوری کوشش کی۔ چتر شاہی کے قبہ کو نفیس اور بیش قیمت جواہرات سے آراستہ کیا

اور ایک مرصع ہما اس کے اوپر نصب کیا اور جو یاقوت کہ راجہ بیجانگر نے سلطان علاء الدین حسن
گانگو کو بھیجا تھا جس کی قیمت تشخیص کرنے سے تمام جوہری عاجز ہوگئے تھے اس مرصع
طایر کے سر پر جڑا گیا۔ چوبداروں اور تواچیوں کی تعداد میں بھی بہت کچھ اضافہ کیا اور
امیروں اور منصب داروں اور یکہ جوانوں کے لئے چار وقت مقرر کئے اور ہر ایک کو ایک
خاص خدمت پر مقرر کیا۔ تواچیوں کو لشکر شاہی حاضر کرنے اور لوگوں کو شاہی دربار میں
حاضر ہونے کی اجازت دینے کی خدمت پر مامور کرکے اس گروہ کو بارداروں کے
نام سے موسوم کیا۔ اسی طرح یکہ جوانوں کو جن کو شاہی ہتیار نفیس تلوار و تبر نیزہ اور علم
کی حفاظت کرنے کی خدمت سپردگی گئی تھی سلحداروں کا لقب دیا گیا۔ اور یکہ جوانان خاصہ
کو جن کی تعداد چار ہزار تھی خاصہ خیل کے نام کے ساتھ موسوم کیا گیا۔ حکم دیا کہ ہر روز صبح
کو پچاس سلحدار اور ایک ہزار خاصہ خیل دیوان خانہ میں حاضر رہا کریں دوسرے روز
جب گروہ دوم وقت مقررہ پر حاضر ہو جائے تو یہ پہلا گروہ اپنے اپنے گھروں کو
واپس جائے۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ ہر نوبت پر امیر و منصب دار جو دارالخلافت میں
حاضر ہوں دیوان خانہ شاہی میں آکر سلحداروں کے ساتھ پہرہ دیں۔ ہر نوبت میں ایک
شخص افسر مقرر کیا گیا اور اس کو سر نوبت کا خطاب ہوا اور اول چوکی کے سر نوبت کو
بھی اسی نام سے نامزد کرکے اس کو دوسرے سر نوبتیوں پر افسری کا مرتبہ عنایت ہوا
اسی طرح ممالک محروسہ کے ہر طرفدار کو جدا خطاب دیا گیا۔ طرفدار دولت آباد مسند عالی
طرفدار برار مجلس عالی۔ طرفدار بیدر و تلنگ اعظم ہمایوں اور طرفدار پائے تخت گلبرگہ حسن
آباد و بیجاپور جو وکیل السلطنت بھی تھا ملک نائب کے خطابات سے سرفراز کیا گیا
ممالک محروسہ کے سپہ سالار کو امیر الامرا کا خطاب دیا گیا۔ مذکورہ بالا خطابات اسوقت
تک مملکت دکن میں رائج ہیں جمعہ کے علاوہ ہر روز وسط ایوان میں ریشمی فرش نہایت
تکلف سے بچھایا جاتا تھا اور مخمل اور زربفت کے شامیانے اور دوسرے بیش قیمت
پردے لٹکائے جاتے تھے اور علاء الدین حسن کا نقرئی تخت بچھایا جاتا تھا۔ سلطان
محمد شاہ ایک پہر دن گزرنے کے بعد دیوان عام میں آتا تھا۔ دربار میں داخل ہوکر
پہلے باپ کے تخت کو تعظیما سجدہ کرتا تھا اور اس کے بعد تخت پر بیٹھکر بڑے دبدبہ اور
شوکت کے ساتھ دربار کرتا اور مہمات سلطنت کو انجام دیتا تھا۔ ظہر کی نماز کے قریب

قبل اس کے کہ اذاں کی آواز کان میں آئے دربار بہ خواست کرتا تھا اس کی طبیعت
غیرت پسند تھی اور اُسے باپ کے تخت کو سجدہ کرنا بھلا نہ معلوم ہوتا تھا یہاں تک کہ تلنگانہ کے
راجہ نے جیسا کہ آگے مذکور ہوگا تخت فیروزہ بھیجا اور سلطان محمد نے اُسے بڑی نعمت سمجھکر
دیوان میں بچھوا دیا اور نقرئی تخت علیحدہ ایک گوشہ میں ہمیشہ کے لئے بیکار رکھ دیا گیا اس
نقرئی تخت کو سلطان فیروز شاہ بہمنی نے اپنے زمانہ میں مدینہ منورہ بھجوا دیا تاکہ وہیں توڑکر
اُس کی چاندی سادات کو تقسیم کردی جائے۔ محمد شاہ کے زمانہ میں علاء الدین حسن کے
عہد کے موافق سوا ملک نائب سیف الدین غوری کے کسی شخص کو سلطانی مجلس میں بیٹھنے کی
اجازت نہ تھی لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ملک سیف الدین کو معلوم ہوگیا کہ محمد شاہ
کی غیرت پسند طبیعت کو اُس کا بیٹھنا بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ ملک نائب نے محمد شاہ سے
کہا کہ بادشاہ کے ہم خاندان اور نیز دوسرے امیر جو دولت بہمنی کے بہی خواہ ہیں دربار میں
کھڑے رہکر خدمات بجالاتے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ مجھے بھی تخت شاہی کے سامنے استادہ
رہنے کی اجازت دی جائے چونکہ ملک نائب کی یہ درخواست بادشاہ کے مزاج کے موافق
تھی یہ التجا قبول کی گئی اور سیف الدین غوری بھی دوسرے امیروں کی طرح دربار میں
حاضری دینے لگا۔ محمد شاہ نے حکم دیا کہ سونے کا سکہ تیار کیا جائے اور ہر روز پانچ مرتبہ
شاہی نوبت بجائی جائے اور دربار میں حاضر ہوکر ہر شخص دوزانو بیٹھ کر زمین بوس ہو۔
مورخ لکھتا ہے کہ دولت بہمنیہ کے زوال کے بعد اگرچہ ملک دکن میں مختلف خاندان
فرمانروا ہوئے اور ہر خاندان نے اپنا چتر اور خطبہ بھی مخصوص کرلیا لیکن نہ کسی نے سونیکا
سکہ جاری کیا اور نہ پانچ نوبتیں جو لازمۂ شاہی تھیں اپنے دروازہ پر بجوائیں۔ فرمانروایان
تلنگانہ نے بھی جو قطب شاہیوں کے نام سے مشہور ہیں اگرچہ سکہ سونیکا نہیں جاری کیا لیکن
سلاطین بہمنیہ کی تقلید میں نوبت بجوائی ہے۔ محمد شاہ بہمنی کے سونے اور چاندی کے
سکّے چار قسم کے تھے جن کے وزن مختلف تھے۔ زیادہ سے زیادہ وزن محمد شاہی سکوں
کا دو تولہ اور کم سے کم پاؤ تولہ تھا اور ہر سکہ میں ایک طرف کلمۂ طیبہ شہادت اور حضرات
چار یار رضوان اللہ علیہم کے نام نامی لکھے تھے اور دوسری طرف بادشاہ وقت کا نام اور
تاریخ ضرب کندہ تھی۔ غیر مسلم صرافوں نے اپنے مذہبی تعصب اور بیجانگر اور تلنگانہ کے
راجاؤں کی تحریک سے محمد شاہی سکہ کو جو قطعاً خالص اور میل سے بالکل پاک تھا گلانا

شروع کیا اور چاہا کہ محمد شاہی عہد سے پیشتر کی طرح بیجانگر اور تلنگانہ کے راجاؤں کے سکے
اس زمانہ میں بھی بدستور سابق جاری رہیں۔ محمد شاہ کو ان صرافوں کی نیت سے آگاہی
ہوگئی۔ بادشاہ نے بارہا اپنے ملک کے صرافوں کو بہمنی سکوں کے توڑنے اور اُن کو گلانے
سے منع کیا اور اُن کو ایسا نہ کرنے کی چند مرتبہ نصیحت کی لیکن جب یہ رسم نہ رکی اور نصیحت
کا کچھ فائدہ نہ ہوا تو بادشاہ نے اس گروہ کے قتل کے فرمان لکھ کر اپنے معتبر ملازموں کے
ذریعہ سے ممالک محروسہ کے اطراف وجوانب میں احکام بھجوائے کہ فلاں تاریخ تمام صراف
قتل کر دیئے جائیں۔ رجب سنہ ۷۶۱ھ میں جو دن کہ اس کام کے لئے مقرر کیا گیا تھا اس روز
سلطنت بہمنیہ کے صرافوں کی گردنیں ماری گئیں اور ممالک محروسہ کا ہر گوشہ اس جماعت کے
وجود سے پاک ہوگیا۔ بادشاہ نے ان کھتریوں کو جو اس سے پیشتر دہلی سے آکر دکن میں
آباد ہوئے تھے حکم دیا کہ صرافی کا کام کریں چنانچہ شاہان بہمنی کے آخری زمانہ تک سارے
ملک میں مسلمانوں کا سکہ رائج رہا۔ دکنی صرافوں نے جب مسلمان فرمانرواؤں کا یہ حال
دیکھا تو سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانہ میں اپنے باپ دادا کے اعمال سے نفرت
کر کے تمام روپیہ شاہی سرکار میں جمع کیا اور اپنا پیشہ اختیار کر کے پھر کبھی غیر مسلموں
کے سکوں کے گرد نہ پھٹکے۔ سلطان محمود شاہ بہمنی کے وسط حکومت میں جب کہ دولت
بہمنیہ کی بنیاد متزلزل ہوگئی ان صرافوں نے پھر اپنے پرانے کینہ کو تازہ کیا اور سات
ہی آٹھ برس کے عرصہ میں اسلامی سکوں کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اور بیجانگر اور
تلنگانہ کے راجاؤں کے سکے جو ہون اور پرتاب کہلاتے تھے تمام اسلامی ممالک
میں جاری ہوگئے چنانچہ اس تاریخ کے سنہ تصنیف تک جو ایک ہزار سولہ ہجری ہے
غیر مسلموں کا سکہ مسلمانوں کے ملک میں رائج ہے۔ مورخ فرشتہ کو یاد ہے کہ شاہ قلی
صلابت خاں ترک کی مجلس میں جو مرتضیٰ نظام شاہ بحری کے زمانہ میں بارہا عنان سلطنت کو اپنے
ہاتھ میں لے چکا تھا محمد شاہ بہمنی کے عہد کے صرافوں کا حال اور ان کے قتل کے
واقعات کا ذکر آیا۔ اور صلابت خاں نے پوری کوشش کی مرتضیٰ نظام شاہ کے
ملک میں اسلامی سکہ کو رواج دے کر ہندوؤں کے سکوں کو موقوف کر دے
چار پانچ برس کوشش کر کے کئی جگہ دار الضرب بنوائے اور چاندی اور سونے کے سکے
تیار کرائے جن میں حضرات ائمہ اہلبیت کے اسمائے گرامی اور مرتضیٰ نظام شاہ کا نام

کندہ کرایا لیکن مملکت برار کے امیر الامرا سید مرتضیٰ سمنانی نے جو صلابت خاں سے آزردہ تھا
اس کو پسند نہ کیا کہ برار میں بھی دار الضرب تعمیر کرواکر اسلامی سکہ کو رائج کرے۔ یہی خیال
پائے تخت احمد نگر کے صرافوں میں بھی سرایت کر گیا اور وہی محمد شاہی عہد کی روش نظام شاہی
صرافوں نے بھی اختیار کی اور اپنے گھروں میں اسلامی سکوں کو توڑ کر غیر مسلموں کے سکوں
کو رائج کرنے میں دل و جان سے کوشش کرنے لگے ہرچند شاہ قلی صلابت خاں نے معتبر
صرافوں کو طرح طرح کی سزاؤں سے موت کے گھاٹ اتارا لیکن صراف اپنی حرکت سے باز نہ آئے
اور صلابت خاں کی کوشش کارگر نہ ہوئی اتفاق سے اسی درمیان میں صلابت خاں
عہدہ وکالت سے معزول ہو کر قید کیا گیا اور اس کے دشمن صرافوں نے اسلامی سکہ کا نام و نشان
مٹا دیا۔ اسی طرح برہان نظام شاہ ثانی نے ۱۰۰۱ھ میں سونے کا سکہ جاری کیا جس پر
حضرات ائمۂ اہلبیت کے نام کندہ تھے اور اس بات کی کوشش کی کہ غیر مسلموں کے سکے متروک
ہو جائیں لیکن چونکہ برہان نظام شاہ نے جلد وفات پائی اور احمد نگر میں نظام سلطنت
بگڑ گیا۔ یہ کوشش بھی کارگر نہ ہوئی اور تھوڑے دنوں کے لئے معرض التویں پڑ گئی۔
مختصر یہ کہ محمد شاہ نے شریعت اسلام کے پھیلانے میں پوری جانفشانی سے کام لیا اور
غیر مسلموں کے سکوں کو اپنے ملک سے نیست و نابود کر دیا۔ بیجانگر اور تلنگانہ کے راجہ بادشاہ کو
عالی ہمت دیکھکر اپنی اپنی جگہ خوف زدہ ہوئے۔ ان راجاؤں نے باہم اتفاق کر کے ان مسلمان
امیروں سے سازش کر کے محمد شاہ کی مخالفت پر اکسایا جو بادشاہ سے محض اس وجہ سے
ناراض ہو گئے تھے کہ محمد شاہ نے خزانہ اور نقد دولت مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ بھجوا دیا
تھا۔ چونکہ بعض بہمنی امیر دل سے بھی ان راجاؤں کے ہمزبان ہو گئے تھے بیجانگر کے
راجہ نے قاصد سلطان محمد شاہ کے پاس بھیجے اور بادشاہ کو پیغام دیا کہ قلعۂ رائچور اور
مدکل اور اس کے مضافات دریائے کرشنا کے کنارے تک قدیم زمانہ سے بیجانگر
کے راجاؤں کے زیر حکومت چلے آرہے ہیں اگر تم کو ہماری دوستی سے فائدہ اٹھانا
اور اپنی سلطنت کی بقا منظور ہو تو ہم سے موافقت کر کے دریائے کرشنا تک کے تمام
قلعے اور پرگنوں پر سے اپنا قبضہ اٹھا لو تاکہ تمہارے ممالک بادشاہ دہلی کے سپاہیوں
کی تاخت و تاراج اور میری زبردست فوج کے صدمہ سے ہمیشہ کے لئے محفوظ رہیں
اسی طرح تلنگانہ کے راجہ نے جو سلطان علاء الدین حسن کو کولاس سپرد کر چکا تھا اب موقع

پاکر ایلچی محمد شاہ کے پاس بھیجے اور پیغام دیا کہ میرا بیٹا ناک دیو مجھ سے سرکشی کر رہا ہے اور قلعۂ کولاس کو پھر اپنی سلطنت میں شامل کرنے اور تمھارے قبضہ سے چھڑا لینے پر بالکل تلا ہوا ہے۔ تمھارے لئے مناسب وقت یہی ہے کہ لڑائی کا بازار نہ گرم کرو اور اس مایۂ فساد چیز کو ہمیں واپس کر دو تاکہ میں تمھاری ہی خواہی میں پختہ اور ثابت قدم رہکر تمھارے دوستوں کو اپنا بہی خواہ اور تمھارے دشمنوں کو اپنا مخالف سمجھوں سلطان محمد شاہ نے بڑی دانائی سے کام لیا اور ان راجاؤں کے ایلچیوں کی پوری تعظیم وتکریم کر کے ڈیڑھ سال کا زمانہ لیت ولعل میں گزار دیا اور ملک سیف الدین غوری کے مشورہ سے محبت آمیز خطوط چرب زبان قاصدوں کے ہاتھ ان راجاؤں کے نام روانہ کئے اور اس اثنا میں مختلف طریقے اختیار کر کے ہر اس امیر کو جس سے بادشاہ بدگمان تھا تباہ اور برباد کیا اور جو گروہ کہ بھروسہ کے قابل تھا اس کا مرتبہ بلند اور اُسے خود صاحب اختیار کیا ملکۂ جہاں کے سفر حجاز سے پلٹنے کے بعد جب بادشاہ کو لوگوں کی سرکشی اور مخالفت کی طرف سے پورا اطمینان ہوگیا تو اُس نے ایک بہت بڑا دربار عام کیا۔ دربار کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ آراستہ کیا اور تلنگانہ اور بیجانگر کے راجاؤں کے ایلچیوں کو اپنے دربار میں بلایا اور بڑے غصہ اور دبدبہ اور سختی اور غلبہ کے ساتھ ان سے کہا کہ مجھے تخت فیروزہ پر جلوس کئے ہوئے عرصہ گزر گیا اور میرے اقبال نے انتہائی عروج حاصل کر لیا لیکن اطراف و جوانب کے راجاؤں نے اب تک پیشکش اور ہدئے میرے پاس نہیں بھیجے۔ ان راجاؤں پر لازم ہے کہ جس قدر کار آمد ہاتھی اُن کے سرکار میں ہوں اُن کی پشت پر تمام زر و جواہر اور بیش قیمت مال اور قماش لاد کر اُن گرانبار ہاتھیوں کو بارگاہ بہمنی میں جلد روانہ کریں اس لئے کہ خزانۂ عامرہ کی ساری دولت مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ میں صرف ہوگئی ہے اور سلطنت کو اب روپیہ کی سخت ضرورت ہے ایلچیوں نے دربار کی اور ہی حالت دیکھی اور بادشاہ کی مجلس سے ادب کے ساتھ رخصت ہو کر اپنے گھر پہونچے ان قاصدوں نے محمد شاہ کی تقریر کو مفصل خطوں میں لکھ کر جلد سے جلد اپنے اپنے مالکوں کے پاس نامے روانہ کئے۔ ملکۂ جہاں کے سفر حجاز اور خزانہ کی ہر مسکوک اور غیر مسکوک دولت سے خالی ہونیکا قصہ یہ ہے کہ جب سلطان علاء الدین حسن نے دنیا سے رحلت کی سلطان محمد شاہ بہمنی نے سلاطین ہندوستان کی رسم کے موافق باپ کی فاتحۂ سوم سے فراغت

حاصل کی اور لباس تعزیت کو بدن سے اتار کر دارالامان حسن آباد گلبرگہ میں تخت حکومت پر جلوس کیا مہمات سلطنت کو اچھی طرح سرانجام دیا اور امور جہانداری میں کسی طرح کی کمی نہ کر کے سرپرستی اور تسکین قلوب کے فرامین اور بیش قیمت خلعت خان محمد۔ صفدر خاں سیستانی اور دوسرے امرائے دولت آباد اور برار کے لئے روانہ کئے اور ان امیروں کو مطمئن کر کے ملک سیف الدین غوری اور اس کے فرزند اعظم ہمایوں کو شاہانہ نوازش اور مہربانیوں سے سرفراز کر کے ان کے مرتبوں کو انتہائے عروج کمال کو پہونچا دیا چھ مہینے کامل باپ کی قبر پر جا کر جو قلعہ حسن آباد گلبرگہ کے باہر واقع ہے فقیروں اور محتاجوں کو روپیہ اور انعام دیکر راضی اور خوش کیا۔ بادشاہ نے باپ کی قبر پر ایک عالیشان گنبد تعمیر کرایا اور چند گاؤں اور قصبہ مرقد کے اخراجات کے لئے وقف کر کے حکم دیا کہ دو سو حافظ قرآن حسن گانگو کی قبر پر ہمیشہ کلام پاک کی تلاوت کیا کریں۔ محمد شاہ کی ماں المعروف بہ ملکۂ جہاں نے بھی اپنا تمام مال اور ساری دولت شوہر کی روح کو ثواب پہونچانے میں صرف کی اور حسن گانگو کی وفات کے ایک سال بعد اپنے بیٹے یعنی محمد شاہ سے بیت اللہ شریف حاضر ہونیکی اجازت مانگی۔ محمد شاہ ماں کا فرمانبردار تھا اور اس کی بڑی عزت کرتا تھا مصمم ارادہ کر لیا کہ تمام خزانہ کو جسے اس کے باپ نے دنیاوی مصلحتوں کے لئے اکھٹا کیا تھا ملکۂ جہاں کے ہمراہ مقدس مقامات پر روانہ کر کے باپ کی روح کو ثواب پہونچانے کا ذریعہ بنائے اور تمام دولت اس طرح فقیروں اور محتاجوں کو تقسیم کر دے۔ محمد شاہ نے خزانچی کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ سونا چاندی جو کچھ بھی مسکوک یا غیر مسکوک خزانہ میں موجود ہو تمام وکمال بادشاہ کے حضور میں لے آئے۔ خزانچی نے شاہی حکم کی تعمیل کی اور سونے اور چاندی کے صندوق علاوہ مرصع آلات کے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کئے۔ شاہی حکم کے موافق خزانہ کی ساری دولت تولی گئی اور معلوم ہوا کہ چار سو من سونا اور سات سو من چاندی دکنی وزن کے موافق موجود ہے۔ اس وقت بعض امیروں اور ارکان دولت نے عرض کیا کہ فیروز شاہ باربک جیسا فرمانروائے دہلی ملک دکن کو واپس لینے کی فکر میں ہے اور بادشاہوں کو لشکر کی درستی اور ضروریات ملکی کے لئے روپیہ اور خزانہ کی ضرورت ہوتی ہے مصلحت یہی ہے کہ بقدر ضرورت روپیہ ملکۂ جہاں کے ہمراہ روانہ کیا جائے اور بقیہ خزانہ میں محفوظ رکھا جائے تاکہ ضروریات سلطنت کے کاموں میں لگایا جائے۔

سلطان محمد شاہ فکرمند ہو کر خاموش ہو گیا اسی درمیان میں ملک سیف الدین غوری بادشاہ کی
مجلس میں حاضر ہوا۔ ملک نائب نے بادشاہ کے چہرہ پر فکر کے آثار نمایاں دیکھکر ملال کا سبب
پوچھا سلطان محمد نے اپنے ارادے اور امیروں کی مخالفت سے ملک سیف الدین کو اطلاع دی،
ملک غوری نے کہا کہ مصلحت اسی میں ہے جو امیروں نے عرض کیا ہے اور یہ سچ ہے کہ بادشاہوں
کے پاس خزانہ اور دولت کا رہنا بید ضروری ہے لیکن تمام دولت راہ خدا میں صرف کرنے
کے لئے جو خزانہ سے باہر نکال کر بادشاہ کی مجلس میں پیش کر دی گئی ہے میرے نزدیک مناسب
نہیں ہے کہ بادشاہ اب اپنا ارادہ ملتوی فرمائیں اور دولت پھر خزانچی کے سپرد کر دیجائے
محمد شاہ نے سیف الدین کی رائے کو پسند کیا اور کہا کہ جس خدا نے اپنے فضل و کرم سے
میرے باپ کو بغیر مال و دولت کے اتنی بڑی سلطنت کا مالک بنایا اگر اس کی مرضی
ہوگی تو میرے ملک کی حفاظت اس خزانہ کے نہونے پر بھی کریگا۔ یہ کہکر صدر الشریف وغیرہ
معتبر لوگوں کو بلایا اور سونا اور چاندی اُن کے سپرد کر دیا۔ معین خاں خواجہ سرا کو دوسرے
چند خواجہ سراؤں کے ساتھ خدمت کے لئے مقرر کیا اور اپنی ماں ملکۂ جہاں کو ان لوگوں کی
ہمراہی میں بندر دابل روانہ کیا۔ باعصمت اور نیک نہاد بیگم نے اپنے تمام اہم کاموں کو
صدر الشریف اور معین خواجہ سرا کے سپرد کیا اور محمد شاہی کشتی میں جو اسی زمانہ میں مہیا کی گئی
تھی سوار ہو کر روانہ ہوئی ملکہ کی قرابت دار اور دوسرے امیروں اور رئیسوں کی بیگمات
کے علاوہ آٹھ سو عورتیں محتاج اور بیوہ ملکہ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئیں۔ صدر الشریف
ملکۂ جہاں کے حکم کے موافق ان تمام ہمراہیوں کا نگران حال رہتا تھا اور ہر امیر و غریب
سے اس نے کہدیا کہ اس پاک سفر میں آمد و رفت کے اخراجات سرکار کے ذمہ ہیں
اور تمام مسافر ملکۂ جہاں کے مہمان ہیں کوئی شخص اپنے ذاتی مال میں سے کچھ خرچ نہ کرے
اور جس کو جسقدر ضرورت ہو سرکار سے حاصل کر کے خرچ کرے اور سوال کی تکلیف کا
خیال دل میں نہ لائے اس لئے کہ سرکار کے ساتھ جس قدر مال ہے وہ سب
راہ خدا میں وقف ہے اور تمھیں لوگوں کے لئے ہے۔ ملکۂ جہاں کی کشتی باد مراد کی برکت سے
صدمۂ طوفان سے بالکل محفوظ رہی اور ایک مہینے سات روز کے بعد کشتی نے جدہ کی
بندرگاہ پر لنگر کیا۔ اور وہاں سے قافلہ بیت اللہ کو روانہ ہوا۔ غرضکہ چھوٹے بڑے عورت
و مرد سبھوں نے خانۂ خدا کے طواف کا شرف حاصل کیا۔ ملکۂ جہاں نے مکۂ معظمہ کے محتاجوں

اور اہل استحقاق کو انعام و اکرام سے خوش کر کے آخرت کا ذخیرہ اکھٹا کیا اور سارے ہمراہیوں کے ساتھ مدینۂ منورہ پہنچی اور جناب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارک کی زیارت کی اور ایک سال کامل مدینۂ منورہ میں قیام کر کے سادات مدینہ کی چار ہزار ناکتخدا لڑکیوں اور لڑکوں کے نکاح کر کے انکی خانہ آبادی کرائی اور اس کار خیر میں بہت سا روپیہ صرف کیا تحفۃ السلاطین میں ملا داؤد بیدری لکھتا ہے کہ ملکہ جہاں اکثر اوقات جنت البقیع میں جا کر حضرت سیدہ فاطمہ زہرا کے مزار شریف کی زیارت کر کے حضرات چار یار اور فرزندان جناب زہرا کے نام خیرات کرتی تھی۔ ایک دن ملکہ جہاں نے صدر الشریف سے پوچھا کہ جناب امام حسین ؑ کا مزار کہاں ہے صدر الشریف نے جواب دیا کہ سید الشہدا کربلائے معلی میں دفن ہیں ملکۂ جہاں نے پوچھا کہ اسکا کیا سبب ہے کہ حضرت بی بی کا مزار تو مدینہ منورہ میں ہے اور حضرت امام حسین کربلا میں دفن کئے گئے ہیں۔ صدر الشریف نے حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت اور یزید کے ظلم و جور کا قصہ بیان کیا۔ ملکۂ جہاں بہت روئی اور کہا کہ چھوٹا بیٹا ہمیشہ ہر ماں کو پیارا ہوتا ہے اگر میں جناب سید الشہدا کے آستانہ کی زیارت نہ کروں گی تو خدا جانے حضرت بی بی مجھ سے راضی ہونگی یا نہیں۔ یہ کہکر ملکہ جہاں نے کربلا کے سفر کی تیاریاں کیں اور روانگی پر مستعد اور آمادہ ہو گئی ملکۂ جہاں مدینۂ منورہ سے کربلا کو روانہ ہونے ہی والی تھی کہ ایک رات اُسے خواب میں حضرت سیدہ ؑ کی زیارت نصیب ہوئی جناب زہرا ؑ نے ملکہ جہاں سے فرمایا کہ میں تیرے حسن اعتقاد سے بیحد راضی اور خوش ہوئی اور خدا اور رسول بھی تجھ سے خوش اور راضی ہیں۔ تو یہیں سے اپنے گھر روانہ ہو جا اس لئے کہ اب تیرے فرزند تیرے دیدار کے بیحد مشتاق ہیں۔ ملکۂ جہاں نے اپنا یہ خواب صدر الشریف سے بیان کر کے اپنے ایک معتبر آدمی کے ہمراہ بہت سا مال و اسباب بغداد شریف روانہ کیا تاکہ یہ ساری دولت جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور فرزندان جناب فاطمہ کے نام پر سادات اور زائرین کو تقسیم کر دی جائے اور خود جدہ کی بندرگاہ سے دکن روانہ ہوئی۔ ملکۂ بندر دابل پہونچی اور محمد شاہ استقبال کو روانہ ہوا۔ قصبۂ کلبر میں دونوں ماں بیٹوں کی ملاقات ہوئی اور ہر ایک نے دوسرے کی سلامتی پر خدا کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ محمد شاہ نے خلیفہ عباسی کا خلعت نیابت پہنا اور فرمان جس میں خلیفہ نے محمد شاہ کو ملک دکن سپرد کر کے خطبہ اور سکہ اپنے نام کا جاری کرنے کی اجازت دی تھی پڑھا۔ بادشاہ نے خلعت اور فرمان دونوں کو اپنے سر پر رکھا اور ان تبرکات کے لانے والوں پر

بڑی نوازش فرمائی۔ بادشاہ نے خانۂ کعبہ کے غلاف کا جو سیاہ مشجر کا تھا اور جسے ملکۂ جہاں تبرکاً
بیت اللہ شریف سے لائی تھی چتر بنایا اور تقریباً دو مہینے تک قصبۂ گلبرگہ میں بڑے بڑے جشن
مسرت منعقد کرتا رہا۔ جشن سے فراغت کر کے ملکۂ جہاں کے ہمراہ حسن آباد گلبرگہ واپس آیا
یہاں پہونچکر بھی عیش و عشرت منانے کا سلسلہ تھوڑے دنوں جاری رکھا۔ ملکۂ جہاں اپنے
شوہر سلطان علاء الدین حسن کی قبر پر گئی اور شوہر کی روح کو ثواب رسانی کی غرض سے
صدقات اور خیرات لوگوں میں تقسیم کئے۔ ملکہ نے اپنے سعادتمند اور بڑے بیٹے (محمد شاہ)
سے اجازت لے کر اپنے شوہر کی قبر کے نزدیک ایک حظیرہ بنوا کر وہیں قیام اختیار کیا
ملکہ صبح و شام دونوں وقت شوہر کی قبر پر جاتی اور اس کی جدائی میں گریہ کرتی تھی یہانتک
کہ ملکہ کا بھی آخری وقت آگیا اور سنہ ۷۶۳ھ میں دنیا سے چل بسی اور شوہر کے پہلو میں
پیوند خاک کی گئی۔ نقل ہے کہ ملکۂ جہاں کے حسن عقیدہ کی برکت سے جتنے لوگ کہ ملکہ
کے ہمراہ حرمین شریفین روانہ ہوئے تھے عورت و مرد سب خدا کی رحمت سے صحیح
و سلامت منزل مقصود تک پہونچے اور سب کے سب خانۂ خدا اور خانۂ رسول کا طواف
کر کے زندہ اور صحیح اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے اور خدا کے حفظ و امان کی برکت سے
بلا زحمت حسن آباد گلبرگہ پہونچ گئے یہ واقعہ بھی ایک عجیب حسن اتفاق ہے جو شاید سوا اس
باعفت بیگم کے اور کسی شخص کے حالات میں نہ ملیگا اور وہ دولت ہے جو غالباً سوا ملکۂ جہاں
کے دوسرے کو نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ غرض کہ بیان مذکورۂ صدر کے مواقف ایلچیوں نے
سلطان محمد شاہ کا پیغام اپنے مالکوں تک پہونچایا۔ تلنگانہ کے راجہ نے اپنے بڑے بیٹے
مسمی ناگدیو کو بیشمار سوار اور پیادوں کے ساتھ ورنگل سے کولاس روانہ کیا۔ رائے بیجانگر
نے بھی راجہ تلنگانہ کی مدد پر کمر ہمت باندھی اور بیس ہزار سوار اور پیادے ناگدیو کی مدد
کے لئے روانہ کئے۔ سلطان محمد شاہ نے اپنے سپہ سالار بہادر خاں ولد اسمٰعیل فتح کو سر لشکر
مقرر کیا اور حکم دیا کہ اعظم ہمایوں اور صفدر خاں سیستانی بیدر اور برار کے لشکروں کو ساتھ
لے کر بہادر خاں کی مدد کریں اور دشمن کو پائمال کریں۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ اعظم ہمایوں اور
صفدر سیستانی ہر حالت میں بہادر خاں کے حکم کی تعمیل کریں۔ غرض کہ بہادر خاں بڑی
شان و شوکت کے ساتھ غیر مسلموں کے مقابلہ میں صف آرا ہوا فریقین میں بہت خونریز
لڑائیاں ہوئیں لیکن آخر کار ہندو لشکر ذلیل ہوے اور پریشان حال اپنے ملک کے

انتہائی گوشوں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ بہادر خاں نے ورنگل تک سارا ملک تاراج کیا اور وہاں کے راجہ سے ایک لاکھ ہون اور پچیس ۲۵ قوی ہاتھی اور دوسرے تحفے اور بیش قیمت چیزیں حاصل کر کے حسن آباد گلبرگہ واپس آیا۔ آخر ۷۶۳ھ میں سلطان محمد شاہ ایک دن کرسی پر بیٹھا ہوا وضو کر رہا تھا کہ اُسے معلوم ہوا کہ سوداگروں کی ایک جماعت چند عمدہ گھوڑے لے کر بارگاہ پر حاضر ہوئی ہے۔ بادشاہ گھوڑوں کا عاشق اور عربی گھوڑوں کے دیکھنے کا بیحد مشتاق تھا۔ اسی طرح کرسی پر بیٹھے بیٹھے سوداگروں کو اپنے سامنے بلایا پیش کردہ جانوروں میں کوئی گھوڑا قابل پسند اور اس لایق نہ تھا کہ شاہی سرکار میں خریدا جائے محمد شاہ نے ان سوداگروں سے کہا کہ ان گھوڑوں کو جو بادشاہ کی سواری کے قابل نہیں تھے کیوں اس طرح ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے کر آئے ہو۔ سوداگر نے ادب سے عرض کیا کہ ہم بادشاہ کے لئے عمدہ گھوڑے لائے تھے لیکن ناگدیو نے جو اپنے باپ کی طرف سے ویلم پٹن کا حاکم اور وہیں مقیم ہے ہم سے عمدہ اور بہترین جانور بہت کم قیمت پر زبردستی چھین لئے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم نے کیوں نہ اسبات کا اظہار کیا کہ یہ گھوڑے سلطان محمد شاہ کے لئے جارہے ہیں اور اسی سے تعلق رکھتے ہیں۔ سوداگروں نے جواب دیا کہ ہم نے یہی کہکر ہر چند سمجھایا اور کوشش کی لیکن ہماری گفتگو کا ناگدیو پر کچھ بھی اثر نہ ہوا محمد شاہ ناگدیو سے پہلے ہی سے آزردہ تھا اس واقعے سے اور زیادہ آشفتہ ہو کر اُس سے بہت زیادہ برہم ہو گیا۔ اس نے ناگدیو کے تباہ کرنے پر کمر ہمت باندھی اور کرسی سے اٹھا بھی نہ تھا کہ سراپردۂ سیاہ کو محل کے باہر بھجوا دیا۔ محمد شاہ نے دارالملک کی نیابت ملک سیف الدین غوری کے سپرد کی اور اپنے سیاہ گھوڑے شبدیز نام کو جو اکثر لڑائیوں میں مبارک ثابت ہو چکا تھا کرسی کے قریب طلب کیا اور اس پر سوار ہو کر شہر سے باہر سلطان پور کے قریب ایک مقام پر دس روز مقیم رہا محمد شاہ نے محمد سراج جنیدی سے دعاء خیر لے کر گیارھویں دن دارالامارہ کے ہاتھی پر جو مستی کے عالم میں تھا سوار ہو کر تلنگانہ روانہ ہو گیا۔ بادشاہ قلعۂ کلیانی کے نواح میں پہونچا اور اثنائے سواری میں ایک گستاخ مصاحب سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ ہم کتنے روز میں ویلم پٹن تک پہونچ سکتے ہیں مصاحب نے جواب دیا کہ اگر بادشاہ اسی رفتار سے راستہ طے کریگا تو شاید ہم دوسرے سال دشمن کے سر پر پہونچ سکیں گے۔

سلطان محمد شاہ نے وہیں ہاتھی کو روک دیا اور چار ہزار سوار دو اسپہ اور سہ اسپہ اپنے لشکر سے
چنے اور بہادر خاں اعظم ہمایوں کو ان کے خاصہ کے جوانوں کے ساتھ ایک کوس کے
فاصلہ سے اپنے سے پیشتر روانہ کیا اور خود بھی خدا پر بھروسہ کر کے روانہ ہوا بادشاہ نے
لشکر کو احمد آباد بیدر میں چھوڑا اور اسقدر جلد سفر کرنے لگا کہ ایک مہینے کا راستہ ایک
ہفتہ میں طے ہوا بادشاہ اس طرح ایک ہزار سواروں کے ساتھ ویلم پٹن کے نواح میں
پہونچا۔ اور افغان سواروں کے ایک گروہ کو غارت شدہ سوداگروں کے بھیس میں
پیشتر شہر میں بھیجدیا تاکہ یہ سوداگر بلدہ میں پہونچکر فریاد وزاری کریں اور دور دور
رہ کے نگہبانوں کو اس طرح اپنی طرف مشغول کرکے انکو دیکھتے رہیں۔ یہ سوار افغان
سوداگروں کی طرح تیر و کمان اور تلوار لئے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ دروازہ کے
نگہبان ان کے گرد جمع ہوئے اور ان سے احوال پوچھنے لگے۔ اِن لوگوں نے کہا کہ
ہم لوگ سوداگر ہیں گھوڑے اور اسباب جو کچھ ہمارے پاس تھا اس شہر کے نواح میں
چوروں نے لوٹ لیا ہم اپنی جان کو غنیمت سمجھکر دوڑتے ہوئے شہر میں آئے ہیں
اور حاکم شہر کی مہربانی سے امیدوار ہیں کہ ہماری فریاد سنکر ہم مظلوموں کی دادرسی کرے۔
مختصر یہ کہ یہ افغانی سوداگر اسی فریاد وزاری ہی میں تھے کہ محمد شاہ بھی ہزار سوار وکے
ساتھ پہونچ گیا اور دروازہ پر شور بلند ہوا۔ دربان سمجھے کہ سوداگروں کے پیچھے چور بھی
دروازہ تک آگئے ہیں اور اپنی حفاظت کے لئے اٹھے اور انھوں نے چاہا کہ شہر کا دروازہ
بند کردیں کہ خود انھیں سوداگروں نے ان پر حملہ کردیا اور دربانوں کو دروازہ بند کرنیکا
موقع نہ ملا اور محمد شاہ بھی بھی اطمینان کے ساتھ شہر میں داخل ہوگیا دروازہ کے دربانوں کو
قتل کر کے فوراً قلعہ کی طرف بڑھا گلی کوچہ میں جو شخص نظر آیا مسلمانوں کی تلوار کا شکار ہوا
ناگدیو کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا کہ محمد شاہ اس طرح دھاوا کریگا اور ایسے حیلہ اور
مکر سے شہر میں داخل ہوکر اتنی تھوڑی فوج سے ایسا شدید اور بڑا ہنگامہ سر کریگا۔
اس خبر کے سنتے ہی راجہ پریشان ہوگیا اور اُس باغ سے جہاں کہ عیش میں مشغول تھا
بہ ہزار دقت بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔ سلطان محمد شاہ راجہ کے اِس طرح قلعہ میں
پہونچ جانے کو خوش نصیبی سمجھا اور اسی وقت بادشاہ نے اُس قلعہ کا جو توپ و تفنگ
اور تمام آلات قلعہ داری سے خالی تھا محاصرہ کرلیا۔ اور شہر کے تمام کاریگروں کو کام

میں لگایا تھوڑے ہی زمانہ میں کئی عدد چوبی زینے اور دوسرے قلعہ کشائی کے اسباب
بہم پہونچائے شام کے قریب ناگدیو نے پریشان ہوکر کچھ احمقانہ چھیڑ چھاڑ کی لیکن یہ
سمجھکر کہ تیر کمان سے نکل چکا ہے اور کوشش کرنا بیکار ہے اور نیز یہ کہ ہندووں پر مسلمانوں
کا خوف طاری ہوچکا ہے اور کسی طرف سے اب مدد بھی نہیں پہونچ سکتی قلعہ کے پیچھے کا
دروازہ جو پتھر سے چھپا ہوا تھا کھولا اور اپنے چند معتبر لوگوں کے ہمراہ حصار سے بھاگا۔
محمد شاہ کو ناگدیو کا حال معلوم ہوا اس کا پیچھا کیا۔ ناگدیو شہر سے باہر نکلا ہی تھا کہ گرفتار
ہوکے قلعہ میں لایا گیا۔ محمد شاہ ناگدیو کی رہبری سے تمام خزانوں اور دفینوں پر قابض ہوا۔
دوسرے دن صبح کے وقت بادشاہ نے ناگدیو کو اپنے سامنے بلایا اور اس سے پوچھا کہ
فلاں فلاں سوداگر میرے لئے گھوڑے لائے تھے تو نے کس وجہ سے سوداگروں سے
مال چھین لیا اور ایسی جرات تو نے کیوں کی۔ ناگدیو کے دل پر دشمن کا خوف غالب آچکا
تھا اس نے صلاحیت کا دامن چھوڑ دیا اور غرور اور جہالت میں سرشار ہوکر بادشاہ کے
سوال کا بیہودہ جواب دیا۔ سلطان محمد شاہ جو انتقام سے درگزر کرکے ناگدیو کے قصور کو
معاف کرنے پر مائل ہوچکا تھا اس کے جواب سے یکبارگی بھڑک اٹھا اور حکم دیا کہ لکڑی
کے ڈھیر میں جو قلعہ کے سامنے جمع ہے آگ لگادی جائے اور ناگدیو کی زبان گدی سے
کھینچ کر اسے منجنیق میں بٹھائیں اور اسے جلتے ہوئے انبار میں پھینکدیں۔ بادشاہ کے
حکم کی تعمیل کی گئی اور محمد شاہ نے ناگدیو سے متعصب ہندو کو یہ سزا دیکر اس شہر میں
پندرہ روز قیام کیا اور روزانہ عیش و عشرت کی مجلس منعقد کرکے شراب و ساقی کی صحبت کا
متوالا بنا رہا۔ پس ماندہ لشکر کا جو سپاہی بادشاہ تک پہونچتا تھا اسکو شہر کے باہر جگہ دی جاتی
تھی اور ہر ایسا سپاہی شہر میں نہ داخل ہوسکتا تھا۔ محمد شاہ نے اپنے زمانہ قیام میں شہر کے
ہر تاجر اور غیر تاجر سب سے بہ لطف و غضب ہر طرح سے مال اور جواہرات چھینے چونکہ بادشاہ کو
معلوم تھا کہ اس شہر کو اپنے زیر حکومت وانتظام رکھنا دشوار ہے وہاں سے کامیاب وبامراد
اپنے دارالامارہ کو روانہ ہوا۔ تلنگانہ کے باشندوں نے بھی یہ واقعات جنکا ظہور پذیر ہونا ان کے
حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا سنا اور ایک بہت بڑی تعداد میں جمع ہوکر آگے اور پیچھے
ہر طرف سے محمد شاہ کے سدراہ ہوئے۔ محمد شاہ اس ہجوم سے بالکل پریشان نہ ہوا
اور یہ طے کرلیا کہ بہمنی لشکر کا کوئی سپاہی سوائے زر و جواہر کے اور کوئی چیز نہ اٹھائے

اور فوج کے ملازم خیمہ اور اسباب کو بالکل چھوڑ دیں بلکہ بارکشی کے جانور یعنے اونٹ اور گائے وغیرہ بھی جو گھوڑوں کا ساتھ نہ دے سکیں جنگل میں رہا کر دیئے جائیں۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ ہر شخص صرف گھوڑے اور چابک کے ساتھ صبح سے سہ پہر تک آہستہ خرامی اور اطمینان کے ساتھ راستہ طے کرے اور جس گاؤں میں لشکر کا گزر ہو وہاں سے غلہ اور چارہ بقدر ضرورت صرف اُسی دن کے لئے لے لیا جائے۔ سپاہی رات کو جنگل میں قیام کریں لیکن زین گھوڑوں کی پیٹھ سے نہ اتاریں اور ہر رات ایک گروہ باری باری سے جاگے اور لشکر کی طرف سے ہوشیار رہے۔ لیکن باوجود اس احتیاط کے بھی تلنگوں کو جب کبھی موقع ملتا رات دن برابر درختوں اور کھنڈروں کی آڑ سے تیر و تفنگ کے ذریعہ سے مسلمانوں کو ہلاک کرتے تھے چنانچہ چار ہزار سواروں میں صرف ڈیڑھ ہزار سپاہی صحیح و سالم اپنے گھر واپس آئے۔ راستہ میں چند مرتبہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں بڑی لڑائیاں بھی ہوئیں لیکن ہر مرتبہ مسلمانوں کو فتح ہوئی بلکہ ایک معرکہ میں بندوق کی ایک گولی محمد شاہ کے بازو پر بھی لگی لیکن کارگر نہ ہوئی اور بادشاہ باوجود کمزوری اور جلد سے جلد راستہ طے کرنے کے بھی گھوڑے کی پیٹھ سے نہ اترا اور سنگاسن یا پالکی میں نہ بیٹھا محمد شاہ نے باوجود اس زخم کے بڑی متانت اور وقار کے ساتھ تلنگانہ کے شہروں سے گزر کر اپنے ملک کی سرحد میں قدم رکھا۔ بادشاہ نے آرام لینے اور تازہ دم ہونے کے لئے تھوڑے دنوں کولاس میں قیام کیا۔ ملک سیف الدین غوری نے تلنگوں کے ہجوم کی خبر سنکر چند امیروں کو بہت جلد روانہ کر دیا تھا۔ ان امیروں نے کولاس میں بادشاہ سے ملاقات کی اور شاہی حکم کے مطابق تلنگانہ کے بہت سے شہروں کو تاخت و تاراج کر کے غیر مسلموں کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور اس کے بعد بادشاہ کے ساتھ حسن آباد گلبرگہ واپس آئے ۷۶۶ھ میں تلنگانہ کے راجہ نے جو اپنی پہلی دفعہ شکست کھانے اور بیٹے کے مارے جانے اور اپنے ملک کے تباہ اور برباد ہو جانے سے بیحد رنجیدہ اور غمگین تھا سلطان فیروز شاہ باربک بادشاہ دہلی کی خدمت میں چند خطوط روانہ کئے۔ محمد شاہ کے خبر رسانوں نے اپنے بادشاہ کو ان خطوط کے پہونچنے کی اطلاع دی اور لکھا کہ اس زمانہ میں ورنگل کے راجہ کے معروضے بارگاہ شاہی میں اس مضمون کے پہونچ رہے ہیں کہ یہ نیازمند بہی خواہی اور اطاعت شعاری میں اب تک ثابت قدم ہے اگر بادشاہ مالوہ اور گجرات کے امیروں کو مملکت دکن واپس لینے کے احکام صادر کرے تو بندہ بھی

راجہ بیجانگر کے ساتھ جاں نثاری اور امداد میں کوتاہی نہ کرے گا اور تھوڑے ہی زمانہ میں
اِس ملک کو دشمنوں کے قبضہ سے نکال کر کئی برس کا خراج اور پیشکش ساتھ لے کر بادشاہ
کی قدم بوسی کا شرف حاصل کریگا۔ چونکہ عوام میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ بادشاہ دہلی کو
دکن کا سفر کرنا اور اِس ملک پر لشکر کشی کرنا مبارک نہیں ہے اس لئے فیروز شاہ باربک نے
راجہ ورنگل کے اِن خطوں پر توجہ نہ کی اور برابر چشم پوشی کرتا رہا۔ سلطان محمد شاہ نے مملکت
ورنگل فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے ابن عم خان محمد کے نام اس مضمون کا فرمان روانہ کیا
کہ دولت آباد کے لشکر کو جمع کرکے اپنے سپاہیوں کے ساتھ قتلغ خاں کے حوض کے کنارے
بالاگھاٹ دولت آباد میں قیام کرے اور اِن سرحدوں کی محافظت میں کسی طرح کی کمی
نہ ہونے دے۔ بادشاہ نے صفدر خاں سیستانی اور اعظم ہمایوں کے نام بھی طلب کے
فرمان روانہ کئے۔ یہ امیر اپنی فوج کے ساتھ حسن آباد گلبرگہ پہونچ گئے اور لشکر کا حال بادشاہ
کے حضور میں عرض کیا محمد شاہ نے اپنے قدیم قاعدہ کے موافق گلبرگہ اور اس کے
مضافات کی حکومت ملک سیف الدین غوری کے سپرد کی اور خود لشکر کے ساتھ روانہ ہوا
بادشاہ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا کولاس پہونچا اور اعظم ہمایوں کو احمد آباد بیدر اور ماہور
اور اِس کے نواح کے لشکر کے ہمراہ گلکنڈہ روانہ کیا اور صفدر خاں سیستانی کو امرائے برار
کے ساتھ ورنگل کی مہم پر متعین کیا اور خود بہادر خاں کے ہمراہ آہستہ خرامی کے ساتھ ان
امیروں کے عقب میں روانہ ہوا۔ چونکہ اِس اثناء میں بیجانگر کا راجہ فوت ہوچکا تھا اور اسکا
بھتیجا تخت حکومت پر بیٹھا تھا تلنگانہ کے راجہ کو بیجانگر کی امداد سے بالکل مایوسی ہو چکی
تھی۔ راجہ تلنگانہ کسی طرح بھی مسلمانوں کا مقابلہ نہ کرسکا اور جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ گزیں
ہو کر اپنے بہت سے مقرب امیروں کو بہادر خاں کے پاس بھیجا کہ بادشاہ سے سفارش
کرکے صلح کی گفت و شنید کریں۔ محمد شاہ نے پہلے صلح سے انکار کیا اور کسی طرح بھی مصالحت
پر راضی نہ ہوا۔ تلنگانہ کے راجہ نے یہ دیکھکر کہ مسلمانوں کو پورا غلبہ حاصل ہے اپنے چھوٹے
بیٹے کو معتبر بہی خواہوں کے ہمراہ دوبارہ محمد شاہی لشکر میں بھیجا اور بادشاہ کو پیغام دیا کہ
میں بادشاہ اسلام کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو چکا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ بادشاہ کے
فرمان سے سرمو تجاوز نہ کرونگا۔ مجھے امید ہے کہ بادشاہ میرے گزشتہ قصوروں کو
جو راجہ بیجانگر کے اغوا سے مجھ سے سرزد ہوئے ہیں معاف فرما کر مجھے اپنی بارگاہ کا ایک

خادم سمجھینگے۔ بہادر خاں اور دوسرے بہمنی امیروں نے صلح کرنے اور راجہ کے قصور کو
معاف کرنے میں بادشاہ سے زیادہ اصرار کیا بادشاہ نے بہادر خاں کو صلح کی گفت وشنید
کا پورا اختیار دے کر حکم دیا کہ جن شرائط پر بہادر خاں مصلحت سمجھے صلح کر لی جائے۔
بڑی گفتگو کے بعد اس شرط پر صلح ہوئی کہ راجہ ورنگل تین سو ہاتھی تیرہ لاکھ ہون اور دو سو
گھوڑے شاہی بارگاہ میں داخل کرے اور شہر گلکنڈہ مع مضافات سلطنت بہمنی کے حوالہ
کردے۔ چونکہ تقریباً دو سال سے محمد شاہی لشکر تلنگانہ کو تاخت و تاراج کر رہا تھا اور تلنگوں کا
نظام حکومت بہت خراب ہوگیا تھا راجہ نے چار و ناچار شرائط صلح قبول کیں اور یہ طے
پایا کہ سلطان محمد شاہ حوالی گلکنڈہ سے کوچ کرکے واپسی کا ارادہ کرے اور بہادر خاں
تولاس میں قیام کرکے راجہ تلنگانہ سے شرائط صلح کی تکمیل کرائے اور رقم حاصل کرے۔
سلطان محمد شاہ نے گلکنڈہ کی حکومت بھی اعظم ہمایوں کے سپرد کی اور خود پائے تخت
کی طرف واپس آیا۔ احمد آباد بیدر پہنچا اور تین مہینے بیدر میں قیام کرکے تمام امیروں
اور سپاہیوں کو رخصت کیا کہ اپنے اپنے ملک کو جاکر آرام لیں۔ اسی درمیان میں
تلنگانہ کے ایلچی صلحنامہ کی تمام چیزیں لے کر کولاس پہونچے بہادر خاں ان ایلچیوں کو
ہمراہ لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایلچیوں نے تمام مقررہ چیزیں بہادر خاں کی
معرفت بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیں اور بیش قیمت خلعتوں اور عربی گھوڑوں سے
انعام سے سرفراز کئے گئے۔ تلنگانہ کے قاصدوں نے دو تین روز کے بعد بہادر خاں
سے کہا کہ اگر بادشاہ اپنی مہربانی اور دوستی کو کام فرماکر سرحد کا تعین کردے اور یہ طے
ہو جائے کہ بادشاہ کی اولاد بھی راجگان تلنگانہ کو اپنا بہی خواہ سمجھکر اس مقرر کردہ سرحد کا
لحاظ رکھیگی تو ہم اسی کے شکریہ میں ایک تحفہ جو عظیم الشان فرمانرواؤں کی مجلس کے لایق
ہے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کرینگے۔ بہادر خاں نے قاصدوں کی تقریر بادشاہ سے
بیان کی۔ بادشاہ اس تحفے کے دیکھنے کا مشتاق ہوا اور بہادر خاں نے ایلچیوں کو بادشاہ
کے حضور میں طلب کرکے ایلچیوں سے بادشاہ کے سامنے بھی تحفے کے پیش کرنیکا
اقرار لیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ ایلچی اپنے معروضہ میں بیحد اصرار کر رہے ہیں۔ محمد شاہ نے
اپنی قلم سے ایک نوشتہ اس مضمون کا لکھا کہ شہر گلکنڈہ دولت بہمنی اور حکومت ورنگل
کی سرحد ہے اور جب تک کہ تلنگوں سے کسی قسم کی عہد شکنی نہ واقع ہوائس وقت تک

ہماری اولاد کو چاہیے کہ تلنگانہ کے راجاؤں اور اُن کے وارثوں کو اپنا سمجھکر ان کے مزاحم نہ ہوں۔ بادشاہ نے اس نوشتہ پر اپنی اور اپنے قاضیوں۔ امیروں اور ارکان دولت کی مہر ثبت کرا کے نوشتہ قاصدوں کے سپرد کر دیا۔ تلنگانہ کے ایلچی اس تحریر سے بیحد خوش ہوئے اور وہ مرصع تخت جو تلنگانہ کے راجہ نے سلطان محمد تغلق کے لئے تیار کرایا تھا اور اسی طرح سرکار ورنگل میں رکھا ہوا تھا بادشاہ کی خدمت میں حاضر کیا۔ محمد شاہ اس تخت کو دیکھکر بیحد خوش ہوا اور ایلچیوں کو اعزاز و اکرام کے ساتھ واپسی کی اجازت دی اور خود بہت جلد حسن آباد گلبرگہ روانہ ہوا نوروز کے دن گلبرگہ پہونچا اور اُس تخت کو تخت فیروزہ کے نام سے موسوم کر کے ساعت تحویل میں (وہ گھڑی جب آفتاب تمام سال کا دورہ ختم کر کے برج حمل میں داخل ہوتا ہے) اُس تخت پر جلوس کیا فوجی افسروں اور بہادروں کو جنھوں نے ان معرکوں میں بارہا شجاعت اور مردانگی کے جوہر دکھا کر جان نثاری کی تھی طرح طرح کی مہربانیوں اور مرحمت سے سرفراز کیا۔ اور باپ کے نقرئی تخت کو جس کو سجدہ کرنا دل سے پسند نہ کرتا تھا بطور تبرک کے خزانہ میں رکھوا دیا۔ میں نے سن رسیدہ لوگوں کے ایک گروہ سے جنھوں نے محمد شاہ بہمنی کے زمانہ میں تخت فیروزہ کو دیکھا تھا یہ سنا ہے کہ تخت تین گز لانبا اور ڈھائی گز چوڑا آبنوس کا بنا ہوا تھا اور اس کے اوپر سونے کے تختے جو بیش قیمت جواہرات سے مرصع تھے اس طرح لگائے گئے تھے کہ تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھانے اور لانے کے وقت ان تختوں کو کھولتے تھے اور انھیں لپیٹ کر آسانی سے صندوق میں بند کر لیا کرتے تھے۔ خاندان بہمنی کا ہر فرمانروا سلطان محمد شاہ کی تقلید کرتا اور درفش کاویانی کی طرح تخت فیروزہ پر بھی ہر عہد میں بیش قیمت جواہرات اور موتیوں کا اضافہ کیا جاتا تھا۔ محمود شاہ بہمنی کے زمانہ میں جب اس تخت سے بعض جواہرات اس لئے نکالے گئے کہ ان سے ایک جڑاؤ بساط بادشاہ کی صراحی اور پیالہ رکھنے کے لئے بنائی جائے تو ملک کے مبصروں اور جوہریوں نے تخت فیروزہ کی قیمت ایک کروڑ ہون آنکی۔ اس تخت سے جواہرات نکالنے کا قصہ اور اس کام کا سلطنت کے لئے نامبارک ثابت ہونا اپنی جگہ پر تفصیل سے بیان کیا جائیگا میں نے ملا اسمٰعیل نویتہ سے جس کے آبا و اجداد تخت فیروزہ کی حفاظت کی خدمت پر مامور تھے۔ دریافت کیا کہ تخت فیروزہ کے نام سے یہ تخت کس وجہ سے موسوم کیا گیا۔

ملا اسمٰعیل نے جواب دیا کہ چونکہ ابتدائی زمانہ میں اس تخت کی پوشش فیروزی کانچ کی تھی اس لئے بادشاہ نے اسے تخت فیروزہ کے نام سے موسوم کیا لیکن آخر میں یہ پوشش جواہرات اور موتیوں سے ایسی ڈھنک گئی تھی کہ اس کا اصلی رنگ بالکل معلوم نہیں ہوتا تھا جس سال بادشاہ نے تخت فیروزہ پر جلوس کیا اس سال چالیس روز کامل عیش و عشرت کی مجلس آراستہ کر کے تمام شہر کو ہر قسم کی باز پرس سے معاف کیا اور عام حکم دیدیا کہ اس زمانہ میں ہر شخص اپنی مرضی کے موافق عیش و عشرت میں زندگی بسر کرے۔ تمام امیروں اور ارکان دولت نے بادشاہ کی موافقت کی اور اپنے گھروں میں دن عید رات شب برات منانے لگے اسی زمانہ میں علم موسیقی کے چند استاد جنھوں نے امیر خسرو اور امیر حسن کے راگ اور گانے کو بالکل دل نشین کر رکھا تھا بلکہ بعضوں نے خود ان دونوں بزرگوں کے منہ سے نغمہ و سرود سنا تھا تین سو قوال دہلی سے حسن آباد گلبرگہ پہونچے سلطان محمد شاہ نے اس عیش و عشرت کے موقع پر ان قوالوں کا وجود بیحد غنیمت سمجھا اور ان کی بڑی عزت و تکریم کی آخر روز ایک چھوٹا سا جشن منعقد کیا اور ملک نائب سیف الدین غوری اور صدر الشریف کو اجازت دی کہ تخت کے پایہ کے پاس بیٹھیں اور بہادر خاں ولد اسمٰعیل فتح کو امیر الامرا کا خطاب دے کر اسکی قدر و منزلت کو وہ چند بلند و بالا کیا۔ محمد شاہ نے بہادر خاں کی بیٹی کی اس سے پیشتر شاہزادہ مجاہد کے ساتھ نسبت کی تھی اس روز دونوں کا نکاح کر کے شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ عروس کو بیٹے کے سپرد کیا۔ ملا داؤد بیدری نے تحفۃ السلاطین میں لکھا ہے کہ میں عقد کے روز دس سال کا تھا اور مہرداری کی خدمت پر مامور تھا مجھے خوب یاد ہے کہ مجلس سلطان محمد شاہ بہمنی کے حسن و جمال سے منور تھی اور قوال حضرت خسرو کے دو شعر جو بادشاہوں کی مدح میں نظم کئے گئے تھے سریلی آواز اور دلکش راگ میں گا رہے تھے محمد شاہ بیحد محظوظ تھا بادشاہ نے ملک سیف الدین غوری سے کہا کہ ان تین سو قوالوں کے وظیفے کا برات نامہ جو دہلی سے یہاں آئے ہیں راجہ بیجانگر کے خزانہ کے ذمہ لکھو۔ ملک سیف الدین غوری نے اگرچہ بادشاہ کے اس حکم کو شراب کے نشہ پر محمول کیا لیکن دست بستہ تعمیل ارشاد کا اقرار کیا۔ محمد شاہ ملک نائب کے خطرہ سے آگاہ ہو گیا لیکن خاموش رہا۔ دوسرے دن حالت ہوشیاری میں اس نے سیف الدین غوری سے پوچھا کہ قوالوں کے وظیفہ کا برات نامہ راجہ بیجانگر کے خزانہ پر عاید کیا گیا یا نہیں۔ ملک نائب نے کہا کہ

اب کیا جائیگا۔ سلطان محمد شاہ نے کہا کہ اب جبکہ آسمان و زمین نے میری اطاعت اور حکمرانی کا اقرار کر لیا ہے میرے لئے ہرگز یہ زیبا نہیں ہے کہ بیکار اور لغویات زبان سے نکالوں اِن قوالوں کے برات نامہ کی بابت میرا حکم نشہ اور مدہوشی کی حالت میں نہ تھا اور میں اپنے فرمان کے پورا کرنے پر بالکل آمادہ اور تیار ہوں اسی وقت برات نامہ کی رقم فرمان میں لکھو اور فرمان پر اپنی مہر لگا کر اُسے فوراً بیجانگر کے راجہ کے پاس روانہ کرو اور لکھو کہ فوراً رقم برات روانہ کرے۔ ملک نائب سیف الدین غوری نے چونکہ سلطان محمد شاہ کے اس طرح کے ارادوں کو بہت اچھی طرح سمجھتا تھا قوالوں کا برات نامہ راجہ کے نام لکھ کر بیجانگر روانہ کیا۔ بیجانگر کا راجہ بھی اپنی جگہ پر بیحد مغرور اور بہادر تھا۔ اس طرز و روش سے بہت غضبناک ہوا اور اُس نے قاصد کو گدھے پر سوار کرا کے اُس کو سارے شہر میں تشہیر کیا اور بعد خارج البلد کر دیا۔ اور اسی وقت لشکر کو تیار ہونے کا حکم دیا بیس ہزار سواروں اور نولاکھ پیادوں اور تین ہزار ہاتھیوں کی جمعیت کے ہمراہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سرحد دکن کی طرف روانہ ہوا اور قلعہ ادونی کے نواح میں خیمہ زن ہو کر اپنے آدمیوں کو اسلامی مملکتوں کے تاخت و تاراج کرنے کا حکم دے دیا۔ سلطان محمد شاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی چونکہ برار اور بیدر کے لشکروں نے دو سال کامل سفر کی مصیبتیں جھیلی تھیں اور ابھی انہیں آرام نصیب نہ ہوا تھا اس لئے بادشاہ نے ان دونوں لشکروں کو تو اپنی جگہ پر چھوڑا اور خان محمد کو دولت آباد کے لشکر کے ہمراہ اپنے پاس بلایا اور ویلم پٹن کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ شاہزادہ مجاہد کی معرفت شیخ محمد سراج کے پاس بھیجا تاکہ یہ رقم سیدوں مشائخوں اور اہل احتیاج کو تقسیم کر دی جائے اور نیز یہ کہ شاہزادہ حضرت شیخ سے غیر مسلموں کے مقابلہ میں معرکہ آرائی کرنے کی اجازت لے کر اُن بزرگ سے دعاء خیر کی التجا کرے۔ شیخ محمد سراج نے اس نواح کے اہل استحقاق کو بادشاہ کے عطیہ سے خوش اور مالا مال کیا اور جمعہ کے دن تمام مشائخوں اور علما کو ساتھ لے کر حسن آباد گلبرگہ کی مسجد میں گئے اور خلوص و خضوع سے نماز ادا کر کے لشکر اسلام کی فتح اور بادشاہ اسلام کی صحت و سلامتی کی خدا کی بارگاہ میں دعا مانگی نیک ساعت اختیار کر کے خیمہ اور بارگاہ باہر بھجوائی۔ راجہ بیجانگر نے باوجود اس کے کہ زمانہ برسات کا تھا اور دریائے کرشنا کا پاٹ بڑھا ہوا تھا اطمینان کے ساتھ حصار مدکل کے نیچے قیام کیا اور قلعہ کے فتح کرنے میں اسقدر جان توڑ کوشش کی کہ اُس سے زیادہ

کسی انسان سے ممکن نہیں ہے۔ اہل قلعہ نے جو آٹھ سو بہادر مسلمان تھے قلعہ کی حفاظت میں
بڑی سعی کی اور پورا حق نمک ادا کیا لیکن قلعہ کے داروغہ نے جو ملک سیف الدین غوری
کا عزیز قریب تھا چند باتوں پر اہل قلعہ سے سخت باز پرس کی جس سے آپس میں نفاق پیدا
ہوگیا اور لوگوں نے قلعہ کی حفاظت اور اپنی ہوشیاری میں سستی کرنی شروع کردی
غرضکہ راجہ بیجانگر نے قلعہ کو فتح کرلیا اور ہندوؤں نے جو مسلمانوں کے پکے دشمن ہو رہے تھے
تمام اہل اسلام کو مع ان کے زن و فرزند کے بڑی سختی کے ساتھ تہ تیغ کر ڈالا۔ ان مقتول
مسلمانوں کے گروہ میں سے ایک شخص کہیں کونے میں چھپ رہا اور موقع سے اپنا
لباس بدل کر گوشۂ عافیت سے نکلا اور ہندوؤں کے سپاہیوں کے ساتھ قلعہ سے باہر
چلا آیا۔ یہ شخص بہت جلد دریائے کرشنا کے پار ہو کر حسن آباد گلبرگہ پہونچا اور اس نے
محمد شاہ سے عرض کیا کہ بادشاہی ملازمین کے آپس کے نفاق نے کام خراب کیا اور
راجہ بیجانگر نے مدگل کے قلعہ پر قبضہ کرلیا اہل قلعہ میں سوا میرے اور کسی شخص کی جان
نہیں بچی۔ سلطان محمد شاہ جو ایک غیرت مند فرمانروا تھا یہ خبر سنکر بیحد غضبناک ہوا۔ اس غریب
مسلمان کے جو اس کوشش اور محنت سے اپنی جان بچاکر گلبرگہ آیا تھا قتل کا حکم دیا اور
کہا کہ جس شخص نے اتنے بے گناہوں کو مرتے دیکھا ہو میں اُسے زندہ نہیں دیکھ سکتا۔
اس نے جس روز مسلمانوں کے قتل کا واقعہ سنا اسی دن اپنے قاعدہ کے موافق بغیر
اس کے کہ لشکر کے پہونچنے کا انتظار کرے سفر کا ارادہ کیا اس نے جمادی الاول ۷۶۷ھ
میں رکاب میں پاؤں رکھا اور قسم کھائی کہ جب تک آٹھ سو مسلمانوں کے عوض ایک
لاکھ ہندوؤں کو تہ تیغ نہ کریگا اپنی تلوار میان میں نہ رکھے گا۔ بادشاہ دریائے کرشنا کے
کنارے پہونچا اور کہا کہ اُس خدا کی قسم جس نے مجھے پیدا کیا اور بادشاہی کے مرتبہ پر
فائز کیا میں اس چھوٹے سے ڈرانے والے دریا کی جنگ آمیزی اور دشمنوں کی قوت سے
خوف کا خیال بھی دل میں نہیں لاتا اور اپنی جنگجو فوج کے ساتھ اس دریا کو عبور کر کے
خدا قہار کی مدد اور اس کی توفیق کے بھروسہ پر رائے بیجانگر کے قلب لشکر پر حملہ آور ہوتا
ہوں میں اس راجہ کی فوجی جمعیت کو پریشان کر کے مدگل کے مقتول مسلمانوں کی روح
کو خوش کرونگا۔ محمد شاہ نے شاہزادہ مجاہد کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور ملک نائب سیف الدین غوری
کو صاحب اختیار ملک و مال بناکر سوائے بیس نامی اور مست ہاتھیوں کے باقی تمام

ہاتھی شاہزادہ مجاہد کو دے دیئے اور بیٹے کو اچھی طرح وصیت کر کے حسن آباد گلبرگہ روانہ کیا۔ تین روز میں دریا کو عبور کیا تمام مورخین کو اس بات پر اتفاق ہے کہ محمد شاہ کے لشکر میں بحساب عدد شماری نو ہزار سوار موجود تھے۔ راجہ بیجانگر باوجود اس کے کہ تیس ہزار سوار اور نو لاکھ پیادوں کے لشکر کا مالک تھا محمد شاہ کے اس طرح دریائے تنگبھدرا کو عبور کرنے سے بیحد حیران اور پریشان ہوا۔ راجہ نے اسی پریشانی کے عالم میں ایک رات جبکہ ہوا اور بارش کا زور تھا اپنے تمام ساز و سامان اور ہاتھیوں اور خزانوں کو تو بیجانگر روانہ کر دیا اور خود تنہا اسی نیت سے میدان میں مقیم رہا کہ صبح کو لڑنے یا صلح کرنے کی بابتہ درباریوں سے مشورہ کر کے متفقہ فیصلہ پر عمل کرے اتفاق سے لشکری۔ ہاتھی گھوڑے وغیرہ اور نیز دوسرے بار برداری کے جانور پانی اور کیچڑ کی وجہ سے دو کوس سے زیادہ راہ نہ طے کر سکے اور آگے چلنے سے عاجز ہو گئے اور جس جگہ کہ پہونچ چکے تھے وہیں قیام پذیر ہو کر نوشتۂ تقدیر پر صبر کر بیٹھے چونکہ اسی رات ہندو لشکر کے کوچ کرنیکی خبر محمد شاہ کی فوج میں پھیل چکی تھی اس نے لشکر گاہ اور خیمہ گاہ کو انکی جگہوں پر چھوڑا اور صرف چابک اور گھوڑے کے ساتھ بیجانگر کی فوج پر دھاوا کیا اور صبح کے قریب اس لشکر کے قریب پہونچ گیا راجہ اور اس کے تمام ساتھیوں نے فرار ہی میں اپنی خیر دیکھی اور ہاتھی اور مال و اسباب سبکو چھوڑ کر قلعہ ادونی کی طرف بھاگے محمد شاہ نے ہندوؤں کی لشکر گاہ کا رخ کیا اور بیجانگر کے قدیم خاندان کے اسباب شاہی پر آسانی سے قبضہ کر لیا اور ہندو لشکریوں کے قتل کا حکم دیا چنانچہ عورت مرد جوان بوڑھے بالک غلام سب ملا کر ستر ہزار آدمی تہ تیغ کئے گئے۔ تحفۃ السلاطین کی روایت کے مطابق دو ہزار ہاتھی تین ہزار ارابہ توپ اور ضرب زن۔ سات سو عربی گھوڑے اور ایک جڑاؤ سنگاسن بادشاہی قبضۂ اقتدار میں آئے اور باقی مال غنیمت امیروں کے ہاتھ لگا۔ محمد شاہ اس فتح کو دوسری فتوحات کا مقدمہ سمجھا اور برسات کا سارا زمانہ قلعہ مدگل ہی میں ختم کیا۔ برسات کے بعد خان محمد بھی دولت آباد کے لشکر کے ساتھ محمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ محمد شاہ کے پاس اب بہت بڑی جمعیت اکھٹا ہو گئی اور غیر مسلموں کو تباہ کرنیکی نیت سے قلعہ ادونی کا اس نے رخ کیا۔ راجہ بیجانگر دریائے تنگبھدرا کو عبور کر کے اس زمانہ میں قلعہ ادونی ہی میں مقیم تھا۔ راجہ نے اپنے بھانجے کو اس قلعہ کا حاکم مقرر کیا اور خود اپنے ممالک کے قلب میں پناہ گزیں ہوا۔ اور اطراف و نواح کے لشکروں کو جمع کیا اور خزانہ اور ہاتھی

اور لوازمۂ شاہی دوبارہ بیجانگر سے منگایا۔ سلطان محمد شاہ نے خان محمد کی صلاح پر عمل
کیا اور قلعہ کی تسخیر سے ہاتھ اٹھایا اور واجب التعمیل فرمان ممالک محروسہ اور قلعوں کے نام
روانہ کرکے بہت سی توپیں اور بندوقیں طلب کیں اور آتشبازی کے کارخانوں پر جو اس سے
پہلے دکن کے مسلمانوں میں رائج نہ تھا پورا بھروسہ کرکے مقرب خاں ولد صفدر خاں سیستانی
کو جو ایک معتمد امیر تھا اس کارخانہ کا افسر مقرر کیا۔ بادشاہ نے اپنے تمام رومی اور فرنگی
ہمراہیوں کو مقرب خاں کا ماتحت بنایا اور اس طرح ایک بہت بڑا توپ خانہ مرتب کیا۔
چونکہ اس نواح کے لوگ اپنی اس عادت میں بیحد مشہور تھے کہ راتوں کو شبخون مار کر
آدمیوں اور گھوڑوں کو ضایع کرتے ہیں اس لئے یہ طے پایا کہ بیجانگر کے تمام ہاتھی
حسن آباد گلبرگہ روانہ کر دیئے جائیں اور امیر اور سپاہی ضروری چیزیں اپنے ساتھ
رکھیں اور غیر ضروری چیزوں کو گلبرگہ واپس کر دیں اور لشکر کے گرد توپخانہ کو زنجیر سے
باندھکر پوری ہوشیاری اور بیداری سے کام لیں غرضکہ بادشاہ نے اس طرح اپنے لشکر
کو مرتب کرکے قلعہ ادونی کے نواح سے کوچ کیا اور نہر تہمبندرہ کو عبور کرکے بیجانگر کی مملکت
میں داخل ہوا۔ محمد شاہ بہمنی پہلا فرمانروا ہے جس نے بذات خاص لڑنے کے لئے بیجانگر
پر دھاوا کیا اور کامیاب و بامراد واپس آیا۔ بادشاہ اپنے ارادے میں پختہ اور ثابت قدم
کشن رائے کی طرف بڑھا اور بہمنی فوج بیجانگر میں نمودار ہوئی۔ راجہ نے اپنے ارکان
دولت کو جمع کیا اور مسلمانوں سے صف آرائی کرنے کی بابت اُن سے مشورہ کیا۔ اس
مجلس میں یہ طے پایا کہ بھوج مل رائے جو ہندوؤں کی فوج کا سپہ سالار اور ماں کی طرف
سے راجہ کا عزیز تھا منتخب اور چیدہ دستے فوج کے اپنے ہمراہ لے کر بادشاہ کے مقابلہ
میں صف آرا ہو بھوج مل رائے نے غرور کے نشہ میں سرشار ہو کر اس خدمت کو انجام
دینے کا اقرار کیا اور راجہ سے کہا کہ اگر حکم ہو تو مسلمان بادشاہ کو زندہ گرفتار کرکے
حضور میں پیش کروں اور اگر مرضی ہو تو اُس کا سر قلم کرکے ملاحظہ میں گزرانوں۔ راجہ نے
جواب دیا کہ دشمن کی زندگی کسی حالت میں بھی خوشگوار نہیں ہے اور اس کی موت
ہر صورت میں بہتر اور خوب ہے غرضکہ بھوج مل رائے نے اپنی فوج اور ملازمین
کو تسکین دی اور چالیس ہزار سواروں اور پانچ لاکھ پیادوں کی جمعیت سے بادشاہ
کی طرف بڑھا بھوج مل نے عام حکم دیدیا کہ ہر امیر اپنی مجلس میں برہمنوں کو ہدایت کرے

کہ ہندو پنڈت روزانہ اپنی مذہبی کتابیں پڑھکر لوگوں کو سنائیں اور مسلمانوں کو قتل اور پسپا کرنے کا ثواب سپاہیوں کے دل نشین کریں اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آرا ہونیکی ترغیب دیکر مسلمانوں کے وہ اعمال جو ہندوؤں کے دل شکن ہیں یعنی گائے کو ذبح کرنا بتوں کی بے عزتی اور توہین کرنا غیر مسلموں کو تہ تیغ کرنا بتخانوں کو توڑنا اور اسی طرح کے دوسرے امور بیان کریں۔ غرضکہ اسی طرح سفر کی منزلیں طے کی گئیں اور جب فریقین میں بارہ کوس کا فاصلہ رہگیا تو سلطان محمد شاہ نے خان محمد اور سر نوبتوں کو حکم دیا کہ لشکر کی عدد شماری کریں پندرہ ہزار سوار اور پچاس ہزار پیادوں کی جمعیت معرض تحریر میں آئی۔ بادشاہ نے اِس فوج میں سے دس ہزار سواروں اور تیس ہزار پیادوں کا ایک لشکر مع تمام کارخانۂ آتشباری خان محمد کے ہمراہ کر کے اُسے آگے روانہ کیا ذیقعدہ کی چودھویں تاریخ کو ہندوؤں اور مسلمانوں کا مقابلہ ہوا اور صبح سے سہ پہر تک ایک دوسرے کو تباہ اور برباد کرنے میں بڑے جوش وخروش کے ساتھ مشغول رہے طرفین سے بے شمار جانیں کام آئیں۔ موسیٰ خاں اور عیسیٰ خاں جن کے دم سے خان محمد کا میمنہ اور میسرہ قوی اور طاقتور تھا تفنگ کے زخم سے میدان میں کام آئے۔ ان دونوں سرداروں کے سپاہی ادھر اُدھر منتشر ہوگئے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کو نقصان پہونچ جائے کہ دفعتہً سلطان محمد شاہ دھاوا کر کے تین ہزار مکمل سواروں کے ساتھ جنگاہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر پہونچ گیا۔ خان محمد کو بادشاہ کے پہونچنے سے ڈھارس ہوئی اور اُس کا پریشان لشکر بھی ہر طرف سے سمٹ کر اُس کے گرد جمع ہوگیا۔ مقرب خاں نے توپ خانہ کو آگے کردیا اور اپنی حتی المقدور دشمنوں پر آگ برسانے میں کوئی کمی نہیں کی اور ہندو سپاہیوں کو توپ وتفنگ سے پریشان اور بدحواس کر کے خان محمد سے کہلا بھیجا کہ ہندو لشکر پریشان ہو کر ثابت قدم نہیں رہا ہے اگر حکم ہو تو میں بھی الاؤں کے عقب سے نکل کر اپنے خاصہ کے جوانوں اور بہادروں کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوں خان محمد نے امیروں کے ایک گروہ کو مقرب خاں کے پاس بھیجکر اُس کو حکم دیا کہ لڑائی میں مشغول ہو اور خود بھی ان امیروں کے پیچھے روانہ ہوا۔ اور بہت جلد ہندوؤں کے سر پر پہونچ گیا کہ اُن کو آتشباری کے آلات سے کام لینے کا موقع نہ ملا تلواریں اور خنجر کھینچ کر مسلمانوں سے لڑنے لگے۔ اسی اثنا میں خان محمد کا ہاتھی شیر شکار نام فیل بان

کے قبضہ سے نکل گیا اور اس ہاتھی نے بھوج مل رائے کی فوج پر جو اپنی جگہ پر قایم اور
اہنگ منتشر نہیں ہوئی تھی حملہ کیا۔ بھوج مل کے ہاتھیوں نے شیر شکار کو گھیر کر بیکار کر دیا
خان محمد کو یہ حال معلوم ہوا اور اس نے ہر طرف سے چشم پوشی کر کے پانچسو سواروں کے
ساتھ بھوج مل کے قلب لشکر کا رخ کیا اور اپنے ہاتھی کو لے آیا۔ اس کے بعد ایک ایسا
عجیب و غریب واقعہ جو شاید ہی کبھی دنیا میں رونما ہوا ہو واقع ہوا وہ یہ کہ فیل شیر شکار نے
جس کا فیلبان ان ارا چکا تھا اور کوئی اس کی پیٹھ پر نہ تھا خان محمد کے پہونچتے ہی مسلمانوں
کے لشکر کی ہمراہی اختیار کی اور دشمنوں کی صفوں کو درہم و برہم کرنا شروع کیا بھوج رائے
کے ایک کاری زخم لگا وہ معرکۂ جنگ سے بھاگا۔ دوسرے امیر بھی جو لڑائی میں مشغول تھے
قلب لشکر کو منتشر دیکھ کر میدان سے منہ موڑنے لگے ابھی مسلمانوں نے اپنی تلواریں نیام میں
بھی نہ رکھی تھیں کہ بادشاہ اسلام کا علم و چتر میدان جنگ میں نمودار ہوا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ
اس لڑائی اور فتح کا اصل مقصد غیر مسلموں کو قتل کرنا ہے اس لئے ان کا خون گرانے میں
کوتاہی نہ کی جائے۔ بادشاہ کے حکم کے موافق قتل کا بازار گرم ہوا اور مسلمانوں نے اس
بارے میں اتنی کوشش کی کہ غیر مسلموں کی عورتیں اور بچے بھی اپنی جان نہ بچا سکے۔
سلطان محمد شاہ نے اس فتح کے بعد ایک ہفتہ جنگ گاہ میں قیام کیا اور اطراف و جوانب میں فتح نامے
روانہ کئے۔ بادشاہ کا مدعا تھا کہ اپنے قول و قسم کو پورا کرے اس نے کشن رائے کے
لشکر کا رخ کیا۔ کشن رائے مقابلہ کی قوت نہ رکھتا تھا پریشان اور بدحواس ہو کر آوارہ وطن
ہوا اور باوجود فیل و حشم کی کثرت کے اس نے جنگل میں پناہ لی اور اپنی عزت اور ناموس
کو پس پشت ڈالا سلطان محمد شاہ نے تین مہینے اس کا پیچھا کیا جب کبھی بادشاہ کو موقع
مل جاتا تھا بید ریغ ہندوؤں کو قتل کرتا تھا۔ کشن رائے تنگ آگیا اور اپنے دار الملک
بیجانگر کا رخ کر کے کوہستان میں پناہ گزیں ہو گیا۔ اس نے نو ہزار پیادوں کو اخراجات
کی تنگی کی وجہ سے برطرف کر دیا سلطان محمد شاہ نے بھی جو کسی طرح کبھی کشن رائے کا
تعاقب نہیں چھوڑتا تھا نواح بیجانگر میں اپنے خیمے نصب کرائے اور ہر شخص کو مورچے
تقسیم کر دیئے بادشاہ ہر روز دن کو شہر کے گرد حملے کرتا تھا اور رات کو نا مسلم سپاہی لشکر
میں آ کے گالیاں دیتے تھے۔ سلطان محمد شاہ نے ایک مہینے کے قریب بڑی کوشش
کی کہ شہر میں داخل ہو لیکن کامیاب نہ ہوا آخر حیلہ سازی کر کے اپنے کو بیمار ڈال دیا۔

اس راز سے سوائے خان محمد اور مقرب خاں کے اور کسی کو آگاہ نہ کیا اور فوراً روانہ ہو گیا کشن رائے مسلمانوں کو قتل کرنے اور ہندوؤں کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اپنے دارالملک بیجانگر کے باہر نکلا اور بڑے شور و شغب کے ساتھ خود بھی سلطان محمد شاہ بہمنی کے نقش قدم پر روانہ ہوا۔ ہندو سپاہی مسلمانوں کے لشکر پر چھاپہ مارتے اور راتوں کو اردو کے قریب آکر شور و غل مچاتے اور یہ کہتے تھے کہ تمہارا بادشاہ دنیا سے چل بسا اور ہمارے برہمنوں کی دعا قبول ہو گئی اب ہم تم میں سے ایک کو بھی زندہ اور سلامت تمہارے ملک تک واپس نہ جانے دینگے۔ چونکہ بادشاہ کوچ کے وقت سنگاسن میں لیٹ کر چادر اوڑھ لیتا تھا شاہی لشکر کو بادشاہ کی حیات میں شبہ و شک ہو گیا اور مسلمان سپاہی پریشان ہونے لگے۔ خان محمد اور مقرب خاں لوگوں کو تسکین دیتے ہوئے منزل بہ منزل سفر کر رہے تھے یہاں تک کہ شاہی لشکر دریائے تبھدرا کو پار کر کے ایک مسطح اور ہموار میدان میں وارد ہوا۔ مسلمانوں نے اس میدان میں قیام کیا۔ کشن رائے نے بھی تین یا چار کوس کے فاصلہ پر اپنے خیمے نصب کرائے۔ سلطان محمد شاہ نے تقدیر کو موافق تدبیر کے دیکھ کر ارادہ کیا کہ لوگوں کے دلوں سے شک و شبہ کو رفع کرے۔ بادشاہ نے عصر کے قریب دربار عام کیا اور تھوڑی دیر ملازمین کا سلام و مجرا لے کر خواب کا بہانہ کر کے مجلس سے اٹھ گیا۔ رات کے وقت امیروں کو خلوت میں طلب کیا اور انھیں حکم دیا کہ فوج کو مستعد اور آمادہ رکھیں اور ایک مقام پر لشکر کی حفاظت اور نگرانی کرتے ہوئے بادشاہ کی آمد کا انتظار کریں۔ امیران لشکر نے بادشاہی حکم کی تعمیل کی اور سلطان محمد شاہ نے لڑائی کا لباس پہنا اور دو پہر رات گزرنے کے بعد گھوڑے پر سوار ہو کر طے شدہ جنگل کی طرف آہستہ آہستہ روانہ ہوا۔ بادشاہ نے ہر امیر کو لشکر کے ایک حصے اور خاص کام پر مقرر کیا اور ہندوؤں کے لشکر پر شب خون مارنے کے ارادہ سے آگے بڑھا کشن رائے اور اس کے ارکان دولت حریف کی شکستہ حالی سے مطمئن تھے اور یہ غفلت کے عالم میں تمام رات شراب پینے اور ناچ رنگ دیکھنے میں مشغول تھے۔ شاہی لشکر صبح کے قریب ہندوؤں کے سر پر پہونچ گیا اور اسوقت یہ لوگ خواب سے جاگے اور دشمنوں کی دل ہلا دینے والی آوازیں سن کر سمجھے کہ حریف سر پر پہونچ گیا۔ مسلمانوں نے تکبیر اور درود کے نعروں سے آسمان کو سر پر اٹھا لیا۔ کشن رائے نے دیکھا کہ اس کا لشکر پراگندہ ہو رہا ہے اور اسقدر

فرصت نہیں ہے کہ فوج جمع کی جائے۔ راجہ نے بھی دوسروں کی طرح عزت کو جان پر قربان کیا اور میدان جنگ سے ایسا بھاگا کہ بیجانگر میں جا کر اس نے دم لیا سلطان محمد شاہ نے راجہ کے تمام خزانہ اور اسباب شاہی پر قبضہ کیا اور تقریباً دس منزل تک دشمن کا تعاقب کیا۔ بادشاہ نے دس ہزار غیر مسلموں کو موت کے گھاٹ اتارا اور بہتوں کو زخمی کر کے ہندوؤں کے تباہ اور برباد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا سلطان محمد شاہ کے غصہ کی آگ اسقدر خون سے بھی ٹھنڈی نہ ہوئی بیجانگر سے تیس چالیس کوس تک جہاں کہیں کہ آبادی کا نام سنا بکمال تعجیل دھاوا کر کے دشمنوں کو تہ تیغ کیا۔ بیجانگر کے ارکان دولت اور عمائدین یہ حالت دیکھ کر کشن رائے پر غصہ ہوئے اور ان سب نے راجہ سے ملامت اور غیظ و غضب کے لہجہ میں کہا کہ تیرا دور حکومت ہمارے لئے منحوس ثابت ہوا اور ہماری عزت اور آبرو خاک میں مل گئی دس ہزار برہمن خاک و خون کا ڈھیر ہو گئے اور رعایا کا نام صفحۂ دنیا سے مٹ گیا۔ کشن رائے نے ان امیروں کو جواب دیا کہ میں نے کوئی کام بلا اعیانِ ملک کے مشورہ کے نہیں کیا اپنے نصیبے سے مجبور ہوں اور نوشتہ قسمت پر میرا اختیار نہیں ہے اب جو تم لوگ صلاح دو میں اُس پر عمل کروں۔ اِن امیروں نے راجہ کو جواب دیا کہ جس طرح تیرے باپ نے مسلمانوں سے جنگ و جدال ترک کر کے علاء الدین گانگو سے صلح کر لی تھی اسی طرح تجھے بھی چاہئے کہ مسلمانوں کی خاطر و مدارات کرے کشن رائے نے اس رائے کو قبول کیا اور سلطان محمد شاہ کے پاس قاصد روانہ کئے اور اپنے گزشتہ حرکات پر اظہار ندامت کیا اور صلح کا طلبگار ہوا۔ سلطان محمد شاہ نے صلح کرنے سے انکار کیا۔ بادشاہ کے ایک گستاخ مصاحب نے کہا کہ جہاں پناہ نے آٹھ سو مسلمانوں کے عوض صرف ایک لاکھ ہندوؤں کے تہ تیغ کرنیکی قسم کھائی تھی نہ یہ کہ ہندوؤں کا نام و نشان مٹانے کی۔ سلطان محمد شاہ ہنسا اور اُس نے کہا کہ اگرچہ قسم کی تعداد سے کئی گنے ہندو قتل کر دیئے گئے ہیں لیکن جب تک کہ راجہ بیجانگر قوالانِ دہلی کے برات نامہ کی رقم نہ ادا کریگا میں بقیہ ہندوؤں کی جان کو امان نہ دونگا۔ ہندو ایلچی صلح کے باب میں اپنے مالک کے وکیل مطلق تھے ان قاصدوں نے بادشاہ کی شرط صلح کو قبول کیا اور برات نامہ کی رقم اسی مجلس میں ادا کر دی گئی سلطان محمد شاہ نے کہا کہ میرا دل گوارا نہیں کرتا تھا کہ جو بات میری زبان سے نکلی ہے

وہ لغو اور زاید ثابت ہو کر دنیا میں یادگار رہے خدا کا شکر ہے کہ میں نے جو کچھ کہا تھا اُس کو پورا کر دیا اور اپنے حکم کی تعمیل کرالی ؛۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسا عجیب و غریب واقعہ اگلے اور پچھلے بادشاہوں کے کارناموں میں کہیں مذکور نہیں ہے اور صاحبان بصیرت جانتے ہیں کہ مذکورۂ بالا واقعہ ویلم پٹن کے ڈھا دے اور ناگدیو کے مارے جانے سے کہیں زیادہ تعجب انگیز ہے۔ ایلچیوں نے جب بادشاہ کو خوش دیکھا تو محمد شاہ سے عرض کیا کہ ہم اسوقت بادشاہ کو بیحد مہربان پاتے ہیں اگر حکم ہو تو چند باتیں از راہ خلوص عرض کریں۔ بادشاہ نے ایلچیوں کی درخواست قبول کی اور انھوں نے ادب کے ساتھ عرض کیا یہ بات کسی مذہب میں جائز نہیں ہے کہ گنہ گاروں کے عوض بے گناہوں کا خون بہایا جائے اور خاصکر عورتوں اور معصوم بچوں کو قتل کرنا تو ہر طرح پر مذموم ہے۔ اگر کشن رائے نے مدکل کے مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی کی تھی تو اس میں فقیروں اور بے نواؤں کا کیا قصور تھا۔ محمد شاہ نے جواب دیا کہ خدا کا جو حکم تھا وہ ہوا میں اس میں بالکل لاچار اور مجبور تھا۔ ایلچیوں نے عرض کیا کہ خدا نے بادشاہ کو دکن کے بہترین حصوں پر حکمران فرمایا ہے اور کرناٹک کا ملک ممالک محروسہ کے جوار میں واقع ہے اور اس بات کا بھی کامل یقین ہے کہ بادشاہ اور اس کے جانشین عرصۂ دراز تک اس ملک پر حکمرانی فرمائینگے اور کرناٹک کو اس سلطنت کے ساتھ حق جوار حاصل رہے گا دنیا کی حالت اور اس کے انقلاب کا کیا اعتبار ہے ممکن ہے کہ دنیا دارو ں میں خود غرضی کی وجہ سے پھر اس قسم کا کوئی جھگڑا پیدا ہو تو ایسی حالت میں خلق خدا کا کیا حال ہوگا۔ مخلوق الہی کی بقا اور رعایا کی خیر اسی میں ہے کہ آئندہ سے اس قسم کا برتاؤ نہ کیا جائے اور فقیروں اور بے نواؤں کے گلوں پر بے گناہ چھری نہ پھیری جائے محمد شاہ اس گفتگو سے بیحد متاثر ہوا اور اس نے کہا کہ میں نے اسوقت سے اس بات کا عہد کیا کہ فتح حاصل کرتے اور معرکہ کو سر کرنے کے بعد میں کسی شخص کو قتل نہ کروں گا اور میرے بعد میری اولاد بھی اسی طریقہ پر کاربند رہیگی۔ اس تاریخ سے دکن میں یہہ قاعدہ مقرر ہوگیا کہ جو لوگ لڑائی میں گرفتار ہوں وہ قتل نہ کئے جائیں اور تاوقتیکہ کوئی بڑا قصور سرزد نہو رعایا کا خون ناحق نہ بہایا جائے۔ اس کے بعد ایلچیوں نے قوالوں کے برات نامہ کی رقم ادا کر دی اور محمد شاہ کو اس کے علاوہ دوسری رقم دستیاب ہوئیکی

امید نہ رہی بادشاہ نے بھی انصاف سے کام لیا اور اس مقام سے کوچ کردیا اور سفر کی منزلیں
طے کرتا ہوا احسن آباد گلبرگہ پہونچا۔ بادشاہ نے گرد راہ کو اپنے بدن سے دور بھی نہ کیا اور
شیخ محمد سراج رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ جیسا میں نے
خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ کرکے اپنے ابتدائی زمانہ حکومت میں سارا روپیہ اور اپنی تمام
دولت راہ حق میں صرف کردی ویسا ہی پروردگار نے بھی مجھ پر فضل فرمایا اور اتنی بڑی
دولت مجھے عطا فرمائی حضرت کی دعا میرے حق میں مقبول ہوئی اور مجھے اپنے مقاصد میں
کامیابی حاصل ہوگئی۔ محمد شاہ بہمنی حضرت شیخ سراج سے رخصت ہوکر اپنے قصر شاہی کو
واپس آیا۔ بادشاہ نے پانچ روز سے زیادہ آرام نہ لیا اور اس کے بعد شاہی لشکر نے
دولت آباد کا رخ کیا جس زمانہ میں کہ بادشاہ نے اپنے کو بیمار بنایا تھا تو اس نواح کے
غیر مسلم باشندوں نے مسلمانوں کا تعاقب کرکے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہونچائی تھیں۔
بادشاہ کی علالت کی خبر سارے ملک میں پھیل گئی تھی اور فتنہ پردازوں نے موقع پاکر چاروں
طرف فساد مچادیا تھا۔ اس آگ نے دولت آباد تک شعلہ فشانی کی تھی اور چونکہ اس زمانہ
میں دولت آباد میں کوئی مقتدر اور صاحب سیاست حاکم نہ تھا اور مرہٹواڑی کا سارا
لشکر خان محمد کے ساتھ بیجانگر کی مہم پر گیا ہوا تھا بہرام خاں مازندرانی نے جو سلطان علاؤالدین
حسن گانگو کا منہ بولا بیٹا تھا گوبند دیو مرہٹہ کی ترغیب سے سر اٹھایا۔ برار کے بعض امیروں
نے بھی جو بہرام خاں سے قریب ہی مختلف مقامات پر مقیم تھے خفیہ طور پر بہرام سے
خط و کتابت کی اور اسکی رفاقت کا دم بھرنے لگے۔ راجہ بگلانہ نے بھی بہرام خاں کی دوستی کا
اظہار کیا اور ہر طرح پر اسے مدد دینے پر آمادگی ظاہر کی بہرام خاں ان واقعات کی بنا پر
اور زیادہ دلیر ہوا برار اور مرہٹواری کے چند سالہ محاصل کی رقم بادشاہ کے حکم سے
دولت آباد کے قلعہ میں محفوظ تھی بہرام خاں نے اس رقم پر اپنا قبضہ کیا اور لشکر اور سپاہ
کے فراہم کرنے میں مصروف ہوا بہرام خاں نے مرہٹواڑی کے اکثر پرگنوں پر قبضہ کرلیا
اور ان پرگنوں کو اپنے اعوان و انصار میں تقسیم کرکے بارہ ہزار سوار اور پیادوں کی جمعیت
اپنے گرد فراہم کرلی۔ محمد شاہ نے یہ تمام خبریں بیجانگر میں سنیں اور بہرام خاں کو لکھا کہ میری
بابت ناگوار اخبارات تمھارے کانوں تک پہونچے اور ہوس اور طمع نے تمکو بالکل مجنون
بنادیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جو جرایم تم ایسے لوگوں سے نہ صادر ہونے چاہئیں انکا بھی ارتکاب

تمھارے ہاتھ سے ہوا۔ اب بھی یہ مناسب ہے کہ تم اپنی خطاؤنکا
اعتراف کرو اور اپنے قصور کی معافی مانگو میں وعدہ کرتا ہوں کہ
اگر گنہگاروں کی طرح شرمسار بارگاہ شاہی میں حاضر ہوگئے تو میں تمھارا
قصور معاف کردوں گا اور تمھارے بہی خواہوں سے بھی کسی طرح کی بازپرس
نہ کروں گا بادشاہ نے سید جلال مجید اور شاہ ملک اپنے دو معزز درباریوں
کی معرفت یہ خط بہرام خاں کے پاس بھیجا۔ بہرام خاں نے بادشاہ کا خط
پاتے ہی کونبہ دیو سے مشورہ کیا۔ کونبہ دیو نے کہا ظاہر ہے کہ محمد شاہ
صاحب سیاست اور غیرتمند فرمانروا ہے جو گناہ کہ ہم سے سرزد ہوا ہے وہ
وہ ایسا نہیں ہے کہ ہم کسی وقت بھی بادشاہ سے بے خوف رہکر زندگی
بسر کرسکیں۔ جبکہ دولت آباد کا سا قلعہ ہمارے قبضہ میں ہے اور راجہ
بکلانہ اور بعض امرائے برار ہماری مدد پر آمادہ اور تیار ہیں تو ہمیں
چاہئے کہ خدا کا نام لیکر کمرہمت باندھیں اور جس کام کو ہم نے
شروع کیا ہے اُسے انجام تک پہونچانیکی کوشش کریں۔ بہرام خاں
از بدہرانی پر کونبہ دیو کا جادو چل گیا اور اس نے بادشاہ کی نصیحت پر
عمل نہ کیا اور اسی طرح بغاوت اور سرکشی پر تلا رہا۔ بہرام خاں اب
پیشتر سے اور زیادہ اسباب ولشکر کے فراہم کرنے میں کوشاں ہوا۔
بادشاہ کے قاصد سید جلال مجید اور ملک شاہ بلا کسی کاربراری کے
ناکام واپس ہوئے اور انھوں نے بہرام اور اس کے حاشیہ نشینوں
کی بغاوت کا سارا حال بادشاہ کو سنایا۔ محمد شاہ ان حالات کو سنکر بیحد
غضبناک ہوا۔ بادشاہ بیجانگر سے واپس آیا اور اس نے مسند عالی
خاں محمد کو مقدمہ لشکر بنا کر پہلے روانہ کیا اور اس کے عقب میں
خود بھی شکار کھیلتا ہوا دولت آباد کی طرف چلا۔ بہرام خاں۔ کونبہ دیو
اور راجہ بکلانہ کے بعض ملازم مسند عالی خاں محمد سے لڑنے
کے لئے قصبہ پٹن کی طرف چلے۔ ان لوگوں نے زرپاشی سے
کام لیا اور بہت سے جانباز سواروں کا اپنی فوج میں اضافہ

کرلیا۔ مسند عالی خاں تجربہ کار اور جنگ آزمودہ امیر تھا اس امیر نے حریف سے معرکہ آرائی کرنے میں کوئی فائدہ نہ دیکھا اور قصبۂ سیوگانوں کے نواح میں مقیم ہوا بہرام خاں مازندرانی نے تعجیل سے کام لیا اور مسند عالی خاں محمد کے لشکر پر شبخون مارا لیکن چونکہ اس کا حریف آئین جنگ سے خبردار اور اپنی طرف سے ہشیار تھا مازندرانی کو کوئی کامیابی نہ ہوئی اور ناکام واپس آیا مسند عالی خاں محمد حریف کی قوت اور اس کے لشکر کی حالت سے اب پورے طور پر واقف ہوگیا اور اس نے لڑنے پر کمر ہمت باندھی مسند عالی خاں محمد نے بادشاہ کو لکھا کہ میں بادشاہ کے اقبال پر بھروسہ کرکے فلاں تاریخ حریف سے جنگ آزمائی کروں گا لیکن اگر جہاں پناہ خود بھی اپنی حضوری سے مجھے اور افسران لشکر و فوج کو سرفراز فرمائیں تو بہت زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔ سلطان محمد شاہ اندنوں بیڑ کے نواح میں صید افگنی میں مشغول تھا بادشاہ نے مسند عالی خاں محمد کا خط دیکھا اور بلا اس کے کہ اپنی فوج کو جو قصبۂ گنج میں مقیم تھی اپنے پاس بلاکر اپنے ساتھ لے تین سو مقرب درباریوں کے ہمراہ روانہ ہوگیا۔ بادشاہ جلد سے جلد سفر کی منزلیں طے کرنے لگا۔ درباریوں نے محمد شاہ سے عرض کیا کہ مسند عالی خاں محمد کے عریضہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کی طاقت بہت زیادہ ہے اور وہ اپنے ارادے میں بیحد مستقل ہے اگر بادشاہ حریف کے سر پر پہونچنے میں تعجیل سے کام نہ لیں اور آہستہ خرامی کے ساتھ سفر کریں تاکہ امرا اور فوج بھی قطع منزل کرکے بادشاہ کے ہم رکاب ہو جائے تو ہر طرح بہتر اور انسب ہے۔ محمد شاہ نے ان کا معروضہ قبول نہ کیا اور اُن سے کہا کہ مجھے اپنے کو مقررہ تاریخ پر مسند عالی خاں محمد کے پاس پہونچانا ضروری اور لازمی ہے اور تم لوگ جو کہتے ہو وہ میرے عزم کے بالکل خلاف ہے تمھیں معلوم ہے کہ میں بارہ ہزار سوار اپنے ہمراہ لیکر تلنگانہ کے دور دراز ملکوں کو گیا اور وہاں باغیوں کو کامل سزا دی اسی طرح نو ہزار فوج کے ساتھ راجہ بیجانگر کو جنگل اور پہاڑوں میں آوارہ اور سرگردان پھرایا اور خدا کے فضل سے کامیاب واپس آیا۔ میرے موجودہ تین سو سوار مازندرانی اور اس کے ہی خواہ جیسے روباہ صفت حریفوں کو پامال کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں۔ بادشاہ نے امیروں سے یہ گفتگو کی اور سفر کی منزلیں اور زیادہ تعجیل کے ساتھ طے کرنے لگا۔ بادشاہ قصبۂ پٹن سے چار کوس کے فاصلہ پر پہونچا اور اُسے معلوم ہوا کہ مسند عالی خاں محمد نے

دشمن کے سامنے اپنی فوج کے پرے جمائے ہیں۔ بادشاہ کے پہونچنے کی خبر دوست اور دشمن سبھوں نے سنی اور راجہ بگلانہ کے ملازموں نے میدان جنگ سے منہ موڑا حریف کو تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ ان کے علاوہ دوسرے سپاہی بھی میدان جنگ سے صحیح وسالم نکل جانے کو اپنے لئے غنیمت سمجھے اور انھوں نے دشمن کے پنجہ سے اپنی جان بچائی۔ بہرام خاں اور کو بند دیو زمانہ کی گردش سے بے خبر تھے جب انھوں نے یہ حال دیکھا تو بلا حریف سے جنگ آزمائی کئے ہوئے راہ فرار اختیار کی اور جلد سے جلد دولت آباد کے قلعہ میں جا پہونچے سلطان محمد شاہ جبکہ اُس کے سپاہی دشمن کے لشکر کو تاخت وتاراج کر رہے تھے ایک سو ستر جوانوں کے ساتھ مسند عالی خاں محمد کے پاس پہونچگیا بادشاہ کی ہمت وشجاعت پر اُس کے دوست و دشمن سب اس کی تعریف کر رہے تھے مسند عالی خاں محمد کی التماس کے موافق بادشاہ نے وہ رات اُسی جگہ بسر کی اور صبح کو جلد سے جلد حریف کے تعاقب میں روانہ ہوا سلطان محمد شام کے قریب دولت آباد سے دو کوس کے فاصلہ پر پہونچ گیا اور اس نے چاہا کہ قلعہ کا محاصرہ کرے۔ بہرام خاں اور کو بند دیو بیحد پریشان ہوئے اور اپنے مآل کار میں ایسے حیران ہوئے کہ دونوں گنہگاروں نے اپنا بھیس بدلا اور رات ہی رات قلعہ سے بھاگ کر خاص شہر دولت آباد میں حضرت شیخ زین الدین کے آستانہ پر انھوں نے پناہ لی۔ بہرام خاں اور کو بند دیو نے جناب شیخ سے پوچھا کہ اب ہم کیا کریں آیا دولت آباد کے قلعہ میں پناہ گزین رہکر دشمن کی مدافعت کریں یا یہ کہ حریف سے بچنے کے لئے کوئی اور تدبیر اختیار کریں۔ شیخ نے جواب دیا کہ چونکہ تم لوگ میرے دامن میں پناہ گزیں ہوئے ہو اور خلوص کے ساتھ مجھ سے رائے پوچھ رہے ہو اس لئے میں بھی جو کچھ تمھارے حق میں بہتر ہے وہی تم سے بیان کرتا ہوں تمھارا قلعہ بند ہو کر دشمن کی مدافعت کرنا آئین عقل و دانش سے بالکل بعید ہے تمھیں چاہئے کہ اپنے لڑکوں اور دیگر متعلقین کو اپنے ساتھ لو اور یہاں قیام کرنے میں جو خطرہ ہلاکت ہے اُس پر راہ فرار کو ترجیح دو اور فوراً گجرات روانہ ہو جاؤ۔ مار نذرانی اور کو بند دیو نے حضرت شیخ کے گھر میں بیٹھے ہی بیٹھے اپنے متعلقین کو یہ پیغام بھیجا کہ تنہا چلے آئیں تاکہ حضرت شیخ کی زیارت سے فیضیاب ہو کر ان کی روحانی قوت سے ہم امداد طلب کریں اور اس کے بعد پھر قلعہ بند ہو جائیں۔ مار نذرانی اور کو بند دیو کے متعلقین جو سب کے سب قابل بھروسہ تھے معاملہ کی تہ کو پہونچ گئے اور فوراً گھوڑوں پر زین لگا کر اپنے چند خاص خادموں کے ہمراہ

شیخ کے آستانہ پر حاضر ہوگئے۔ شیخ نے مازندرانی اور کونیہ دیو کی پیٹھ پر دست شفقت رکھا اور فرمایا کہ خدا کا نام لیکر سوار ہو انشاءاللہ تم لوگ دشمن کے شر سے محفوظ رہو گے۔ مازندرانی اور کونیہ دیو نے گجرات کی راہ لی۔ سلطان محمد شاہ کو ان لوگوں کے فرار کا حال معلوم ہوا اور صبح سویرے مسندعالی خاں کے ہمراہ چار سو آزمودہ کار سپاہیوں کو ساتھ لے کر مازندرانی کے عقب میں گجرات روانہ ہوا۔ بادشاہ اپنے دشمنوں تک نہ پہونچ سکا اور اپنی ناکامی کی وجہ سے بیحد غضبناک دولت آباد واپس آیا۔ اس واقعہ سے محمد شاہ کا دل حضرت شیخ سے اور زیادہ برگشتہ ہوا۔ محمد شاہ کے جلوس کے وقت تمام علما اور مشائخ نے بادشاہ کی اطاعت پر حاضرانہ اور غائبانہ ہر طور پر بیعت کی تھی صرف حضرت شیخ نے بادشاہ کو شراب خوار اور دوسرے لذات دنیاوی میں گرفتار دیکھکر اس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ سلطنت کرنے کے لائق وہ شخص ہے جو دین اسلام کے احکام کو دنیا میں جاری اور برقرار رکھنے میں ہر قسم کی کوشش کرتا ہے اور خلوت اور جلوت ہر جگہ اعمال بد سے اپنے کو بچائے۔ مازندرانی کے واقعہ کے بعد بادشاہ کا دل حضرت شیخ سے اور برگشتہ ہوگیا اور اس نے ان بزرگ کے پاس پیغام بھیجا کہ یا تو میرے دربار میں حاضر ہو یا میری اطاعت اور بادشاہت پر بیعت کرو۔ شیخ نے اس پیغام کے جواب میں بادشاہ کو ایک رقعہ لکھا اور اس میں یہ حکایت مرقوم کی کہ ایک زمانہ میں ایک دانشمند اور ایک سید اور ایک مخنث تین آدمی غیر مسلموں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے۔ غیر مسلم اپنے قیدیوں کو بتخانہ میں لے گئے اور یہ طے کیا کہ جو کوئی بت کو سجدہ کرلے اس کی جان کو خطرہ نہیں ہے اور جو شخص صنم پرستی سے انکار کرے اس کا خون حلال ہے سب سے پہلے دانشمند کی باری آئی اس شخص نے غیر مسلم دشمنوں کی شرط قبول کر لی اور بت کے آگے اپنا سر جھکا دیا سید نے اسی دانشمند کی پیروی کی ان دونوں گرفتاروں کے بعد مخنث کی نوبت آئی۔ یہ شخص اپنے دل میں سوچا کہ تمام عمر بدکاری میں گزری ہے اور نہ میں عالم ہوں اور نہ سید کہ علم اور سیادت کی پناہ میں اگر غیر خدا کے آگے سر جھکاؤں یہ خیال کرکے مخنث نے اپنی جان دینے کا فیصلہ کر لیا اور بت کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ حکایت نقل کرکے حضرت شیخ نے بادشاہ کو لکھا کہ میرا حال بھی اسی مخنث کا سا ہے میں تمھارے مظالم برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن نہ میں تمھارے دربار میں حاضر ہونگا اور

نہ تمھاری امادت پر بیعت کرونگا۔ بادشاہ اس جواب سے بیحد غضبناک ہوا اور اُس نے حکم دیا کہ شیخ شہر سے نکل جائیں۔ حضرت زین الدین نے اپنا مصلیٰ کاندھے پر ڈالا اور اپنی جگہ سے اٹھے اور حضرت شیخ برہان الدین کے روضہ پر حاضر ہو گئے۔ شیخ نے اپنا عصا حضرت برہان الدین کی مزار کے پاس زمین میں گاڑ دیا اور وہیں اپنا مصلیٰ زمین پر بچھا کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اب اس جگہ سے مجھے اٹھانے کے لئے کسی بڑے بہادر اور قوی دل انسان کی ضرورت ہے۔ بادشاہ نے یہ قصہ سنا اور حضرت شیخ کے جلال کو سمجھ کر اپنی حرکت پر شرمندہ ہوا اور اپنے ہاتھ سے یہ مصرع لکھکر کہ من زان توام تو زان من باش ایک شقہ صدر الشریف کے ہاتھ حضرت شیخ کی خدمت میں روانہ کیا۔ شیخ نے جواب دیا کہ اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت اسلام کے احکام کی حفاظت میں کوشش کرے اور اپنے ملک سے شرابخانوں کو مسمار اور تباہ کر کے اپنے باپ کے طریقہ پر عمل کرے اور خلق خدا کے سامنے شراب نہ پیئے اور قاضیوں اور عالموں کو حکم دے کہ لوگوں کو اعمال بد کے ارتکاب سے سختی کے ساتھ روکیں اور پابندی احکام کی ان کو ہدایت کریں تو اس فقیر زین الدین سے زیادہ بادشاہ کا کوئی بہی خواہ نہیں ہے۔ سلطان محمد شاہ غازی کے خطاب سے جو حضرت شیخ کے منہ سے نکلا تھا بیحد خوش ہوا اور حکم دیا کہ اس خطاب کو اُس کے دیگر القاب پر بڑھا دیا جائے۔ اور بغیر حضرت شیخ سے ملاقات کئے ہوئے اُس نے مرہٹواری کی حکومت مسند عالی خان محمد کے سپرد کی اور خود حسن آباد گلبرگہ روانہ ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنے تمام ممالک محروسہ میں شراب کی خرید و فروخت قطعاً بند کر دی اور شریعت اسلام کو پھیلانے میں جان و دل سے کوشش کرنے لگا۔ بادشاہ نے ان چوروں اور قزاقوں کو جو اپنے پیشہ میں مشہور آفاق تھے اور جنھوں نے مسافروں اور راہگیروں کے قتل و غارت کرنے پر کمر ہمت باندھی تھی نیست و نابود کرنیکا قطعی ارادہ کر لیا اور اپنے ملک کے چاروں طرفداروں کے نام فرمان صادر کئے کہ ہر حاکم اپنے حدود ملک کو ان ظالموں کے وجود سے پاک کر دے بادشاہ کا حکم تھا کہ اس فرقہ کے ہر خرد و بزرگ کا سر قلم کر کے دوسروں کی عبرت کے لئے پایۂ خلافت کو روانہ کیا جائے۔ بادشاہ کے حکم کے موافق ہر طرفدار نے قزاقوں کے ملجا اور ان کے مامن پر حملہ کر کے چھ یا سات مہینے کے عرصہ میں ان کی جماعت کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔ ملا داؤد بیدری لکھتے ہیں کہ چھ مہینے کے اندر تقریباً بیس ہزار چوروں اور راہزنوں کے سرچاروں طرف

سے حسن آباد گلبرگہ روانہ کئے گئے۔ شہر کے باہر ان سروں کے چبوترے بنائے گئے اور محمد شاہ
کی سیاست کا شہرہ سارے عالم میں پھیل گیا۔ ان کارروائیوں سے راستے پر امن ہو گئے اور مسلمانوں
کی جان اور ان کا مال ان ظالموں سے محفوظ ہو گیا۔ محمد شاہ نے یہ تمام کام اس لئے انجام دیئے
کہ حضرت شیخ زین الدین کا دل بادشاہ سے خوش ہو۔ حضرت شیخ بھی سلطان کے ان نیک
اعمال سے بیحد خوش ہوئے اور جسطرح سلطان محمد شاہ حضرت شیخ کے پاس نامہائے عقیدت
بھیجکر اپنے خلوص کا ان سے اظہار کیا کرتا تھا اسی طرح حضرت شیخ بھی بادشاہ کے خطوط کا
جواب شفقت اور مہربانی سے ادا فرماتے تھے اور کسی حال میں بھی بادشاہ کو نصیحت کرنے
سے گریز نہیں فرماتے تھے۔ اس زمانہ میں تلنگانہ اور بیجانگر کے راجہ اور دکن کے تمام زمیندار
بادشاہ کے مطیع و فرماں بردار ہو چکے تھے اور مقررہ مال روانہ کرنے میں کمی نہیں کرتے
تھے اور ملک میں امن و امان اور رفاہ و خوش حالی کا دور دورہ ہو چکا تھا بادشاہ نے
بھی لشکر کشی کو موقوف کیا اور جہانداری پر توجہ کی۔ بادشاہ کا اس زمانہ میں ہی یہ دستور
رہا کہ ہر سال کسی نہ کسی صوبہ کا سفر کرتا اور تین چار مہینے وہاں سیر و شکار میں صرف کرتا تھا قاعدہ یہ تھا
کہ بادشاہ جس طرف صید افگنی کے لئے جاتا تھا اس سمت کا طرفدار پیشکش اور تحفے بادشاہ کے حضور
میں حاضر کرتا تھا اور بادشاہ کو پائے سلطنت تک پہنچا کر پھر اپنے مستقر کو روانہ ہو جاتا تھا۔ غرضکہ
اس انصاف پرور فرمانروا کے عہد میں دکن کے چھوٹے اور بڑے، شریف و رذیل سب امن و امان کے ساتھ
زندگی بسر کرتے تھے اور رعیت کو سوا خوشی اور مسرت کے رنج و الم سے سروکار نہ تھا۔ رعایا ایسے
بادشاہ کے وجود کو خدا کا بہت بڑا عطیہ سمجھکر ہر وقت شکر الہی بجا لاتی تھی۔ زمانہ کا دستور ہے کہ
ہر شخص پر موت کا پنجہ قابض ہوتا ہے اور ہر گھر میں ماتم بھی برپا ہوتا ہے اسی آئین مقررہ کے موافق اس
ہر دل عزیز فرمانروا کی بھی رحلت کا وقت آگیا اور بادشاہ نے نویں ذیقعدہ ۷۷۶ھ میں وفات پائی اور
پسماندگان کے دلوں کو زخمی کر کے رعایا کو گریہ و زاری میں مبتلا کر گیا۔ محمد شاہ اپنے باپ کے پہلو میں
پیوند خاک کیا گیا۔ سراج التواریخ کی روایت کے موافق جسقدر ہاتھی اور جتنی دولت محمد شاہ
کی سرکار میں پائی گئی کسی بہمنی بادشاہ کے وقت میں اتنے فیل خاصہ اور اسقدر مال و جواہر
کا پتہ نہیں چلتا۔ محمد شاہ کی سرکار میں چھوٹے اور بڑے نر و مادہ تین ہزار خاصہ کے
ہاتھی تھے اور دوسرے بادشاہوں کے پاس دو ہزار ہاتھیوں سے زیادہ جمع نہیں ہو سکے
اسی طرح جسقدر خزانہ اس بادشاہ کے پاس تھا اس کا نصف بھی کسی حکمران کے پاس اکٹھا نہ ہوا

ہوگا۔ اسی تاریخ میں یہ بھی مرقوم ہے کہ محمد شاہ سے پہلے کسی بادشاہ دہلی نے اور اس کے بعد کسی بہمنی فرمانروا نے کرناٹک پر ایسا زبردست حملہ نہیں کیا غرضکہ جو ہاتھی کہ ان راجاؤں کے اباواجداد نے بڑی محنت سے اپنی سرکار میں جمع کئے تھے وہ بلاکسی زحمت کے محمد شاہ کے قبضہ میں آگئے اور سات سو برس کا اندوختہ اور سامان جو راجہ کرناٹک کے یہاں جمع تھا غارت وتاراج ہوا کرناٹک کا ملک اس حملہ سے ایسا تباہ وویران ہوا کہ ایک عرصہ تک اپنی اصلی حالت کو نہ پہونچ سکا۔ محمد شاہ نے سترہ برس نو مہینے اور پانچ دن حکومت کی

مجاہد شاہ بن سلطان محمد شاہ بہمنی

مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان مجاہد شاہ بہمنی ملک سیف الدین غوری کا نواسہ تھا اس نے باپ کے مرنے کے بعد دکن کے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ یہ بادشاہ شکل وصورت قدوقامت حسن وجمال میں اپنے گھرانہ کا آفتاب تھا اور زور وقوت وہمت وشجاعت میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ ترکی زبان اچھی طرح بولتا تھا اور اس کے ہم نشین بھی زیادہ تر ترکی اور فارسی زبانوں کے ماہر اور بولنے والے تھے۔ یہ فرمانروا بچپن ہی سے تیر وکمان کا شوق رکھتا تھا اور ہمیشہ شمشیر زنی اور خنجر گزاری ونیزہ بازی کی گفتگو کیا کرتا تھا ایک واقعہ اس کے بچپن کے زمانہ کا نقل کیا جاتا ہے جس سے اُس کے زور وقوت کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔ مجاہد نے اپنے بچپن کے زمانہ میں ایک رات اپنے باپ کے خزانہ کا قفل توڑا اور چند تھیلیاں روپئے اور اشرفیوں کی چرالیں اور صبح کو اپنے ہم مشرب لڑکوں کو تمام دولت تقسیم کرکے دوستوں کا دل شاد کیا خزانچی نے سلطان محمد کو اطلاع کردی۔ بادشاہ کو بیٹے کی اس جسارت اور بے ادبی پر بڑا غصہ آیا محمد شاہ نے خاصہ کے تنبول بردار مبارک کو مجاہد کے بلانے کے لئے بھیجا۔ شاہزادہ باپ کے سامنے آیا اور بادشاہ کو بیحد غضبناک دیکھ کر گنہگاروں کی طرح سر جھکا کر ادب سے کھڑا ہوا۔ محمد شاہ نے غصہ میں چند کوڑے شاہزادہ کو مارے جس کے صدمہ سے مجاہد کے بدن میں زخم پڑ گئے۔ مجاہد شاہ نے مبارک تنبول کی شکایت ماں سے کی کہ اگر وہ مجھے واقعہ سے مطلع کر دیتا تو میں آپ کی سفارش یا کسی حیلہ اور دفع الوقتی سے بادشاہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرکے اس کے حضور میں حاضر ہوتا۔ ماں نے جواب دیا کہ شاہی حکم کے سامنے بیچارے تنبول بردار کی کیا حقیقت ہے اور اس کا کیا گناہ ہے۔ مجاہد شاہ یہ سن کر خاموش ہورہا اور حرم سرا کے باہر چلا آیا مجاہد شاہ دل میں تو مبارک تنبول کا دشمن بنا رہا لیکن زبان سے اس نے بالکل کینہ کا اظہار نہ کیا

بلکہ بہ ظاہر اور زیادہ تنبول بردار پر اظہار مہربانی کرتا رہا۔ اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد مجاہد شاہ نے ایک مجلس نشاط ترتیب دی شاہزادے نے اس مجلس میں مبارک سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تو بڑا طاقتور ہے اور پہلوانوں کے زبردست پٹھوں کو دنگل میں چت کر دیتا ہے میں چاہتا ہوں کہ میں بھی تیرے ساتھ زور آزمائی کروں۔ مبارک کو شاہزادے کی آزردگی کا خیال تک نہ تھا اور نیز یہ کہ حریف کو طفل نو آموز اور اپنے کو تنومند جوان سمجھتا تھا اس نے شاہزادہ کی درخواست قبول کر لی اور دونوں خادم و مخدوم ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو گئے لیکن حیرت یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ شاہزادہ کا سن چودہ سال کا تھا اور مبارک تنبول تیس سال کا جوان تھا لیکن بازی شاہزادے ہی کے ہاتھ رہی اور مجاہد نے مبارک کو زمین سے اٹھا کر اس طرح پھر زمین پر گرایا کہ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اسی صدمہ سے اس نے وفات پائی۔

مجاہد شاہ نے انیس سال کے سن میں تخت حکومت پر قدم رکھا تخت نشینی کے بعد دولت آباد آیا اور حضرت شیخ برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کر کے شیخ زین الدین قدس سرہ کا مرید ہوا اور اس کے بعد دار الحکومت کو واپس آیا۔ مجاہد شاہ سند عالی خان محمد کے استقلال اور اقتدار سے دل میں کچھ خوف زدہ تھا بادشاہ نے عالی خاں کو دولت آباد کی حکومت سے معزول کیا اور اس کے بجائے اعظم ہمایوں کو اس صوبہ کا حاکم مقرر کیا مجاہد شاہ نے کشن رائے والی بیجانگر کو لکھا کہ دریائے کرشنا اور دریائے تہندرہ کے درمیانی قلعے اور شہر ہمیشہ ہمارے اور تمہارے درمیان نزاع اور فساد کا باعث رہے ہیں بہتر یہ ہے کہ اس جھگڑے کو اس طرح طے کر دیا جائے کہ دریائے تہندرہ کو سرحد قرار دیکر دریا کے اس پار کا حصہ سیت بن رامیشر تک تمہارے قبضہ میں رہے اور دریا کے اس پار کا شرقی و غربی علاقہ سلطنت بہمنیہ کے زیر حکومت کر دیا جائے۔ اس فیصلہ کی بنا پر تمہیں چاہئے کہ بنکاپور اور دوسرے مقامات کے قلعے اور تمام متعلقہ شہر ہمارے حکام کے سپرد کر کے جو چیز کہ باعث فساد ہے اس کو مٹا دو اور رابطہ دوستی کو مضبوط اور مستحکم کر لو کشن رائے نے جواب میں کہا کہ رائچور اور مدگل کے قلعے اور نیز ان شہروں کے تمام علاقے ساحل کرشنا تک پرانے زمانے سے راجگان بیجانگر کے قبضہ میں رہ چکے ہیں میرے نزدیک یہ مناسب ہے کہ تم دریائے کرشنا کو سرحد قرار دے کر مذکورہ بالا قلعے اور شہر ہمارے سپرد کر دو۔ اس کے

علاوہ جو ہاتھی کہ حکام کنہڑ کی نااہلی سے تمھارے باپ محمد شاہ بہمنی نے گرفتار کرلئے ہیں انھیں واپس کرو تاکہ دونوں دل ایک دوسرے سے صاف ہوجائیں مجاہد شاہ نے اس دوراز کار جواب کو سن کر باپ کے خزانہ کا قفل کھولا اور فوج کشی اور اسباب حشمت کے درست کرنیکی تیاریاں کرنے لگا۔ تمام ممالک محروسہ کا انتظام اپنے نانا ملک سیف الدین غوری کے سپرد کیا اور بیجانگر پر حملہ کرنے کے لئے کمربستہ تیار ہوگیا اور لشکر کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا۔ دولت آباد بیدر اور برار کی فوج جلد سے جلد گلبرگہ پہونچ گئی اور مجاہد شاہ نے پانچ سو جنگی ہاتھیوں اور سارے خزانہ کو ساتھ لے کر بیجانگر کا رخ کیا۔ بادشاہ شکار کھیلتا ہوا آگے بڑھا اور دریائے تہندرہ کو عبور کرکے قلعہ اودنی کے قریب پہونچا۔ یہ قلعہ دکن میں عدیم المثال سمجھا جاتا تھا۔ بادشاہ نے اس کی تسخیر کا ارادہ کرکے صفدر خاں سیستانی کو برار کی فوج کے ہمراہ قلعہ کی مہم پر مامور کیا اور امیر الامرا بہادر خاں اور اعظم ہمایوں کو لشکر کا پیشرو بنا کر اپنے سے کچھ آگے روانہ کیا مجاہد شاہ کو معلوم ہوگیا کہ کشن رائے دریائے تہندرہ کے کنارے پرگنہ گنگاوتی میں مقیم ہے بادشاہ آہستہ خرامی کے ساتھ گنگاوتی کے پس پشت راستہ سے اس طرف آگے بڑھا کشن رائے کو مجاہد شاہ کے مقدمۂ لشکر کی روانگی اور خود بادشاہ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی۔ راجہ بھی مقابلہ کے لئے اچھی طرح تیار ہوگیا۔ اسی درمیان میں بعض زمینداروں نے مجاہد شاہ سے کہا کہ قرب و جوار کے کسی جنگل میں ایک شیر ببر نے اپنا مسکن بنا رکھا ہے اس موذی جانور کے خوف سے مسافروں نے اس طرف کا راستہ چلنا چھوڑ دیا ہے اور ہر شخص ہمیشہ اپنی جان سے خائف رہتا ہے۔ مجاہد شاہ نے خود اس جنگل کا رخ کیا۔ جنگل کے قریب پہونچکر بادشاہ نے حکم دیا کہ کوئی شخص بلا اجازت بیابان میں داخل نہ ہو اور خود سات آدمیوں کو ہمراہ لے کر پیادہ روانہ ہوا جنگل میں داخل ہوا اور شیر نے آدمیوں کی صورت دیکھتے ہی ایک ڈکاری اور ان لوگوں کی طرف بڑھا۔ مجاہد شاہ نے اپنے سپاہیوں کو نیزہ و شمشیر سے کام لینے کی ممانعت کی اور خود شیر کے سامنے جاکر ایک تیر جانور کے لگایا۔ پہلے ہی تیر میں شیر کا پہلو چھد گیا جانور اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہ کرسکا اور وہیں ٹھنڈا ہوگیا۔ مجاہد شاہ نے کہا کہ میں نے سوچ لیا تھا کہ پہلے اس موذی کی تیر سے خبر لوں گا اور اگر میری کمان نہ چڑھی تو نیزہ اور تلوار کو کام میں لاؤنگا لیکن یہ اجل رسیدہ میری تیر زنی ہی میں موت سے دوچار ہوگیا دیکھنا یہ ہے کہ تیر اس کے اندرونی اعضا میں سے کس عضو میں لگا کہ یہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کرسکا۔ حکم دیا کہ تیر

جسم سے کھینچ لیا جائے اور جانور کا پیٹ پھاڑ کر دیکھو کہ تیر بدن کے کس حصہ میں پیوست ہوا ہے۔ بادشاہ کے ساتھی سب امیرزادے اور پروردۂ نعمت تھے شیر کے قریب جاتے ہوئے جھجکے اور مجاہد شاہ نے بڑھکر خود دیکھتے ہی دیکھتے شیر کا پیٹ پھاڑ ڈالا۔ جانور کی انتڑیاں الٹ پلٹ کر دیکھی گئیں اور غور کے بعد معلوم ہوا کہ بادشاہ کا تیر شیر کے پہلو اور انتڑیوں کو چھیدتا ہوا جانور کے دل وجگر میں پیوست ہوگیا تھا۔ مجاہد شاہ کی اس مردانہ صید افگنی کا تمام اطراف ونواح میں چرچہ ہوا اور بیجانگر کے غیر مسلم باشندے بادشاہ کی جرات اور طاقت سے بیحد خوف زدہ ہوئے اور باوجود اس کے کہ اپنے شہر سے بہت بڑا لشکر ساتھ لے کر مجاہد شاہ سے لڑنے کے لئے چلے تھے لیکن اس واقعہ سے کچھ ایسے بے حواس ہوئے کہ معرکہ آرائی کو ملتوی کرکے ہندؤوں نے یہ طے کیا کہ دور دراز جنگلوں میں جا چھپیں اگر مجاہد شاہ اس پر بھی انکا پیچھا کرے تو توپچی اور کمان دار مسلمان سپاہیوں کی مدافعت کرکے انھیں ہلاک کریں۔ اس قرارداد کے موافق راجہ نے بیجانگر کی حفاظت چند عمائد سلطنت کے سپرد کی اور خود شہر کے جنوبی جنگلوں کی طرف روانہ ہوا۔ مجاہد شاہ نے بیجانگر کی بڑی تعریف سنی تھی اور اس اشتیاق دیدار میں منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا شہر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چونکہ بیجانگر کے راستہ میں بہت سے پہاڑ پڑتے ہیں اور دشمنوں نے ان پہاڑوں میں مضبوط جگہ پناہ کی تیار کی تھی اور نیز خود شہر کے حوالی میں بھی پہاڑ اور ٹیلے کثرت سے موجود تھے اس لئے مجاہد شاہ شہر کی تسخیر اور تباہی کا ارادہ ترک کرکے کشن رائے کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ راجہ پہاڑوں اور جنگلوں کی دشوار گزار راہیں طے کرتا ہوا سیت بن رامیشر روانہ ہوا۔ مجاہد شاہ بھی کشن رائے کے نقش قدم پر چلا اور جس جگہ گنجان راستہ نظر آتا تھا بادشاہ درختوں کو کاٹ کر راہ کو سو گز کی چوڑائی تک کشادہ کراتا تھا۔ مختصر یہ کہ مجاہد شاہ نے پانچ چھ مہینے اسی تعاقب میں بسر کئے اور کشن رائے کا یہ حال تھا کہ مجاہد سے مقابلہ کرنے سے گریز کرتا اور جابجا اپنی جان بچاتا ہوا بھاگتا پھرتا تھا۔ مجاہد شاہ سے بارہا اس کے ارکان دولت نے کہا کہ اس طرح راجہ کے پیچھے پھرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا لیکن مجاہد نے کسی کی ایک نہ سنی اور درختوں کو کاٹتا اور جنگلوں کو صاف کرتا ہوا کشن رائے کے پیچھے پھرتا رہا۔ آخر کار مجاہد کے اقبال نے اس تگ ودو کو بھی جولان فتح بنایا اور کشن رائے کے سر پر ادبار کی نحوست سوار ہوئی اور راجہ اپنے تمام کنبے سمیت بیمار پڑا

راجہ کے طبیبوں نے درختوں اور جنگلوں کی رطوبت اور نمی کو مرض کا سبب بتایا کشن رائے نے کہا کہ میرا خیال تھا کہ جنگل کی آب و ہوا مجاہد کو موافق نہ آئیگی لیکن تقدیر نے معاملہ برعکس کردیا اور مجھکو یہاں سے بھاگنا پڑا۔ راجہ نے مجبوراً ہیراپور سے بیجانگر کی راہ لی اور دارالحکومت پہونچکر شہر کے تمام راستوں کو مضبوط اور مستحکم کیا اور اپنے تمام امیروں اور سپاہیوں کو شہر میں داخل کرکے خود بیجانگر کے ایک پہاڑی قلعہ میں مقیم ہوا مجاہد شاہ سیت بن رامیسر کے نواح میں پہونچا اور اس شیر دل فرمانروا نے اپنے تمام امیروں کو تو کشن رائے کے تعاقب میں پہلے روانہ کردیا اور خود امیر الامرا بہادر خاں اور پانچ ہزار سواروں کے ساتھ آہستہ آہستہ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا امیروں کے پیچھے سیت بن رامیسر کی طرف روانہ ہوا۔ سیت بن رامیسر اور بیجانگر میں چھ سو کوس کا فاصلہ تھا اور مجاہد سیر کرتا اور قدرتی مناظر کا تماشا دیکھتا ہوا منزل مقصود تک پہونچا۔ سلطان علاء الدین خلجی کی تعمیر کردہ مسجد کی مرمت کرائی اور تمام بتخانوں کو توڑتا اور ویران کرتا ہوا جلد سے جلد بیجانگر کے قریب پہونچا۔ بیجانگر کے اندر داخل ہونیکے دو راستے تھے۔ ایک راستہ تو چوڑا اور کشادہ تھا جس کے ذریعہ سے لشکر آسانی کے ساتھ شہر میں داخل ہوسکتا تھا اور دوسری راہ پتلی اور تنگ تھی لیکن یہ کشادہ سڑک سرکوب اور کمینگاہ ہونیکی وجہ سے پرامن نہ تھی اور اس راستہ میں جابجا راجہ کے تفنگی پہاڑیوں اور قلعوں میں چھپے بیٹھے تھے اور دشمن کو آسانی سے شہر میں داخل ہونیکا موقع نہ دیتے تھے مجاہد نے اس وسیع راستے کا خیال چھوڑا اور اسی تنگ راہ سے جو سودرہ کے نام سے عام طور پر مشہور تھی جہاد کے ارادہ سے فوج و سپاہ کو ساتھ لے کر شہر میں داخل ہوا۔ اپنے چچا داؤد شاہ کو چھ ہزار سوار اور پیادوں کی جمعیت کے ساتھ دہنہ سودرہ کی حفاظت کے لئے شہر کے باہر چھوڑا۔ کشن رائے مجاہد شاہ کی جرأت اور بہادری کی داستانیں سن رہا تھا اور پریشان ہوکر لحظہ بہ لحظہ نئے نئے دستے سوار اور پیادوں کے مسلمانوں کے مقابلہ میں روانہ کرتا تھا۔ مجاہد شاہ ہندوؤں کے جرگوں کو شکست دیتا اور اپنے سامنے سے بھگاتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا تھا یہاں تک کہ اس دریا کے کنارے تک پہونچا جس کے اُس پار راجہ کشن رائے قلعہ بند تھا۔ مجاہد شاہ نے دریا کے اس پار پہاڑ کی چوٹی پر ایک بتخانہ دیکھا جو سونے اور جواہرات سے بالکل مرصع تھا ہندو اس بتخانہ کو شرنرنگ کہتے تھے۔ کنڑی زبان میں شرنرنگ کے معنی مرصع عنبر کے ڈبے کے ہیں اور اسی لئے اس جڑاؤ بتخانہ کو

اس نام سے پکارتے تھے۔ مجاہد شاہ نے اس بتخانہ کو مسمار کرنا اپنے سفر کی بہت بڑی کامیابی تصور کیا اور پہاڑ پر چڑھ کر بتخانہ کو توڑا اور اسے ویران کر کے سونے اور جواہرات پر اپنا قبضہ کیا۔ ہندوؤں نے اپنی آنکھوں سے اس نادر الوجود بتخانہ کی تباہی دیکھی اور روتے اور فریاد کرتے ہوئے راجہ کے پاس آئے اور اُسے سوار کرا کے مذہبی جوش انتقام کے نشہ میں سرشار میدان جنگ کی طرف بڑھے مجاہد شاہ کو ہندوؤں کی سرفروشی اور بغض کی اطلاع ملی اور یہ باہمت فرمانروا بھی لڑنے پر تیار ہوا۔ مجاہد شاہ نے اپنی صفوں کو آراستہ کیا اور قبل اس کے دونوں لشکروں کا مقابلہ ہو مجاہد نے چتر اپنے سر سے دور کر دیا اور ایک سلحدار مسمی محمود افغان کو اپنے ساتھ لے کر دریا کے پار گیا اور دشمنوں کے جمگھٹ اور ان کی کثرت کا تماشا دیکھنے لگا۔ مجاہد لڑائی کا منظر دیکھ رہا تھا کہ دفعتاً ایک دیوصفت ہندو سپاہی نے بادشاہ کے سیاہ گھوڑے شبرنگ نام کو پہچان لیا اور اس نے سوچا کہ مجاہد کو غافل پا کر کسی نہ کسی طرح اس تک پہونچے اور اپنی خونریز تلوار سے مجاہد کا کام تمام کر کے بتخانہ کی تباہی کا بدلہ لے اور اس طرح ہم چشموں میں عزت حاصل کرے۔ مختصر یہ کہ یہ ہندو سپاہی کھنڈروں سے گزرتا ہوا بادشاہ کے پاس آیا اور چاہتا تھا کہ گھوڑا بڑھا کر اپنا وار کرے کہ مجاہد کو فوراً اُس کے ارادہ سے اطلاع ہوگئی بادشاہ نے محمود افغان کی طرف دیکھا اور سلحدار فوراً اپنا گھوڑا کدا کر ہندو سپاہی کے سامنے آکھڑا ہوا ہندو سپاہی تک پہونچتے پہونچتے محمود افغان کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سلحدار پیادہ ہوگیا۔ ہندو سپاہی اس موقع کو غنیمت سمجھا اِس نے چاہا کہ محمود کا کام تمام کردے مجاہد شاہ نے یہ واقعہ دیکھا اور جلد سے جلد ہندو سوار کے سر پر پہونچ گیا۔ ہندو سپاہی نے پیش دستی کی اور مجاہد کے سر پر تلوار کا ایک وار کیا اور تلوار چلاتے ہی خوشی میں اِس زور سے چلّایا کہ دیکھنے والے یہ سمجھے کہ بادشاہ کے سر پر کاری زخم لگا ہے لیکن حقیقت حال اس کے خلاف تھی اور چونکہ مجاہد زریں ٹوپی پہنے ہوئے تھا ہندو سپاہی کی تلوار نے کچھ کام نہ کیا مجاہد شاہ نے اِس وار کا جواب دیا اور ایک ہی ضرب میں دشمن کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ہندو سپاہی تو زمین پر گرا اور مسلم فرمانروا نے مقتول کا گھوڑا محمود افغان کو عنایت کیا اور خود آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا دریا کے کنارے آیا اور دریا کے پار اوتر کے اپنے لشکر سے جا ملا۔ بادشاہ کی طاقت اور اس کی جرات پر دست

و دشمن سب اُس کے ثنا خواں تھے اور کشن رائے دریا کے اُس پار کھڑا ہوا تھا اور اُسکی
تمام فوج دریا کو عبور کر کے میدانِ جنگ میں پرے جما رہی تھی۔ مجاہد شاہ نے امیر الامرا بہادر خاں
اور اعظم ہمایوں کے ماتحت لشکر یعنی اپنے میمنہ اور میسرہ کو خون بہانے اور گلا کٹانے کی
ترغیب دی۔ مقرب خاں ولد صفدر خاں سیستانی جو آتشخانہ کا حولدار تھا آتشبازی کے
ارابوں کو لیکر آگے بڑھا اور لڑائی کی آگ روشن ہوئی ایک خونریز لڑائی کے بعد
ہندوؤں کو شکست ہوئی اور غیر مسلم سپاہی میدان جنگ سے بھاگنے لگے لیکن ابھی
مسلمانوں نے ہتیار بھی نہ کھولے تھے کہ کشن رائے کا بھائی آٹھ ہزار سوار اور چھ لاکھ
پیادوں کا ایک جرار لشکر لے کر اپنی جاگیر سے بیجانگر پہونچگیا اور مجاہد شاہ سے لڑنے
پر آمادہ ہوا۔ کشن رائے کو بھائی کے آنے سے بڑی تقویت ہوئی اور راجہ نے دوبارہ
اپنا لشکر مرتب کیا اور پھر تازہ دم میدان جنگ میں آیا طرفین میں یادگار زمانہ لڑائی
واقع ہوئی ہر فریق نے دوسرے پر متواتر مردانہ حملے کئے اور خوب شجاعت اور نبرد آزمائی
کے جوہر دکھائے۔ ہر طرف ہزاروں بندگان خدا کا خون پانی ہو کر بہہ گیا مسلمانوں میں
مقرب خاں اور نیز دوسرے عائد لشکر شہید ہوئے۔ مجاہد شاہ خود بھی شمشیر زنی میں شریک
تھا جس طرف یہ شیر دل فرمانروا حملہ کرتا تھا حریف کے چھکے چھوٹ جاتے تھے اور مجاہد
شمشیر زن کو دیکھکر ہندو سپاہی اِس طرح بھاگتے تھے جسطرح بھیڑئے کو دیکھکر بکری اپنی
جان چھپاتی ہے۔ داؤد خاں بادشاہ کے حکم کے موافق سودرہ کے دہنہ کی حفاظت
کر رہا تھا اِس نے سنا کہ صبح سے لڑائی کا بازار گرم ہے اور ظہر کا وقت آچکا ہے اور
آتشِ حرب اب تک ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ دشمنوں کے پاؤں میدان جنگ سے ابھی تک
نہیں اکھڑے بلکہ تازہ بتازہ فوج کی امداد سے اُن کے دست و بازو اور قوی ہو رہے ہیں
داؤد شاہ یہ خبر سن کر بیتاب ہو گیا اور اگرچہ اُس نے ناعاقبت اندیشی سے کام لیا اور
دہنہ کو خالی چھوڑ کر اپنے سات ہزار سپاہیوں کو ساتھ لے کر لڑائی کی جلتی ہوئی
آگ میں کود پڑا لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اس معرکہ میں اُس نے بڑے
جوہر شجاعت دکھائے تین مرتبہ اس کا گھوڑا زخمی ہوا لیکن اس شہسوار نے
کچھ پروا نہ کی اور شمشیر و سناں سے دشمنوں کا مغز تک نکال لیا۔ اسی اثنا میں بادشاہ
کی نظر داؤد کے جھنڈے پر پڑی میدان جنگ میں اسے دیکھ کر بادشاہ کے اوسان

خطا ہو گئے۔ لیکن اس وقت تک صبر سے کام لیا جب تک کہ دوبارہ ہندوؤں کے پاؤں میدان جنگ سے نہ اکھڑے اس حملہ میں بھی مسلمانوں کو فتح ہوئی اور بادشاہ نے داؤد شاہ کو اپنے پاس بلایا اور غصہ میں اُسے گالیاں دے کر کہا کہ یہ ناعاقبت اندیشی کیسی تھی کہ تو درہ کو چھوڑ کر میدان جنگ میں چلا آیا ظاہر ہے کہ اگر درہ پر غیر مسلموں کا قبضہ ہو جائے تو ایک مسلمان بھی زندہ اور سلامت واپس نہیں جا سکتا پھر مجاہد شاہ نے اپنے امیروں کے ایک گروہ کو درہ کی حفاظت کے لئے بھیجا اور خود دریا کے کنارے آکر مقیم ہوا۔ جو ہندو سپاہی کہ درہ کی واپسی پر مامور ہوئے تھے انھوں نے سو درہ کو حریف سے خالی پاکر پہلے ہی اُس پر قبضہ کر لیا تھا مسلمان امیر جو دہنہ پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے ہندو سپاہیوں کو اُن کی جگہ سے نہ ہٹا سکے اور واپس آکر انھوں نے سارا ماجرا مجاہد شاہ سے بیان کیا۔ مجاہد شاہ نے اس روز چالیس ہزار ہندو سوار و پیادے موت کے گھاٹ اتارے تھے اور مسلمان سپاہیوں کی بھی ایک بڑی تعداد لڑائی میں کام آچکی تھی اب شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں خیریت نہ دیکھی اور سیدھا دہنہ سو درہ کی طرف چلا۔ ہندوؤں کو مجاہد شاہ کی جرات اور شیر دلی کا حال خوب معلوم ہو چکا تھا بادشاہ کو درّہ کی طرف آتے دیکھ کر ہندو سپاہی مارے خوف کے اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ کشن رائے نے مسلمانوں کو دہنہ کی طرف جاتے دیکھ کر ان کا تعاقب کیا لیکن شیر دل مجاہد اپنے خاصہ کے سواروں کو ساتھ لے کر درہ کے دہانہ پر کھڑا ہو گیا اور اپنی تمام فوج کو دہنہ کے اُس پار کر دیا حقیقت یہ تھی کہ جس شخص نے اس شہر اور اس ملک کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے وہ خود بخود اس بات کا اقرار کرے گا کہ مجاہد شاہ کا یہ کارنامہ بھی دنیا کے نادر الوجود واقعات میں سے ایک قابل یادگار حادثہ ہے۔

مختصر یہ کہ ولایت کنھڑہ جسے کرناٹک بھی کہتے ہیں اس کا طول شمال سے جنوب یعنے کرشنا کے کنارے سے سیت بندرامیشر تک چھ سو کوس ہے اور اس کا عرض مشرق سے مغرب تک تقریباً ایک سو پچاس کوس سمجھا گیا ہے۔ دریائے عماں کے کنارے سے تلنگانہ اور کرناٹک کی سرحد تک تمام حصہ زمین کا جنگلوں اور مضبوط قلعوں سے معمور ہے۔ باشندے اس صوبہ کے کنڑی زبان بولتے ہیں اور بعض حصہ میں تلنگی بھی رائج ہے۔ یہاں کے لوگ بہادر اور جری ہوتے ہیں

لڑائی کے دن ان کے جوش کا یہ عالم ہوتا ہے کہ منہ سے کف جاری اور سر دوڑمیں رقص کرتے ہوئے میدان جنگ میں آتے ہیں لیکن جب آتش جنگ بھڑک اٹھتی ہے تو ان کا جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور اکثر ان میں ثابت قدم نہیں رہتے مسلمانوں کی مردانگی کا سکہ کچھ ایسا ان سے دلوں پر بیٹھ چکا تھا کہ شاہان بہمنیہ تھوڑی ہی فوج سے ان سے فاتحانہ سلوک کرتے تھے ورنہ وسعت سلطنت اور سپاہ کی کثرت کے اعتبار سے راجگان بیجانگر سلاطین بہمنیہ سے کہیں پر شوکت و قوت تھے خصوصاً جس وقت کہ شیر دل مجاہد کشن رائے سے برسر پیکار تھا ہنوز ونکی فوجی اور مالی حالت مسلمانوں سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ مجاہد کے وقت میں سارے تلنگانہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ نہ ہوا تھا۔ کشن رائے سارے کرناٹک پر حکمراں تھا بلکہ بندر رکوہ اور قلعہ بلگام جو حدود کرناٹک سے باہر ہیں وہ بھی اسی راجہ کے زیر نگین تھے تلنگانہ کے اکثر شہروں پر بھی بیجانگر کا قبضہ تھا غرضکہ کشن رائے ایک بڑی وسیع سلطنت کا حاکم اور شریک اور باغی کے خطرہ سے بھی محفوظ تھا اس کے علاوہ رایان سیلون و ملابار اور نیز دوسرے جزیروں اور بندرگاہوں کے راجہ کشن رائے کے باجگذار تھے اور ہر سال بیش قیمت تحفہ بیجانگر بھیجکر ہر حال میں راجہ کی خوشی کے خواہاں رہتے تھے۔ کشن رائے کے استقلال اور خاندانی عظمت کا یہ حال تھا کہ سات سو سال سے اس کے آبا و اجداد اس ملک پر حکومت کا ڈنکہ بجا رہے تھے۔ بیجانگر کے راجاؤں کا دستور تھا کہ ہر راجہ اپنے مورث کے اندوختہ خزانہ کو صرف نہیں کرتا تھا اور اسی رسم کے موافق سات سو سال کا جمع کیا ہوا روپیہ کشن رائے کے مقفل خزانہ میں موجود تھا۔ کشن رائے کی تنہا دولت تمام بادشاہان روئے زمین کے یکجائی اندوختوں کے برابر سمجھی جاتی تھی۔ سلطان علاء الدین خلجی کے سیلاب فتوحات میں کشن رائے کے دادا یعنی بانی شہر بیجانگر نے اپنے آباد اجداد کا اندوختہ روپیہ ثواب کی نیت سے اپنا ذخیرہ آخرت سمجھکر زمین میں دفن کر دیا تھا اور مدفون خزانہ پر بڑے بڑے بتخانہ تعمیر کرا دیئے تھے ان زمین دوز خزانوں میں جو دولت سیت بندر رامیشر میں دفن کی گئی تھی وہ علاء الدین خلجی کے ہاتھ آئی اور بقیہ دولت کی بابتہ نجومیوں نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ تمام روپیہ کسی مسلم فرمانروا کے ہاتھ آئے گا چنانچہ اس کی تفصیل اپنے موقع

اور محل پر مذکور ہے۔ مختصر یہ کہ اس خونریز معرکہ سے مجاہد شاہ کو یقین ہو گیا کہ بیجانگر آسانی سے فتح نہ ہو گا اور بادشاہ نے حوالی شہر سے کوچ کیا۔ اپنے باپ محمد شاہ بہمنی کے عہد کا پاس و لحاظ کیا اور رعایا اور غریبوں کو تہ تیغ نہیں کیا صرف ساٹھ یا ستر ہزار لونڈی غلام گرفتار کر کے اپنے وطن کی راہ لی۔
ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مجاہد شاہ نے اپنے امیروں کو ایک حصہ لشکر کے ساتھ قلعۂ اودونی کے محاصرے میں چھوڑ کر خود بیجانگر کا رخ کیا تھا۔ یہاں کی مہم سے فراغت حاصل کر کے مجاہد اودونی کی طرف بڑھا۔ قلعہ تک پہنچا اور تقریباً نو مہینے اُس کے سر کرنے کی کوششوں میں سرگرم رہا۔ اس درمیان میں گرمی کا موسم آگیا اور ہندوؤں نے موسمی حرارت اور پانی کی کمی سے مجبور ہو کر مصمم ارادہ کر لیا کہ قلعہ مسلمانوں کے سپرد کر دیں کہ دفعتاً شدید بارش ہوئی اور ہندو اپنے ارادے سے پشیمان ہوئے۔ ادھر مجاہد شاہ کے لشکر میں بیماری نے گھر کیا۔ قحط کی مصیبت نے اور زیادہ لوگوں کو پریشان کیا۔ دست اور ہیضہ کے عالمگیر مرض سے ہر سپاہی اپنی جان سے تنگ آگیا اور سبھوں نے بادشاہ سے واپسی کی درخواست کی۔ ملک نائب سیف الدین غوری نے گلبرگہ میں بیٹھے بیٹھے تمام واقعہ سنا اور اس وفادار اور تجربہ کار امیر نے بادشاہ کو ایک عریضہ میں لکھا کہ میں نے قلعۂ اودونی کی بڑی تعریف سنی ہے اگر حکم ہو تو میں تازہ دم لشکر ہمراہ لیکر حاضر ہوں اور قلعہ کے سر کرنے میں میں بھی شریک کار ہو کر سلطانی عنایتوں سے سرفراز کیا جاؤں مجاہد شاہ نے ملک سیف الدین غوری کی درخواست قبول کی اور غوری امیر جلد سے جلد بادشاہ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ ملک نائب نے خلوت میں بادشاہ کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اس آسمان بنیاد قلعہ کی تسخیر جس کو بندرہ اور مضبوط قلعے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور جو بوجہ ایک پہاڑ پر واقع ہونے کے اپنے استحکام میں تمام قرب و جوار میں عدیم المثال ہے آسان نہیں ہے۔ آئین فتوحات کا تقاضہ ہے کہ بادشاہ پہلے میانی دوآب کے قلعوں اور شہروں کو جو بندر کودہ اور بلگام سے بنکاپور تک پھیلے ہوئے ہیں اپنے تصرف میں لائے اور اُس کے بعد اس قلعہ کے سر کرنے کا ارادہ کرے۔

مجاہد شاہ کو سیف الدین کی رائے پسند آئی اور واپسی کی تیاریاں کرنے لگا۔ سیف الدین غوری نے راجہ بیجانگر سے صلح کرلی۔ بادشاہ نے ملک نائب کو اپنے سے پہلے گلبرگہ روانہ کیا اور غوری کے چلے جانے کے بعد خود بھی دار السلطنت کی طرف چلا۔ شاہی لشکر تنگبھدرا عبور کرکے مدگل پہنچا۔ مدگل پہنچکر اس ہوشیار اور نوعمر بادشاہ کے دن قریب آئے بادشاہ نے تمام لشکر کو مدگل سے رخصت کردیا اور خود چار سو مقرب دربانوں اور ارباب عشرت کو ساتھ لیکر شکار کھیلنے میں مشغول ہوا۔ داؤد شاہ مسند عالی خان محمد صفدر خاں سیتانی اور اعظم ہمایون مجاہد شاہ کے ہمراہ تھے۔ مجاہد شاہ شکار میں سرگرم ہوا اور صید افگنی کرتا ہوا رائچور تک پہنچا۔ صفدر خاں سیتانی اور اعظم ہمایون دونوں جانباز اپنے مالک کی بیباکی اور بے پروائی سے واقف تھے یہ دونوں امیر ہر وقت بادشاہ کی جان کی حفاظت میں سربکف رہتے تھے۔ بادشاہ کا دستور تھا کہ تمام دن شکار کی سیر و تفریح میں بسر کرتا تھا اور جس مقام پر رات ہو جاتی تھی بے تکلف وہیں قیام کردیتا تھا۔ داؤد شاہ مجاہد کی دشنام دہی سے دل میں بے حد آزردہ تھا اس آزردگی نے اُسے ہوس حکمرانی کا بندہ بنایا اور حکومت کے لالچ نے بھتیجے کے گلے پر چھری پھیرنے پر اُسے آمادہ کیا۔ مسند عالی خان محمد اور مسعود خاں ولد مبارک خاں تنبول بردار خاصہ داؤد شاہ کے معین و مددگار بنے۔ مسند عالی دولت آباد کی حکومت کے عزل اور اعظم ہمایون کے اقتدار سے مجاہد شاہ کا دشمن بنا اور مسعود خاں نے باپ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے بادشاہ کے قاتل کی اعانت پر کمر باندھی۔ داؤد شاہ اور اُس کے دونوں ساتھی ہر وقت موقع کے منتظر رہتے تھے لیکن اعظم ہمایون اور صفدر خاں کی حفاظت اور ہوشیاری سے ان کا ظالم ہاتھ شکارگاہ میں بادشاہ کے بیگناہ خون سے رنگین نہ ہو سکا۔ چونکہ مقدر الٰہی یہی تھا کہ یہ شیر دل حکمراں ناشاد و نامراد دنیا سے کوچ کرے مجاہد شاہ نے صید افگنی سے فراغت پاکر جاں نثاروں کو اپنے سے علیحدہ کیا اور صفدر خاں سیتانی اور اعظم ہمایوں کو بہ اصرار بلا ضرورت برار اور دولت آباد کی طرف جانے کا حکم دیا۔ دونوں

امیر مجبوراً بادشاہ سے رخصت ہوکر اپنی اپنی جاگیروں کو روانہ ہو گئے۔ مجاہد شاہ نے لشکر گاہ کا رخ نہ کیا بلکہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گلبرگہ کی طرف چلا۔ دریائے کرشنا کو عبور کر کے بادشاہ نے دوسرے دن دریا کے کنارے قیام کیا مچھلیوں کا شکار کرتا رہا۔ آنکھیں تو ہمیشہ کے لئے بند ہونے والی تھیں ڈھیلوں میں درد پیدا ہو گیا اور سر شام ہی سے سراپردۂ شاہی میں آرام کیا۔ داؤد خاں اور مسعود خاں اپنے ہم راز سپاہیوں کے ہمراہ چوکیداری کا بہانہ کر کے سراپردۂ شاہی کے قریب آکو بیٹھ رہے۔ دو گھڑی رات گزرنے کے بعد لوگ ادھر اُدھر منتشر ہو گئے اور داؤد خاں اپنے خونریز کام پر مستعد ہوا۔ اس سفاک نے مسند عالی کو چند آدمیوں کے ساتھ دروازے پر چھوڑا اور خود مسعود خاں اور دو اور شخصوں کے ساتھ سراپردۂ شاہی کے اندر داخل ہوا۔ مجاہد شاہ بستر استراحت پر آرام کر رہا تھا اور ایک خواجہ سرا اور ایک غلام حبشی بچہ جو بادشاہ کے پاؤں دبانے کے لئے مامور تھے، بادشاہ کے بستر کے پاس جاگ رہے تھے، ان لوگوں نے داؤد کو خنجر بدست دیکھ کر شور مچایا۔ مجاہد شاہ چونک پڑا اور ہر چند اس نے آنکھیں مل مل کر شور انگیز منظر کو دیکھنا چاہا لیکن موت کا حجاب ایسا حائل تھا کہ بادشاہ کو کچھ نظر نہ آیا۔ داؤد جفاکار نے موقع پاکر ایسا کاری ہاتھ خنجر کا بادشاہ کی پیٹ پر لگایا کہ انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ مجاہد شاہ نے باوجود کاری زخم کھانے اور خواب آلود آنکھوں سے کچھ نہ سوجھنے کے بھی کمال دلاوری سے اپنا ہاتھ بڑھایا اتفاق سے داؤد خاں کی کلائی معہ خنجر کے مجاہد شاہ کے ہاتھ میں آگئی۔ زخمی شیر نے قاتل کو اپنی طرف کھینچا حبشی بچہ باوجود اس کے کہ بے ہتھیار تھا مسعود خاں سے دست و گریباں ہو گیا لیکن مسعود کمبخت نے حبشی کو ایک ہی ضرب میں ٹھنڈا کر کے بادشاہ کے کان کی لو پر ایسا کاری زخم لگایا کہ روح فوراً پرواز کر گئی۔ داؤد خاں بادشاہ کے پنجے سے چھوٹا اور اُسی دن تمام امیروں اور امیرزادوں کو جو سب کے سب اُس کے ہمراہ تھے اپنے سامنے حاضر کیا اور سبھوں کو اپنی حکمرانی کی دعوت دی۔ داؤد شاہ علاؤالدین کا بیٹا اور

وارث تخت تھا اور نیز یہ کہ مجاہد شاہ نے کوئی اولاد نرینہ بھی نہ چھوڑی تھی؛ سبھوں نے مجاہد کے قاتل کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ داؤد شاہ نے ہر شخص کو موجودہ نوازشوں اور آئندہ کے مسرت افزا وعدوں سے راضی اور خوش کیا اور صبح تڑکے ہی بھتیجے کی لاش گلبرگہ روانہ کر کے خود دو تین روز اُسی مقتل میں مقیم رہا۔ سارا لشکر مجاہد شاہ کی شہادت گاہ میں داؤد شاہ سے آکر مل گیا۔ لشکر کے آجانے کے بعد داؤد شاہ نے شاہانہ عظمت اور جاہ و جلال کے ساتھ دار السلطنت کا رخ کیا۔ مجاہد شاہ نے سترھویں تاریخ ذی الحجہ ۷۹۹ھ میں شہادت پائی۔ اس بادشاہ نے کچھ کم تین سال فرمانروائی کی۔ حاجی محمد قندھاری اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ مبارک نام ایک شخص جو محمد شاہ کے خاصہ کا قبول بردار تھا بادشاہی عنایتوں سے امارت کے مرتبہ پر پہنچکر خزانہ بردار ہو گیا۔ مبارک نے ایک رات دیکھا کہ مجاہد شاہ نے خزانہ کا دروازہ توڑ کر چند تھیلیاں روپیوں اور اشرفیوں کی خزانہ سے نکال کر اپنے ہم عمر لڑکوں کو تمام دولت تقسیم کر دی۔ مبارک نے محمد شاہ بہمنی کو اس واقعہ کی اطلاع کر دی بادشاہ نے غصہ میں چند کوڑے شاہزادے کے مارے۔ مجاہد شاہ کو اس حادثہ سے مبارک کے ساتھ دشمنی ہو گئی تھی مبارک ڈر رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دار الخلافت پہنچکر اب مجاہد شاہ اُس واقعہ کا بدلہ لے اور مجھے قتل کر ڈالے اس لئے مبارک نے داؤد خاں سے سازش کر کے بادشاہ کو قتل کر ڈالا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ مجاہد کا قاتل مسعود خاں لد مبارک خاں ہے واللہ اعلم بالصواب۔

داؤد شاہ بن سلطان علاؤ الدین حسن کا غداری سے بادشاہ ہونا اور جلد سے جلد اپنے اعمال کی سزا پانا۔

مورخین دکن لکھتے ہیں کہ مجاہد شاہ بہمنی کی شہادت کی خبر پھیلتے ہی ملک کے ہر گوشہ میں خوابیدہ فتنے جاگ اُٹھے۔ صفدر خاں سیستانی اور اعظم ہمایوں ابھی بیجاپور کے نواح میں تھے کہ انھوں نے بادشاہ کے قتل کی داستان سنی۔ یہ دونوں یکدل ہو کر آگے بڑھے اور مبارک باد دینے کے لئے گلبرگہ نہ آئے بلکہ بیجاپور میں تمام شاہی گھوڑوں

اور ہاتھیوں پر مالکانہ قبضہ کرکے ایلچپور اور دولت آباد روانہ ہوگئے - ان امیروں نے داؤد شاہ کو عریضے لکھے جن کا مضمون یہ تھا کہ ہم لوگ خیل و حشم کی درستی کے لئے اپنی جاگیر جاتے ہیں لیکن شاہی حکم کے ہر وقت منتظر ہیں جس وقت حکم سلطانی پہنچے گا بلا توقف شاہی آستانہ پر جبیں فرسائی کے لئے حاضر ہو جائیں گے - بیجانگر کی جو فوج سرحد کی حفاظت کے لئے اپنے ملک کے حدود پر مقیم تھی وہ بھی مجاہد شاہ کے قتل کی خبر سن کر سجدۂ شکر بجا لائی اور خوشیاں مناتی ہوئی آگے بڑھی اور دریائے کرشنا سے لیکر رائچور کے قلعہ تک تمام حصۂ ملک پر قابض ہو گئی - گلبرگہ میں خود امیروں کے دو گروہ ہو گئے ایک گروہ داؤد شاہ کا طرفدار تھا اور دوسرا فریق چاہتا تھا کہ علاؤالدین حسن کا سب سے چھوٹا بیٹا محمود شاہ جو سلطان مجاہد کے حکم سے گلبرگہ ہی میں مقیم تھا مجاہد شاہ کا جانشین بنایا جائے - ملک نائب سیف الدین غوری نے اس موقع پر بھی دانائی اور تجربہ کاری سے کام لیا اور امیروں کو سمجھایا کہ اس قسم کی آپس کی نزاع ہمیشہ تباہی اور زوال سلطنت کا باعث ہوتی ہے اب جبکہ داؤد شاہ نے شاہی تاج اپنے سر پر رکھ لیا ہے تو مناسب یہی ہے کہ ہم سب اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے مستعد اور آمادہ ہو جائیں اور آپس کے اختلاف سے فتنہ و فساد کی آگ کو بھڑکا کر ملک کو تباہ و برباد نہ کریں - ملک سیف الدین غوری خاندان بہمنیہ کا رکن اعظم تھا امیروں اور سرداروں یہاں تک کہ محلات شاہی نے بھی اس کی رائے تسلیم کی صرف مجاہد شاہ کی بہن نے جو ملک نائب کی نواسی تھی اس انتخاب پر بیحد سرزنش کی اور بھائی کے قاتل کو سرسبز دیکھکر بہت پریشان ہوئی لیکن اس ایک عورت کی رائے پر عمل نہ ہو سکا اور سیف الدین غوری نے ملک میں داؤد شاہ کے نام کا خطبہ پڑھوایا اور تمام امیروں اور شہر کے مشائخ اور عمائد سلطنت کو ساتھ لیکر داؤد شاہ کے استقبال کے لئے بڑھا - ملک نائب داؤد شاہ کو بڑی شوکت و عظمت کے ساتھ شہر میں لایا اور اُسے تخت فیروزہ پر بٹھا کر خود منصب وکالت سے مستعفی ہوا - داؤد شاہ نے بھی ملک نائب کے حد سے

زیادہ اصرار پر نظر کر کے اُسے مہمات سلطنت کے بارے سبکدوش کر دیا اور خود اطمینان کے ساتھ سیاست و حکمرانی میں مشغول ہوا۔ تمام امیر اور ارکان دولت نے اس کے آگے سر نیاز جھکایا لیکن مجاہد شاہ شہید کی حقیقی بہن روح پرور آغا اُسی طرح بھائی کے قاتل سے ظاہرا ناراض و برگشتہ اور دل میں خون کی پیاسی بنی رہی۔ اس ملکہ نے داؤد شاہ کو تہنیت و مبارکباد بھی نہیں دی اور ہر چند بادشاہ نے روح پرور سے ملائمت اور نرمی کا برتاؤ کیا لیکن اس ملکہ نے بادشاہ کی کسی بات کا جواب نہ دیا بلکہ اُس کی ہستی کو بیکار سمجھکر داؤد شاہ سے منحرف اور ناراض رہی چونکہ روح پرور آغا سلطان محمد شاہ بہمنی کے زمانہ سے بیحد معزز اور صاحب اقتدار تھی اور خاندان شاہی کی تمام مستورات پر اُسے ہمیشہ سے ایک طرح کی فوقیت حاصل تھی اس لئے داؤد شاہ کو اس سے بازپرس کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اور روح پرور کی ان اداؤں سے چشم پوشی کیا کرتا تھا۔ آخر کار روح پرور کی عداوت نے اپنا رنگ کھایا اور داؤد شاہ کی روح نے عالم بالا کی طرف پرواز کرنے کی تیاریاں کیں اور باکہ نام ایک جوان جو خلوص اور شجاعت کی وجہ سے مجاہد شاہ کا مقرب بنکر بلند مرتبہ پر فائز ہو چکا تھا روح پرور کی ترغیب سے اپنے ولی النعمت کے انتقام پر مستعد ہوا۔ اسی اثنا میں داؤد شاہ مسند عالی خان محمد کے ہمراہ جمعہ کے دن ۲۱ محرم ۷۸۰ھ کو مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ باکہ جوان بھی بادشاہ کے پیچھے پیچھے اُسی مسجد میں آیا اور دوسری صف میں داؤد شاہ کے پس پشت آکر کھڑا ہوا۔ داؤد شاہ نماز میں مشغول ہوا۔ باکہ نے موقع دیکھکر تلوار نیام سے کھینچی اور قبل اس کے کہ اور دوسرے نمازی اس کے ارادے سے خبر دار ہوں ایسا کاری ہاتھ داؤد شاہ کے لگایا کہ بادشاہ نے سجدہ ہی میں دنیا سے کوچ کیا۔ مسند عالی خان محمد اپنے چچیرے بھائی کو خاک و خون میں غلطاں دیکھکر اپنی جگہ سے قاتل کی طرف جھپٹا اور قبل اس کے کہ باکہ مسجد کے باہر نکلے مسند عالی خان نے اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ داؤد شاہ نے ایک مہینہ پچیس روز حکومت کی۔

سلطان محمود شاہ بہمنی بن سلطان علاؤ الدین حسن گانگوی بہمنی

مورخین لکھتے ہیں کہ داؤد شاہ کے قتل کے بعد مسند عالی خان محمد نے چاہا کہ مقتول کے نو سالہ فرزند محمد سنجر کو باپ کا جانشین بنائے مسند عالی خان نے داؤد شاہ کی تجہیز و تکفین روح پرور کے سپرد کی اور خود جلد سے جلد قلعہ پہنچا۔ روح پرور آغا نے مسند عالی خان کے انتخاب سے سخت اختلاف کیا اور کہا کہ یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ میرے مظلوم بھائی کے سفاک قاتل کا فرزند میرے باپ کی جگہ بیٹھکر حکمرانی کرے محمود شاہ بن سلطان علاؤ الدین حسن ہر طرح جانشین اور سرداری کا مستحق ہے۔ چونکہ محمد سنجر قلعہ کے اندر تھا اور قلعہ تمام و کمال روح پرور کے انتظام اور قبضہ میں تھا مسند عالی خان اپنے بیٹوں اور مددگاروں کو لے کر ملک سیف الدین غوری کے پاس آیا اور اس سے محمد سنجر کی تخت نشینی کی درخواست کی۔ ملک نائب نے جواب دیا کہ محمود شاہ اور محمد سنجر دونوں روح پرور آغا کے قبضہ میں ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اہل قلعہ اور تمام شاہی اراکین و رعایا روح پرور کی صلاح کے خلاف عمل نہ کریں گے مناسب یہی ہے کہ جانشینی کے مسئلہ کو روح پرور کی رائے پر چھوڑ کر فتنہ و فساد کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ مسند عالی خان جانتا تھا کہ ملک کا ہر بشر کیا کافر کیا مسلمان ملک سیف الدین کا اطاعت گزار ہے۔ عالی خان بھی سیف الدین کو مختار بنا کر اُس کے ساتھ قلعۂ شاہی تک آیا۔ سیف الدین اور روح پرور آغا میں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی اور آخر کار اس کینہ ور ملکہ نے محمد سنجر کو اندھا کر کے تمام امیروں اور ارکان دولت کے اتفاق سے محمود شاہ کو مجاہد شاہ کا صحیح جانشین تسلیم کیا۔ فتوح السلاطین کے ناظم نے اس بادشاہ کے نام میں غلطی کی ہے اور اپنے اشعار میں جابجا اُسے محمد شاہ کے نام سے یاد کیا ہے۔ اسی طرح گجرات اور دہلی کے بعض مورخین نے جن میں اسلاف و اخلاف دونوں شامل ہیں حالات دکن کے تحریر کرنے میں بڑی بے پروائی سے کام لیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان مورخین کی تصانیف میں اکثر شاہان بہمنیہ کے ناموں میں غلطی اور اُن کے بعض حالات کے بیان کرنے میں لغزش واقع ہو گئی ہے۔

مختصر یہ کہ محمود شاہ بڑا رحم دل اور کم آزار فرمانروا تھا۔ حسن اخلاق اور عدالت اُس کا شعار تھا۔ معاملات سلطنت کو خوب سمجھتا تھا اور اپنے حتی الامکان ہر معاملہ کی تہ کو پہنچنے اور واقعات کو عدل و انصاف کے ساتھ فیصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ محمود شاہ نے اپنے جلوس کے ابتدائی زمانہ میں مسند عالی خان محمد کو باعث فتنہ و فساد سمجھکر ساغر کے قلعہ میں قید کر دیا۔ مسند عالی خان نے قید کے تھوڑے ہی دنوں بعد اپنی طبعی موت سے وفات پائی۔ محمود شاہ نے مجاہد کے قاتل مسعود خاں ولد مبارک خاں کے ہاتھ پیر کاٹ کر اُسے سولی پر چڑھایا اور ملک سیف الدین غوری کو بڑی منت و سماجت کے ساتھ پھر عہدۂ نیابت اور وکالت پر سرفراز کیا۔ محمود شاہ کوئی کام ملک سیف الدین کے بلا مشورہ نہ کرتا تھا۔ محمود شاہ کا یہ طریقہ خود اُس کے اور ملک کے لئے بیحد مفید اور مبارک ثابت ہوا اور اُس کے تمام عہد سلطنت میں کسی طرح کا فساد و ہنگامہ برپا نہیں ہوا۔ اسی درمیان میں بہادر خاں۔ صفدر خاں سیلستانی اور اعظم ہمایون نے بھی بادشاہ کی اطاعت کا اظہار کیا اور جلد سے جلد دار السلطنت پہنچکر تہنیت و مبارکباد کی رسم بجا لائے۔ راجہ بیجانگر نے بھی محمود شاہ کے آگے سر جھکایا اور قلعۂ رائچور کا محاصرہ ترک کر کے سلطان محمد شاہ کی طرح محمود شاہ کو بھی اپنا خراج ستاں تسلیم کر لیا اور تمام عمر محمود کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا رہا۔ محمود شاہ قرآن کی بہت اچھی طرح تلاوت کرتا تھا۔ یہ بادشاہ خوش خط تھا اور اُس کی طبیعت موزوں تھی اور کبھی کبھی اشعار بھی نظم کیا کرتا تھا چنانچہ مندرجۂ ذیل اشعار اُس کی یادگار ہیں۔

آں جا کہ لطف دست دہد منصب مراد	بخت سیاہ و طالع میموں برابر است
عافیت در سینہ کار خون فاسد می کند	رخصتے اے دل کہ از الماس نشتر می خورم
خضر بہ سودا است دربیع متاع عافیت	می روم ایں جنس را از جائے دیگر می خرم

محمود شاہ کو علوم متداولہ میں بھی اچھی دستگاہ تھی اور فارسی اور عربی بہت اچھی بولتا تھا۔ اس بادشاہ کی طبیعت کے استقلال کا یہ عالم تھا کہ نہ تو مسرت خیز واقعات سے اُسے خوشی ہوتی تھی اور نہ غم انگیز حادثات سے

یہ رنجیدہ ہوتا تھا۔ تمام عمر سوا اپنی نکاحی زوجہ کے کسی دوسری عورت سے کوئی واسطہ نہیں رکھا۔ اور ہمیشہ عالموں اور فاضلوں کے پاس بیٹھتا اور اُن کی تعظیم و توقیر کرتا تھا۔ محمود کے زمانہ میں عرب و عجم کے نامی و گرامی شعرا دکن آتے تھے اور سیر چشم فرمانروا کے انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر خوش و خرم اپنے وطن کی راہ لیتے تھے۔ ایک عجمی شاعر ایک مرتبہ دکن آیا اور میر فضل اللہ شیرازی کے وسیلہ سے جو عہدۂ صدارت پر فائز تھا بادشاہی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ شاعر نے ایک قصیدۂ مدحیہ بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا اور پہلی ہی باریابی میں ایک ہزار تنگہ طلائی جو ایک ہزار تولہ سونے کے برابر ہوا انعام پا کر اپنے وطن واپس گیا۔ محمود شاہ کی قدر شناسی اور سخاوت کا شہرہ عالمگیر ہوا اور حضرت خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی جیسے بزرگ بھی دکن کے سفر پر مائل ہوئے لیکن خواجہ حافظ کو کچھ ایسے موانع پیش آتے تھے کہ روانگی کی نوبت نہیں آتی تھی۔ میر فیض اللہ شیرازی کو خواجہ حافظ کے ارادہ کی اطلاع ملی علامہ شیرازی نے خواجہ صاحب کے لئے زاد راہ روانہ کیا اور اُن کو یہ پیغام دیا کہ اگر خواجہ حافظ دکن تشریف لا کر یہاں کے باشندوں کو اپنے کمال سے فیضیاب فرمائیں تو بادشاہ سے رعایا تک ہر شخص خواجہ صاحب کا ممنون احسان ہوگا اور حضرت حافظ کی خدمت و مدارات اچھی طرح بجا لا کر جناب کو پھر اُن کے وطن روانہ کر دے گا۔ خواجہ حافظ میر فیض اللہ کی عنایت اور توجہ سے اور زیادہ سفر ہندوستان کے شائق ہوئے۔ جو روپیہ کہ میر فیض اللہ نے خواجہ صاحب کے سفر خرچ کے لئے بھیجا تھا اُس میں سے کچھ حصہ تو خواجہ حافظ نے اپنے بھانجوں اور دوسری بیوہ عورتوں کی امداد اور اعانت میں صرف کیا اور کچھ اپنے قرض کی ادائی میں صرف کیا۔ میر فیض اللہ کے فرستادہ روپیہ سے جو کچھ بچ رہا اُس میں سفر کے سامان کی تیاریاں کر کے شیراز سے روانہ ہوئے۔ خواجہ حافظ شیراز سے لاہور پہنچے اور اتفاق سے اُن کے ایک دوست کا سارا مال و اسباب غارت و برباد ہوا خواجہ صاحب کے پاس جو کچھ رقم پسماندہ تھی وہ بھی اس غارت شدہ شناسا کے سپرد کر کے خود بالکل تہیدست رہ گئے خواجہ زین العابدین ہمدانی اور خواجہ محمد کازرونی

جو اپنے وقت کے بہت بڑے تاجر اور خواجہ کے ہم سفر تھے خواجہ حافظ کے تمام اخراجات کے کفیل ہوئے اور شیرازی قافلہ لاہور سے ہرموز پہنچا۔ یہاں پہنچکر خواجہ حافظ ہمدانی اور گازرونی کی بے پروائی سے اُن سے کچھ آزردہ خاطر ہوگئے لیکن اس پر بھی محمد شاہی کشتی پر سوار ہوکر عازم سفر ہوئے۔ کشتی کا لنگر ابھی اٹھا بھی نہ تھا کہ باد مخالف چلنے لگی اور دریا میں تلاطم پیدا ہوا۔ خواجہ صاحب دفعۃً سفر سے بیزار ہوگئے اور ساتھیوں سے یہ بہانہ کرکے کہ ہرموز کے دوستوں سے رخصت ہوکر آتا ہوں کشتی سے اُترے اور ایک غزل لکھ کر اپنے دوست کی معرفت میر فیض اللہ شیرازی کے پاس روانہ کی۔ جب یہ غزل میر فیض اللہ شیرازی کے پاس پہنچی اور انھوں نے کسی تقریب سے محمود شاہ سے خواجہ صاحب کا ہرموز تک آنا اور پھر وہاں سے یہ غزل لکھکر یہاں روانہ کرنا اور خود اپنے وطن کو واپس جانا بیان کیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اگرچہ خواجہ حافظ ہم تک نہیں پہنچے لیکن چونکہ ہماری بارگاہ تک آنے کا ارادہ کرکے اپنے وطن سے چلے تھے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ایسے بزرگ کو اپنے انعام واکرام سے محروم نہ رکھیں۔ بادشاہ نے ملا محمد قاسم مشہدی کو جو خاندان بہمنیہ کا ممنون منت اور فاضل بے بدل تھا ہزار تنگہ طلائی مرحمت کئے اور مشہدی کو حکم دیا کہ اس رقم سے ہندوستان کے نادرالوجود تحفے خرید کر خواجہ حافظ کے لئے شیراز لے جائے۔ محمد شاہ نے حکمرانی کے قبل بہت قیمتی کپڑے بنائے تھے۔ لیکن بادشاہ ہوتے ہی اس نے بالکل سادہ لباس اختیار کرلیا اور ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ بادشاہ خدائی خزانوں کے امانت دار ہیں اس لئے بادشاہوں کو ضروریات زندگی سے زیادہ عیش وعشرت میں امانت کو خرچ کرنا خیانت کا ایک جرم ہے۔ محمود شاہ کے وقت میں ایک مرتبہ دکن میں قحط پڑا۔ بادشاہ نے بڑی دریا دلی سے کام لیا اور خاصہ کے ہزار بیل گجرات اور مالوہ جاتے تھے اور وہاں سے غلہ خرید کر دکن میں آتا تھا اور سستے داموں رعایا کے ہاتھ فروخت کیا جاتا تھا۔ ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں یتیموں کی تعلیم کے لئے مدرسے قائم کئے گئے اور گلبرگہ۔ بیدر۔ قندھار۔ ایلچپور۔ دولت آباد۔ جیتر۔ جھول۔ دائل وغیرہ شہروں اور بڑے بڑے قصبوں میں

معلمین مقرر کیئے گئے اور اُن کی تنخواہیں شاہی خزانہ سے ادا کی گئیں۔ محدثین کے
طبقہ کی بڑی عزت کی گئی اور حاملان کلام رسول صلعم کے اخراجات کے لئے گراں قدر
وظیفے مقرر کئے گئے۔ ملک کے تمام اندھوں کے روزینے معین کئے گئے۔ اندھوں
کی اس امداد نے بہت سے آنکھ والوں کو بھی نور بصارت سے بیزار کر کے خود اپنے
ہاتھوں اپنی آنکھیں پھڑوائیں اور یہ خود آزار، سرکاری ماہوار پر زندگی بسر
کرنے لگے۔ مجاہد شاہ کے خلاف محمود شاہ حضرت قطب دوران شیخ سراج جنیدی
کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا۔ حضرت جنیدی کے مرض الموت میں بادشاہ عیادت
کے لئے گیا اور حضرت کی وفات کے بعد اُن بزرگ کی زیارت میں، شریک ہو کر
فاتحہ میں شریک ہوا اور ان کے نام پر خیرات بھی کی۔ جب محمود شاہ خدا کی عنایت
سے صاحب تخت و تاج ہوا تو اس نے میدان رزم کو بالکل ترک کر کے بزم آرائی کو
اپنا شعار بنایا اور ہمیشہ بلا شمشیر و نیزہ کی دردسری کے اپنے اوقات شاہانہ
عیش و عشرت میں بسر کرتا تھا۔ تقریباً بیس سال محمود شاہ نے فرمانروائی کی
اور اپنی حکومت کے سارے زمانہ میں ایک بار بھی لشکر کشی نہیں کی یہی وجہ
ہے کہ دکن کے ستم ظریف اس بادشاہ کو ارسطو کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔
محمد شاہ کی اس صلح پسندی کے باوجود بھی زمانہ نے چشم زخم دفع کرنے کے لئے
اس کی حکومت کے آخری عہد میں دو جگہ آتش فساد کو روشن کیا اس جنگ کا
تفصیلی بیان یہ ہے کہ بہاء الدین ولد رمضان دولت آبادی بادشاہ کا خاص
مقرب بن کر ساغر کی حکومت اور تھانہ داری کے عہدہ پر فائز ہوا۔ بہاءالدین
کے دونوں بیٹے محمد اور خواجہ نام شاہی حاشیہ نشینوں میں داخل ہو کر امیروں کے
گروہ میں داخل ہوئے۔ ان دونوں بھائیوں کی شوکت و حشمت میں دن دونی
رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ ساتھیوں اور ہم مرتبہ کو ان پر حسد ہوا اور ان کی
بدگوئی کرنے لگے حاسدوں نے دونوں کو خیانت کے جرم کا مرتکب قرار دیا
باوجود اس کے کہ بادشاہ نے ملزموں کو معصوم سمجھکر شکایت کرنے والوں کو
ملزم قرار دیا لیکن پھر بھی محمد اور خواجہ دونوں بدگمان ہو کر باغی ہو گئے اور
ایک ہزار سوار اور پیادوں کی جمعیت سے ساغر پہنچکر باپ سے جا ملے۔ غریب

باپ نے بھی جوان بیٹوں کے طفیل میں بغاوت کا بدنما داغ اپنے بڑھاپے پر
لگایا اور فرزندوں کو ساتھ لے کر مزید سوار اور پیادوں کے جمع کرنے میں مصروف
ہوا۔ محمود شاہ نے ان کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیجا اور دو مرتبہ شاہی فوج نے
باغیوں سے شکست کھائی اور سارا سامان حرب حریف کے سپرد کیا۔ تیسری مرتبہ
محمود شاہ نے یوسف آزور کو جو خاندان بھمنیہ کا ترکی غلام تھا باغیوں کی تنبیہ
کے لئے روانہ کیا۔ یوسف آزور ساغر پہنچا اور دو مہینہ تک اُس نے قلعہ کا محاصرہ
جاری رکھا۔ اس درمیان میں خواجہ قلعہ سے باہر نکل کر مردانہ جنگ آزمائی کرتا
تھا اور کبھی اُس کا بھائی مسمی محمد شاہی فوج سے برسر پیکار ہو کر اپنی مردانگی کی
داد لیتا تھا۔ چونکہ باغیوں کے ساتھ چار سو جوانان شمشیر زن تھے اور یہ لوگ
یک دل اور یک زبان ہو کر قلب لشکر پر حملہ کر دیتے تھے اس لئے اکثر فتح
انھیں باغیوں کو ہوتی تھی۔ یوسف آزور ہر چند کوشش کرتا تھا کہ باغیوں پر
فتحیاب ہو لیکن اُس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی۔ ایک دن سید محمد المشہور کالا پہاڑ
جو جدید منصب داروں میں شامل ہو کر محمود شاہی لشکر کا ایک جری سپاہی تھا
معرکۂ جنگ میں محمد ولد بہاؤالدین سے دوچار ہوا۔ دونوں جوانوں نے ایک دوسرے
پر شمشیر زنی کی چونکہ جنگ مغلوبہ ہو رہی تھی باغیوں کا کوئی سپاہی محمد کی مدد کو
نہ پہنچ سکا اور کالا پہاڑ کی شمشیر آبدار نے اُس کا ایک ہاتھ جوڑ سے جدا کر دیا۔
باوجود اس شدید ضرب کے بھی فتح محمد ہی کو ہوی۔ محمد اُسی طرح زخمی گھوڑے سے
اترا اور خواجہ نے بھائی کا حال سن کر میدان جنگ کی راہ لی اور قریب شام
ایک مرتبہ پھر لڑائی کی آگ روشن ہوی۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں فریق
ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور اپنی عادت کے خلاف دونوں بھائی قلعہ
کے اندر نہ گئے بلکہ خندق کے کنارے ہی مقیم ہوے۔ دونوں باغی گردش روزگار
سے بے خبر قلعہ کے باہر کلمہ و کلام کر رہے تھے اور حصار کے اندر محمود شاہ کا اقبال
اپنا کام کر رہا تھا۔ حصار کے باشندوں نے ایک قاصد یوسف آزور کے پاس
بھیجا اور اسے پیغام دیا کہ ہم لوگ شاہی نمکخوار ہیں لیکن ضرورت کے ہاتھوں
مجبور ہو کر باغیوں کے حلقہ بگوش بن گئے ہیں آج کی رات محمد اور خواجہ دونوں قلعہ کے

باہر مقیم ہیں ہم فلاں وقت بہاؤالدین کا سر قلم کرکے فلاں دروازہ کو کھول دینگے۔
شاہی لشکر تیار رہے اور دروازہ کھلتے ہی قلعہ میں داخل ہو کر حصار پر اپنا قبضہ
کرلے۔ یوسف آزور نے دوسو چیدہ سواروں کا ایک گروہ منتخب کیا اور
اُن لوگوں سے کہا کہ اگر قلعہ کے باشندے سچے ہیں اور بہاؤالدین کا سر قلم
کرکے تمھارے پاس بھیجدیں تو تم لوگ اندر داخل ہو کر حصار پر قبضہ کرلینا ورنہ
بغیر قلعہ میں داخل ہوئے اپنی فرودگاہ کو واپس چلے آنا۔ شاہی پیادے قلعہ کے
نیچے پہنچے اور حصار کے باشندوں نے بہاؤالدین کا سر قلم کرکے قلعہ کے اوپر سے
نیچے پھینکدیا۔ شاہی لشکر اطمینان کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوا اور محمد اور خواجہ کے
ساتھی ادھر ادھر منتشر ہونے لگے۔ غرضکہ صبح ہوتے ہوتے باغیوں کی تمام فوج
بھاگ گئی اور صرف چند وفادار دوست ان کے ساتھ رہ گئے۔ فوج کی اس کمی پر بھی
محمد اور خواجہ دونوں شاہی لشکر کے قلب پر حملہ آور ہوئے اور اسقدر لڑے کہ میدان جنگ
میں خاک و خون کا ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ یہی پہلی اور پچھلی تلوار تھی جو محمود شاہ کے
وقت میں نیام سے نکل کر میدان کارزار میں سرخرو ہوئی۔ اس فتح کے تھوڑے ہی دنوں بعد
محمود شاہ مرض الموت میں مبتلا ہوا اور پہلی تاریخ رجب سنہ ۷۹۹ھ کو تپ محرقہ کے
عارضہ میں دنیا سے کوچ کر گیا۔ بادشاہ کی وفات کے دوسرے ہی دن خانوادہ بہمنیہ
کا رکن اعظم ملک سیف الدین غوری بھی ایک سو سات برس کے سن میں دنیا سے
رخصت ہوا۔ لوگوں نے اُس کی وصیت کے مطابق غوری کو بھی سلطان علاؤالدین حسن
کے مقبرہ میں دفن کیا اور تربت پر ایک چبوترہ گچ اور پتھر کا تعمیر کرادیا۔ مورخین لکھتے
ہیں کہ محمود شاہ اس قدر پابند شریعت تھا کہ کسی شخص کو بھی اُس کے عہد میں احکام شرعی
کی مخالفت کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی اور ہر شخص ہر معاملہ میں خدا و رسولؐ کے ارشاد
کے موافق عمل کرتا تھا۔ محمود شاہ کے زمانہ میں ایک عورت زنا کے جرم میں گرفتار
ہوکر دارالقضا میں پیش کی گئی قاضی نے اُس سے پوچھا کہ تجکو اس فعل حرام کی
جرأت کیونکر ہوئی عورت نے جواب دیا کہ میں نے سنا تھا کہ ایک مرد چار عورتوں
سے ایک ہی وقت میں تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ اس پر میں نے قیاس کیا کہ ایک
عورت کو بھی چار مردوں سے واسطہ رکھنے کی اجازت ہوگی۔ اب معلوم ہوا کہ میرا

خیال صحیح نہیں ہے اور میں اقرار کرتی ہوں کہ آیندہ سے اس فعل حرام سے پرہیز کروں گی اور اس کے گرد نہ پھٹکونگی۔ غرضکہ اس مکار عورت نے اس حیلہ سے شرعی حد سے نجات پائی اور خدا کے اس کلام کی کہ عورتوں کا مکر بہت بڑا ہے پوری تصدیق ہوگئی۔ محمود شاہ نے انیس سال نو مہینے بیس روز حکمرانی کی۔

غیاث الدین بہمنی بن سلطان محمود شاہ بہمنی

محمود شاہ بہمنی کے مرنے کے بعد اُس کا بڑا بیٹا غیاث الدین شاہ اُس کا جانشین ہوا۔ غیاث الدین نے سترہ سال کے سن میں تخت حکومت پر قدم رکھا اور ہر بات میں باپ کی پیروی کی محمود شاہ کے مقرر کردہ ضابطے اور قواعد غیاث الدین کے عہد میں بھی برقرار رہے۔ اس بادشاہ نے رعیت کے ہر طبقہ کے ساتھ عمدہ سلوک کیا۔ قدیم ملازموں اور بہی خواہوں پر لطف و مہربانی کی اور ان میں سے ہر ایک کو شاہی انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ غیاث الدین کے تخت پر بیٹھتے ہی صفدر خاں سیستانی نے وفات پائی بادشاہ نے اُس کے فرزند صلابت خاں کو جو غیاث الدین کا ہم مکتب بھی رہ چکا تھا مجلس عالی کا خطاب دیکر صفدر خاں کا جانشین مقرر کیا۔ صلابت خاں بڑے جاہ و جلال کے ساتھ صوبۂ برار کی طرف روانہ ہوا۔ غیاث الدین شاہ نے احمد بیگ تبریزی کو عہدۂ پیشوائی اور محمد خاں ولد اعظم ہمایوں کو خدمت سرنوبتی پر فائز کر کے ان دونوں کی بیحد عزت و توقیر کی۔ بادشاہ کا یہ فعل محمود شاہ کے معتبر ترکی غلام مسمی تغلچین کو ناگوار معلوم ہوا اور اُس نے بادشاہ کی بیخکنی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ تغلچین یہ چاہتا تھا کہ خود منصب وکالت پر فائز ہو اور اُس کے بیٹے حسین خاں کو سرنوبتی کی خدمت دی جائے۔ چونکہ اس غلام کی دلی تمنا بر نہ آئی اس لئے یہ دل میں رنجیدہ ہو کر بادشاہ کا مخالف ہوگیا۔ غیاث الدین شاہ تغلچین کی موجودگی اور عدم موجودگی میں بارہا یہ کہا کرتا تھا کہ میرے نزدیک اس بات سے بڑھ کر کوئی دوسرا کام نازیبا نہیں ہے کہ غلاموں کو شریفوں اور سادات پر حاکم بناؤں اور اپنے آبا و اجداد کے طریقہ کے خلاف عمل کروں۔ تغلچین چونکہ بہت بڑا امیر تھا اور اس کے بہی خواہوں کی بھی ایک بہت بڑی جماعت دربار میں موجود تھی اس نے غیاث الدین کے معزول کرنے کی سازشیں

شروع کیں۔ تغلچین کے علاوہ اولاد نرینہ کے ایک لڑکی بھی تھی جو حسن و جمال میں عدیم المثال اور علم موسیقی کی پوری ماہر تھی۔ سلطان غیاث الدین اس لڑکی سے اظہار محبت کرتا تھا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں تغلچین نے بادشاہ کی دعوت کی اور غیاث الدین کو اپنے گھر بلایا۔ بادشاہ اس امید پر کہ شاید تغلچین اپنی عدیم النظیر بیٹی کو خدمت میں پیش کرے گا بیحد شوق و ذوق کے ساتھ تغلچین کے مکان پر گیا۔ اس مکار ترکی امیر نے بادشاہ کی خوب خاطر و مدارات کی۔ تھوڑی دیر کے بعد بزم نشاط آراستہ ہوئی اور جام شراب گردش کرنے لگا۔ غیاث الدین کا دماغ بادۂ ناب سے سرشار ہوا اور تغلچین نے کچھ ایسی باتیں کہیں کہ بادشاہ یہ سمجھا کہ ترکی امیر مجلس کو اغیار سے خالی پانا چاہتا ہے۔ غیاث الدین کے دل کو اس نازنین کی لو لگی ہوئی تھی اور دماغ مے دو آتشہ سے گرم ہو رہا تھا بقول شاعر

حلق سے اتری تو حوروں کی یاد آنے لگی　　شراب ناب بڑی دور کی سمجھانے لگی

غیاث الدین نے اپنے تمام نوکروں کو حکم دیا کہ فوراً مجلس سے باہر چلے جائیں تغلچین بے وفا نے اپنے قدیم غلام طرب کو بادشاہ کا ساقی بنایا اور اسے اشارہ کیا کہ چند ساغر ہوش ربا پلا کر غیاث الدین کو دنیا و مافیہا سے بالکل غافل کر دے۔ طرب نے اچھی طرح عیش و طرب کی داد دی اور تغلچین بیٹی کو مجلس میں لانے کا بہانہ کر کے تھوڑی دیر کے لئے گھر کے اندر گیا۔ ایک لمحہ کے بعد تغلچین خنجر ہاتھ میں لئے مجلس میں داخل ہوا۔ سلطان غیاث الدین نے اس حالت کو دیکھتے ہی تغلچین کے حربہ روکنے کی کوشش کی اور باوجود اس کے کہ بادشاہ کے ہوش و حواس جا چکے تھے اپنی جگہ سے اٹھکر کھڑا ہو گیا لیکن شراب نے دماغ کو معطل کر دیا تھا بادشاہ کھڑے ہوتے ہی پھر فرش پر گر پڑا۔ جب تک کہ تغلچین بادشاہ تک پہنچے غیاث الدین نے کسی نہ کسی طرح اپنے کو سنبھالا اور گرتا پڑتا زینہ کی طرف دوڑا کہ اپنے کو نیچے زمین پر گرا دے۔ تغلچین نے غیاث کا پیچھا کیا اور آخری سیڑھی پر بادشاہ کو جا پکڑا۔ تغلچین بے ایمان نے غیاث الدین کے سر کے بال پکڑ کر اس کو نیچے گرایا اور خواجہ سرا کی مدد سے پہلے بادشاہ کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر مضبوط باندھے اور اس کے بعد خنجر کی نوک سے غیاث الدین کی

دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔ تغلچین نے بادشاہ کو اندھا کر کے اپنے دو تین مسلح نوکروں کو اندر بلایا اور ان کے ذریعہ بادشاہ کی طلبی کا بہانہ کر کے غیاث الدین کے ملازموں کو ایک ایک دو دو کر کے مجلس میں بلوایا اور اسی طرح سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ اس طریقہ پر جب بیس ملازم شاہی تہ تیغ ہوئے اور اب کوئی بڑا نوکر بادشاہ کا وہاں باقی نہ رہا۔ ملازمین کا کام تمام کر کے تغلچین نے اس نابینا بادشاہ کے بہانے سے سلطان شمس الدین کو بلایا۔ شمس الدین جلد سے جلد پہنچ گیا اور تغلچین نے گھر سے باہر نکل کر اپنے بہی خواہوں کے ساتھ شمس الدین کا استقبال اور اسے تخت حکومت پر بیٹھنے کی مبارکباد دی تغلچین شمس الدین کو قلعہ کے اندر لے گیا اور تمام ارکان سلطنت کو حاضر کر کے اس نے شمس الدین کو تخت فیروزہ پر بٹھایا اور اپنے ہر ساتھی اور مددگار کو منصب اور جاگیر سے سربلند و سرفراز کیا۔ اس واقعہ کی تاریخ ۱۷ رمضان ۷۹۹ھ بتائی جاتی ہے۔ سلطان غیاث الدین دو مہینے قلعۂ ساغر میں قید رہا اس بادشاہ نے ایک مہینہ بیس روز حکمرانی کی۔

سلطان شمس الدین بہمنی بن سلطان محمود شاہ بہمنی

سلطان شمس الدین نے پندرہ برس کے سن میں تخت حکومت پر جلوس کیا۔ شمس الدین اپنے بھائی کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اس خرد سال فرمانروا نے مہمات سلطنت سے کنارہ کر کے صرف شاہی نام و القاب پر قناعت کی۔

شمس الدین نے تغلچین کو ملک نائب کا خطاب دے کر اسے امیر جملگی کے بلند مرتبہ پر سرفراز کیا۔ بقیہ امیروں اور ارکان دولت نے تغلچین کی اطاعت ہی میں اپنی خیر دیکھی اور سبھوں نے اس کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ سلطان شمس الدین کی ماں کو جو غیاث الدین کی والدہ کی لونڈی تھی مخدومہ جہاں کا خطاب دیا گیا۔ یہ بیگم ہر معاملہ میں تغلچین کی خاطر داری کا لحاظ کرتی اور ہر طرح پر اس کی مدد میں کوشش کیا کرتی تھی۔ مخدومہ جہاں خود بھی تغلچین کا بیحد خیال رکھتی اور بیٹے سے بھی کہا کرتی تھی کہ شمس الدین کو تغلچین ہی کی بدولت تخت شاہی نصیب ہوا ہے اور اس ترکی غلام سے بڑھکر بادشاہ کا اور دوسرا دوست و خیر خواہ نہیں ہے

بادشاہ کو چاہیئے کہ ہر معاملہ میں تغلچین کی رائے پر کار بند ہوا اور اہل غرض سخن چینوں کی بات کا کچھ لحاظ نہ کرے۔ تغلچین بھی ہر روز ہر ساعت نیئے نیئے تحفے اور ہدیئے مخدومہ جہاں کی خدمت میں پیش کرتا اور اسطرح اپنے رسوخ اور وفاداری کے نقش کو ملکہ کے دل پر اور مستحکم کیا کرتا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ داؤد شاہ بہمنی کے تین بیٹے تھے ایک محمد سنجر جسے رکوح پرور آغا نے اندھا کیا تھا دوسرے فیروز خاں اور تیسرے احمد خاں۔ فیروز خاں اور احمد خاں ایک ہی ماں کے بطن سے تھے اور باپ کے قتل کے وقت چھ چھ سات سات برس کے بچے تھے۔ ان شہزادوں کے چچا محمود شاہ نے اپنے بھتیجوں کی پرورش و پرداخت کی اور دونوں کو بیٹوں کی طرح پالا۔ بادشاہ نے ان شاہزادوں کو تیر اندازی چوگان بازی سواری پڑھنا لکھنا غرضکہ ہر شاہی فن و علم کی اچھی تعلیم دی۔ محمد شاہ نے شیراز کے ٹکسالی سید اور متبحر عالم میر فضل اللہ کو جو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد رشید تھے ان شاہزادوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مقرر کیا اور علامہ شیرازی نے بڑی محنت اور محبت سے ان دونوں بھائیوں کو ہر علم و فن سے ماہر اور آگاہ کیا۔ ایک عرصہ تک محمود شاہ کے گھر میں اولاد نرینہ پیدا نہیں ہوی بادشاہ نے دونوں بھتیجوں کو دامادی میں قبول کیا اور کبھی کبھی کہا کرتا تھا کہ فیروز خاں میرا ولی عہد ہے۔ محمود شاہ بعض اوقات فیروز کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھا کر کہتا تھا کہ میرے خاندان میں فیروز سا رشید اور سعید بیٹا نہ پیدا ہوا ہے اور نہ پیدا ہوگا۔ تھوڑے دنوں بعد بادشاہ کے محل میں پیہے در پیے دو بیٹے پیدا ہوے اور محمود شاہ نے اپنے بڑے لڑکے غیاث الدین کو اپنا ولی عہد مقرر کرکے مرتے وقت فیروز و احمد دونوں بھائیوں کو غیاث الدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی وصیت کی۔ فیروز اور احمد دونوں نے چچا کی وصیت پر عمل کیا اور غیاث الدین کے ساتھ ہمیشہ خلوص اور راستی سے ملتے رہے۔ تغلچین نے غیاث الدین کو اندھا کرکے شمس الدین کو اُس کا جانشین بنایا اور غیاث الدین کی حقیقی بہنوں نے جو فیروز اور احمد کی بیبیاں تھیں اپنے بھائی کے انتقام پر شوہروں کو اُبھارا۔ فیروز اور احمد نے اپنی اپنی زوجہ کی ترغیب کے موافق کمر ہمت باندھی

اور تغلچیں کی تباہی کے درپے ہوئے۔ تغلچیں مکار معاملہ کی تہ کو پہنچ گیا اور
اس نے وحشت انگیز باتوں سے شمس الدین شاہ کے کان بھرنے شروع کئے۔ غرضکہ
فیروز و احمد کی بدگوئی تغلچیں کا وظیفہ بن گئی اور خیانت و بغاوت ہر قسم کے
الزام سے دونوں کو بادشاہ کی نظروں میں خوار ثابت کرنے کی کوشش میں سرگرم
ہوا۔ تغلچیں کا مقصود یہ تھا کہ شمس الدین کو اپنے چچیرے بھائیوں سے بالکل برگشتہ
کرکے ان کے قتل و قید کا بادشاہ سے حکم حاصل کرے لیکن سلطان شمس الدین باوجود
خردسالی کے تغلچیں کے ہتھکنڈوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا اور اس کی رائے پر عمل
نہ کرتا تھا۔ تغلچیں شمس الدین شاہ سے مایوس ہوا اور اس مکار نے اب مخدومۂ جہاں کو
اپنے جال میں پھانسنا شروع کیا اور تنہائی میں ملکہ کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ
اگر دو تین ہی روز میں فیروز و احمد کا کافی تدارک نہ کر دیا گیا تو یہ دونوں بھائی
شمس الدین کا قدم درمیان سے اٹھا کر خود تاج و تخت کے مالک بن جائیں گے
اور خود ملکہ کو بھی جو تغلچیں کی اعانت کی ہر وقت خواہاں رہتی ہے اذیت
پہنچا کر طرح طرح کے فساد برپا کریں گے۔ مخدومہ جہاں اس مکار کے فریب میں
آ گئی اور جس طرح ممکن ہوا اس نے اپنے بیٹے سلطان شمس الدین کو فیروز و احمد
دونوں کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ دونوں شاہزادے اس سازش سے واقف
ہو گئے اور انھوں نے ساغر میں جا کر پناہ لی۔ سدھو نام حاکم ساغر نے جو
خاندان بہمنیہ کا وفادار غلام اور صاحب شوکت و حشمت امیر تھا جاں نثاری اور
اطاعت گزاری پر کمر باندھی۔ حاکم ساغر نے فیروز و احمد دونوں کو قلعہ میں ٹھیرایا
اور جو کچھ اسباب سلطنت اس سے ممکن ہو سکے ان دونوں بھائیوں کے
لئے مہیا کئے۔ اپنی جانوں کو محفوظ کرکے فیروز اور احمد نے سلطان شمس الدین کو
لکھا کہ ہماری غرض صرف تغلچیں بے وفا کی ذات سے وابستہ ہے۔ جس مکار نے
غیاث الدین شاہ کو اندھا کیا ہو اور خاندان شاہی کی عزت ریزی کرکے
خود سیاہ و سفید کا مالک بن گیا ہو ہم صرف اسی نمک حرام کے خون سے اپنی تلوار کو
سرخ کرنا چاہتے ہیں۔ تغلچیں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد ہم سلطان شمس الدین کو
اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر ہماری آرزو پوری ہونے میں بادشاہ

کی طرف سے کوئی رکاوٹ ہوی تو جو کچھ ہم سے بن پڑے گا ہم اُس سے دریغ
نہ کریں گے۔ سلطان نے تغلچین اور مخدومۂ جہاں کے مشورہ سے اس خط کا
جواب دیا کہ فیروز اور احمد دونوں کی تلواریں نیام سے نکل پڑیں۔ دونوں بھائیوں
نے تغلچین کے ساتھ شمس الدین کو بھی اپنے انتقام کا شکار سمجھ کر حاکم ساغر کی
مدد سے تین ہزار سواروں اور پیادوں کی ایک جمعیت بہم پہنچائی۔ ان شاہزادوں
کا خیال تھا کہ دارالسلطنت کے باشندے جب ان کی شمشیر انتقام کی چمک
دیکھیں گے تو شہر کا اکثر حصہ شمس الدین سے منحرف ہو کر ان سے آملیگا۔ فیروز و احمد
گلبرگہ روانہ ہوے لیکن جب دونوں بھائی دریائے بھیٹھورہ کو عبور کر کے آگے
بڑھے تو ان کو اپنی غلطی کا یقین ہو گیا اور پائے تخت کا کوئی باشندہ ان کا
معین و مددگار نہ ہوا۔ فیروز و احمد نے بھیٹھورہ کے اس پار قیام کیا اور دونوں نے
یہ طے کر لیا کہ پہلے اصل بات کی کوشش کرنی چاہئے۔ فیروز خاں نے تاج شاہی
سر پر رکھا اور احمد خاں بھائی کا امیر الامرا بنا۔ سدھو کو منصب سر نوبتی ملا اور
فضل اللہ شیرازی عہدۂ وکالت پر سرفراز کئے گئے اسی طرح اور دوسرے ہمراہی
بھی آئندہ منصب و جاگیر کے وعدہ سے راضی اور خوش کئے گئے فیروز کا لشکر
بھیٹھورہ کے ساحل سے آگے بڑھا اور بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ گلبرگہ سے
صرف چار کوس کا فاصلہ رہگیا۔ جب غنیم بالکل سر پر آگیا تو تغلچین نے خزانہ کا
دروازہ کھولا اور امیروں اور سپاہیوں کو روپیہ تقسیم کر کے اُس نے شمس الدین کو
اپنے ساتھ لیا اور آگے بڑھا قصبۂ مرتول کے نواح میں دونوں لشکروں کا مقابلہ
ہوا۔ فریقین میں بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ فیروز اور احمد کو شکست ہوی اور دونوں
بھائی اپنے ساتھیوں اور مددگاروں کے ساتھ ساغر کی طرف بھاگے۔ اس
فتح سے تغلچین اور مخدومہ جہاں کا رسوخ اور اقتدار اور بڑھا اور لوگوں کے
دل ان دونوں سے اور زیادہ نفرت کرنے لگے۔ مختصر یہ کہ اکثر شاہی امیر
فیروز کی طرف مائل ہوے اور انھوں نے خفیہ فیروز شاہ کو پیغام بھیجا کہ مناسب وقت
یہ ہے کہ فیروز سلطان شمس الدین سے اماں نامہ حاصل کر کے گلبرگہ آئے اور موقع مناسب
دیکھ کر اپنا ارادہ پورا کرے۔ فیروز خاں نے تخت گاہ کے باشندوں اور امیروں کو

اپنا ہی خواہ اور ہمدرد سمجھکر میر فضل اللہ شیرازی ۔ سید کمال الدین طویل قد اور دوسرے سادات اور علماء کو مخدومہ جہاں اور تغلچیں کے پاس روانہ کیا اور یہ پیغام دیا کہ بعض لوگوں کے اغوا سے ہم اس معرکہ آرائی کے جرم میں گرفتار ہوگئے ہیں اب ہم اپنے کئے پر بیحد شرمندہ اور پشیمان ہیں اگر بادشاہ سے امان نامہ حاصل ہوجائے تو ہم دونوں بھائی پائے تخت میں حاضر ہوکر تمام عمر بادشاہ کے زیر سایہ بسر کریں اگر ہماری آرزو پوری ہوجائے تو ہم آپ صاحبوں کے بھی تمام عمر ممنون احسان رہیں گے ۔ مخدومہ جہاں اور تغلچیں اس درخواست سے بیحد خوش ہوے اور اس خط کے جواب میں ایک معافی نامہ تسلی آمیز عبارت میں لکھکر انھوں نے فیروز اور احمد کے پاس روانہ کیا دارالخلافت سے حسب مراد جواب آنے پر بھی دونوں بھائی گلبرگہ جانے میں پس و پیش کررہے تھے اور فکرمند ایک کوٹھے پر بیٹھے ہوئے اپنے مستقبل کا اندازہ لگارہے تھے کہ ایک کشمیری دیوانہ کا اُدھر سے گزر ہوا یہ دیوانہ گلبرگہ سے آرہا تھا فیروز اور احمد کو دیکھتے ہی دیوانہ نے بلند آواز سے کہا کہ اے فیروز خاں روزافزوں میں یہاں اسی لئے آیا ہوں کہ تجھے حسن آباد گلبرگہ لے جاکر تجھکو بادشاہ بناؤں ۔ احمد اور فیروز دیوانہ کی بڑ کو فال نیک سمجھکر اُسی وقت گلبرگہ روانہ ہوے اور شاہی خلعت سے سرفراز کئے گئے ۔ تغلچیں اور مخدومہ جہاں ہر وقت اُن سے خائف اور ہوشیار رہتے تھے یہاں تک کہ دو ہفتہ کے بعد بیسویں ماہ صفر سنہ ۸۰۰ھ میں پنجشنبہ کے دن فیروز خاں بارہ سلاحداروں کے ساتھ دربار میں آیا اور دربار سے سراپردۂ شاہی کے اندر داخل ہوا ۔ فیروز کے پیچھے تین سو بہادر سپاہی جو اُس کے ہمراز اور ہوا خواہ تھے ایک ایک کرکے قلعہ کے اندر جمع ہوگئے فیروز شاہ نے اپنے بھائی احمد کو بھی بلایا ۔ احمد بھی بجلی کی طرح دربار میں آپہنچا ۔ فیروز نے تغلچیں سے کہا کہ میرے دو یا تین عزیز میری جاگیر سے یہاں آئے ہیں اور بادشاہ کی قدم بوسی کے مشتاق ہیں اگر حکم سلطانی ہو تو حاضر ہوکر شرف پابوسی حاصل کریں ۔ تغلچیں نے فیروز کی درخواست کو صحیح مان کر بادشاہ سے اجازت طلب کی ۔ شمس الدین شاہ نے حکم دیا کہ جس شخص کو فیروز شاہ اندر بلانا چاہے اس کی مزاحمت نہ کی جائے ۔ فیروز خاں نے تغلچیں کو ادھر اُدھر کی باتوں میں

لگایا اور احمد خاں کو باہر بھیجا تاکہ دو تین آدمیوں کو اندر لے آئے۔ احمد خاں اپنے بارہ سلاح داروں کو دروازہ کے قریب لے آیا اور چاہتا تھا کہ سلاحداروں کو ساتھ لے کر اندر داخل ہو کہ پردہ داروں نے ان رازداروں کو مسلح دیکھکر مزاحمت کی احمد خاں نے جب دیکھا کہ اب سکوت کا وقت نہیں رہا اور راز فاش ہو گیا تو وہ سلاحداروں کو ساتھ لے کر پردہ داروں پر حملہ آور ہوا اور چند لوگوں کو قتل کر کے فوراً سراپردہ کے اندر داخل ہوا اور اُس نے تغلچین کے بیٹوں کو بھی تہ تیغ کر ڈالا۔ بادشاہ کے وہ تمام مصاحب جو فیروز خاں سے وعدہ کر چکے تھے پریشانی اور اضطراب کا بہانہ کر کے کونے اور کوٹھڑیوں میں چھپ رہے۔ سلطان شمس الدین یہ حال دیکھکر بھاگا اور قریب کے ایک تہ خانہ میں جا کر چھپ رہا۔ فیروز خاں کے تین سو سپاہی بھی قرارداد کے موافق تغلچین کے بہی خواہوں سے دیوان خانہ ہی میں گتھ گئے اور حریفوں کو موت کے گھاٹ اتارنے لگے۔ فیروز خاں نے تغلچین اور شمس الدین کو پابہ زنجیر کر کے اُسی تہ خانہ میں قید کیا اور خود دیوان خانۂ شاہی میں داخل ہوا۔ فیروز نے اُسی وقت ایک مجلس ترتیب دی اور تخت فیروزہ پر جلوس کیا اور دیوانہ کشمیری کے عطا کردہ لقب کو مبارک اور متبرک سمجھکر روز افزوں شاہ کے خطاب سے مشہور کیا۔ فیروز شاہ نے سلطان علاؤ الدین حسن کی تلوار کمر سے باندھی اور مہمات سلطنت پر تھوڑے ہی دنوں میں قبضہ کر کے شمس الدین شاہ کو نابینا کیا اور بیدر کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ فیروز شاہ نے سلطان غیاث الدین کو ساغر سے بلا کر تغلچین کو اُس کے حوالہ کیا۔ غیاث الدین نے باوجود نابینائی کے تغلچین کو اپنے سامنے بٹھا کر ایک ہی ضرب شمشیر میں اس کا کام تمام کر دیا۔ مخدومہ جہاں اور سلطان شمس الدین نے بڑی منت سماجت کے ساتھ مکۂ معظمہ جانیکی اجازت حاصل کی اور دونوں ماں بیٹے بندر چیسول سے سوار ہو کر بیت اللہ شریف پہنچے اور اپنی تمام عمر دونوں نے وہیں بسر کی۔ فیروز شاہ ہر سال پانچہزار فیروز شاہی اشرفیاں اور دوسرے بیش قیمت ہندوستانی تحفے ان دونوں کے لئے بھیجا کرتا تھا یہاں تک کہ شمس الدین کی عاقبت بخیر ہوی اور اُس نے ۸۱۰ھ میں مدینۂ منورہ میں وفات پائی اور اُسی زمین بہشت آئین میں دفن کیا گیا۔ سلطان شمس الدین شاہ نے

ایک مہینہ ستائیس روز حکمرانی کی۔

فیروز شاہ بہمنی الملقب بہ روز افزوں شاہ بن سلطان داؤد شاہ بہمنی

بہمن نامہ دکنی اور فتوح السلاطین میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ اپنے اسلاف سے کہیں زیادہ صاحب شوکت و حشمت تھا اور اس کے بعد بھی کوئی فرمانروا اس کے جاہ و جلال تک نہیں پہنچا فیروز شاہ خاندان بہمنیہ کا سرمایۂ فخر اور اپنے گھرانے کا گل سر سبد تھا۔ اس کی عظمت کا یہیں سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ فیروز شاہ بیجانگر کے راجہ سے جو غیر قوم کو بیٹی دینا باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں دامادی کا رشتہ قائم کیا۔ فیروز نے غیر مسلموں سے معرکہ آرائی کرنے اور سلطنت کی وسعت بڑھانے میں کبھی کمی نہیں کی اور چوبیس لڑائیاں حریفوں سے لڑیں۔ فیروز شاہ کے عہد میں سلطنت بہمنہ کا آفتاب نصف النہار پر پہنچا اور بنکاپور کا قلعہ اور تلنگانہ کا بہترین حصہ سلطنت گلبرگہ کے زیر نگیں آ گیا۔ فیروز شاہ پہلا فرمانروا ہے جس نے تاج شاہی دستار کی صورت میں تیار کرایا۔ سخاوت جو فرمانرواؤں کا بہترین شعار ہے فیروز کی فطرت میں تھی اور اس فرمانروا نے داد و دہش سے اپنا نام نیک دنیا میں یادگار چھوڑا۔ فیروز شاہ سوا نغمہ سننے اور لوگوں سے چھپا کر خلوت میں شراب پینے کے اور کسی حرام چیز کے گرد نہیں پھٹکتا تھا۔ متبرک ایام میں تمام دن کا اکثر حصہ صوم و صلوٰۃ میں بسر کرتا تھا۔ فرائض کا بڑا پابند اور ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ مجھ سے دو گناہ ایسے صادر ہوئے ہیں کہ جن کی وجہ ہمیشہ نادم اور شرمندہ رہتا ہوں لیکن مجبور ہوں کہ نغمہ سے یاد حق دل میں تازہ ہوتی ہے اور شراب میرے نفس میں فتنہ انگیزی نہیں پیدا ہونے دیتی اسی لئے میں ان دونوں چیزوں کا مرتکب ہوتا ہوں۔ لیکن چونکہ میری نیت بخیر ہے اس لئے خدا کی رحمت سے امیدوار ہوں کہ وہ مجھ سے باز پرس نہ کرے گا۔ حاجی محمدؒ قندھاری لکھتا ہے کہ فیروز شاہ روزانہ ایک چوتھائی کلام اللہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا اور اپنی زندگی کا بیشتر حصہ خدا کی عبادت کے بعد مخلوق کی پرسش احوال میں صرف کرتا تھا ہر رات دو دو پہر علماء۔ مشائخ۔ شعرا۔ قصہ خواں۔ افسانہ گو۔ ندیموں اور خوش طبع لوگوں کی صحبت رہتی تھی اور اس مجلس میں

شاہی آداب کی رعایت نہ کی جاتی تھی بلکہ بادشاہ ہر شخص سے دوستانہ اور برادرانہ سلوک کرتا تھا اور اپنے مصاحبوں سے کہا کرتا تھا کہ جب میں دیوان خانہ میں تخت فیروزہ پر جلوس کرتا ہوں اُس وقت مجھے ناچار شاہی عظمت وجلال برقرار رکھنے کے لئے حاکمانہ روش اختیار کرنی پڑتی ہے تاکہ مہمات سلطنت میں ابتری نہ واقع ہو اور دوسرے وقت جب میں تم لوگوں سے گرم صحبت ہوتا ہوں تو اپنے کو سلطنت بہمنیہ کا فرمانروا نہیں سمجھتا بلکہ تمہارا ایک دوست بنکر تمہاری مصاحبت سے اپنا دل خوش کرتا ہوں تم لوگ آپس میں جس طرح بے تکلفانہ برتاؤ کرتے ہو اُسی طرح مجھ سے بھی ملو تاکہ مجھے شاہی اور خاک نشینی دونوں کا لطف پورا حاصل ہو۔ بادشاہ نے عام حکم دے رکھا تھا کہ رات کی اس بے تکلف صحبت میں ہر شخص جو چاہے طلب کرے اور جب اُس کا جی چاہے اپنے گھر چلا جائے جس کسی کو کھانے اور پینے کی جس چیز کی ضرورت ہو شاہی ملازمین فوراً وہ چیز حاضر کریں۔ ہر شخص کو ہر قسم کی گفتگو کرنے کا اختیار تھا صرف دربانوں کو سخت ممانعت تھی ایک یہ کہ کاروبار سلطنت کی گفتگو اس بے تکلف صحبت میں نہ آنے پائے دوسرے کوئی شخص کسی کی غیبت نہ کرے۔ ایک دن ملا اسحاق سرہندی نے جو ایک دانشمند اور خوش طبع امیر تھے بادشاہ سے عرض کیا کہ فیروز شاہ اہل مجلس کو تاکید کرتا ہے کہ اُس سے بے تکلفانہ بات چیت کریں حالانکہ سلطان محمود غزنوی اور حکیم ابوریحان منجم کی داستان اس بات کی شاہد ہے کہ یہ شیوہ فرمانرواؤں کو پسندیدہ نہیں ہے۔ فیروز شاہ نے اس داستان کی تفصیل پوچھی اور ملا اسحاق نے سارا قصہ بیان کیا فیروز شاہ نے سنا اور کہا کہ جو فرمانروا صاحب علم وفضل ہوتے ہیں اور جن کو خدا انصاف پسند طبیعت عنایت کرتا ہے وہ ان باتوں کو پسند نہیں کرتے خدا نہ کرے کہ میرے مزاج کا بھی یہی حال ہو اور اس صفت کی وجہ سے میں بھی کسی دوسرے بادشاہ کی مجلس میں طعن وملامت کا نشانہ بنوں۔ شاہی مزاج شناس اور نازک طبع فرمانرواؤں کے جلیس وہمدم جانتے اور پہچانتے ہیں کہ فیروز شاہ بہمنی اس صفت میں اگر اعجاز وکرامت کا دعویٰ کرے تو اس کے لئے زیبا ہے اور اگر ان خوبیوں کی وجہ سے اپنے کو گروہ سلاطین کا

سرمایۂ افتخار سمجھے تو بالکل صحیح اور درست ہے۔ ملا داؤد بیدری نے فیروز شاہ کے
حالات میں اس قسم کی بہت سی روایتیں لکھی ہیں طوالت اور مبالغہ آمیزی کے
خیال سے ہم اُن کو قلم انداز کرتے ہیں۔ چونکہ اثنائے بیان میں سلطان محمود اور
ابوریحان منجم کا قصہ بھی جملۂ معترضہ کے طور پر آ گیا ہے اس لئے مناسب ہے کہ
اس داستان کو بھی اجمالی طور پر لکھکر اسحاق بیدری کی حکایت تکمیل کر دیجائے۔
مورخین لکھتے ہیں کہ ابوریحان منجم اپنے فن کا نادرالوجود استاد تھا۔ اور ایسے
حکم لگاتا تھا کہ سننے والے دنگ رہجاتے تھے چونکہ اپنے فن کا کامل تھا اور کمال
نے طبیعت میں استقلال پیدا کر دیا تھا اسی وجہ سے محمود غزنوی سے بے تکلفانہ
ملاقات اور برتاؤ کیا کرتا تھا۔ غزنوی کو حکیم کی یہ ادا پسند نہ آتی تھی ایک دن
محمود غزنوی باغ ہزار درخت کے سامنے محل کے ایک کوٹھے پر بیٹھا ہوا تھا۔
ابوریحان بھی ایک دروازے سے محل میں داخل ہوا بادشاہ نے حکیم سے
پوچھا کہ اس نشست کے بعد محمود چار دروازوں میں سے کس راہ سے محل کے
باہر جائے گا منجم نے اسطرلاب درست کیا اور ساعت کواکب کی تقویم کرنیکے بعد
حکم لگایا اور جواب ایک کاغذ کے پرچہ پر لکھکر محمود غزنوی کے سرہانے رکھدیا۔
محمود غزنوی نے حکم دیا کہ محل کی شرقی دیوار کھود کر اُس میں راستہ کیا جائے اور
بادشاہ اُسی راہ سے محل کے باہر گیا اور اُس کے بعد ابوریحان کا نوشتہ دیکھا۔
منجم نے بھی وہی حکم لگایا تھا جس پر محمود نے عمل کیا تھا۔ بادشاہ ابوریحان کے
کاغذ کو دیکھکر گھبرایا اور اُس نے حکم دیا کہ ابوریحان کو کوٹھے کے نیچے گرا دیا جائے
معلوم ہوتا ہے کہ کوٹھے کے اوپر سے نیچے زمین تک کوئی چیز جال کی طرح پر
بچھا دی گئی تھی جس میں بیٹھ کر حکیم آہستہ سے زمین پر آ گرا اور اسے کوئی اذیت
نہیں پہنچی بادشاہ نے پوچھا کہ اپنی اس آفت کی بھی کچھ خبر تھی یا نہیں حکیم نے
غلام کے ہاتھ سے ایک کاغذ لیکر بادشاہ کو دیا۔ محمود نے دیکھا کہ حکیم نے
اپنے اس روز کے حوادث میں اس واقعہ کا بھی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا تھا۔
بادشاہ کو ابوریحان کی یہ بات اور ناگوار گزری اور محمود نے حکیم کو قید زندان
میں گرفتار کر دیا۔ ابوریحان چھ مہینے کامل قید کی سختیاں برداشت کرتا رہا

ایک روز حکیم کا غلام بازار گیا ایک فال گو نے غلام کو اپنے پاس بلایا اور اُس سے
کہا کہ تیرا مالک مصیبت میں گرفتار ہے لیکن میں تجھے مژدہ دیتا ہوں کہ آج سے
تین دن کے اندر تیرا آقا قید سے رہائی پائے گا۔ غلام نے واپس آکر اپنے
مالک کو اس بشارت کا قصہ سنایا ابوریحان نے غلام سے کہا کہ بڑے افسوس
کی بات ہے کہ میرا بندہ ہو کر تو اس طرح کے بازاری لوگوں کی بکواس پر اعتبار
کرتا ہے۔ اس واقعہ کے تیسرے دن احمد بن حسن میمندی نے شکارگاہ میں بادشاہ
سے علم نجوم کے متعلق کچھ باتیں کیں اور اُسی اثنا میں ابوریحان کے حال پر افسوس
ظاہر کیا کہ کس طرح اُس نے ایک دن میں دو صحیح حکم لگائے اور بجائے خلعت اور انعام
کے قید زنداں میں گرفتار ہوا۔ غزنوی نے جواب دیا کہ میں جو کچھ جانتا ہوں تم اُسے
نہیں جانتے اس میں شک نہیں کہ ابوریحان کا نجوم میں جواب نہیں ہے لیکن
کامل حکیم وہی شخص سمجھا جاتا ہے جو بادشاہوں کا مزاج شناس بھی ہو تمھیں معلوم نہیں
ہے کہ بادشاہوں کا مزاج لڑکوں کی طبیعت کے بالکل موافق ہے آدمی کو چاہیئے کہ
بات وہی کرے جو ان کو بنیں معلوم ہو تاکہ شاہوں کے دربار سے خلعت و انعام بھی
پائے اور ہم چشموں میں سرخرو بھی ہو۔ اُس روز اگر حکیم کا ایک حکم بھی غلط نکلتا تو
وہی غلطی اُس کے حق میں بہتر ہوتی محمود نے اُسی دن ابوریحان کو قید سے
آزاد کیا اور اُس بازاری فال بین کی پیشنگوئی پوری ہوئی۔ ابوریحان نے قید سے
نجات پاتے ہی اُس شانہ بین سے ملاقات کی اور اپنے غرور علم کو دل و دماغ سے
دور کر کے محمود کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ محمود نے ابوریحان کو ہزار دینار اور اسپ خلعت
اور کنیز کے عطیہ سے سرفراز کیا اور حکیم سے کہا کہ اگر تم مجھ سے بہرہ مند ہونا چاہتے ہو تو
بات ہمیشہ میرے مزاج کے موافق کہا کرو اس لئے کہ سلطانی خدمت کے شرائط میں
سب سے بڑی اور اہم شرط یہی ہے۔

فیروز شاہ بہمنی ہر سال بندر گووہ۔ دابل۔ چیول وغیرہ سے چاروں طرف
جہاز بھجواتا تھا۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ ہر ملک کی نادر الوجود چیزیں دکن لائی جائیں
فیروز شاہ کا قول تھا کہ ہر ملک کا بہترین تحفہ اُس ملک کے صاحب کمال ہیں
بادشاہوں کو چاہیئے کہ ہر ملک کے اہل فضل کا مجمع اپنے دربار میں اپنی بارگاہ میں

اکٹھا کرے اور اطراف عالم کے باکمال لوگوں کی مصاحبت سے فائدہ اُٹھا کر گھر بیٹھے تمام دنیا کا تماشہ دیکھے۔ یہی خیال تھا جس نے یادگار زمانہ افراد کو اس بادشاہ کے آستانہ پر جبہہ فرسائی کرنے اور فیروز کے انعام و اکرام سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا۔ ملک دکن کا یہ نامی فرمانروا دنیا کی اکثر زبانیں جانتا تھا اور ہر ملک کے باشندے سے اُسی کی مادری زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ فیروز شاہ کا حافظہ بڑا قوی تھا جو بات ایک مرتبہ سن لیتا تھا۔ اُس کو تمام عمر کبھی نہیں بھولتا تھا۔ باکمال شعرا کے اشعار اچھی طرح سمجھتا تھا اور خود بھی کبھی کبھی نظم لکھنے کی کوشش کرتا تھا کبھی عروضی تخلص کرتا تھا کبھی فیروزی چنانچہ ہم کچھ اشعار فیروز شاہ کے ناظرین کی تفریح طبع کے لئے آخر حالات میں درج کرینگے۔ ملا داؤد بیدری نے اپنی کتاب تحفۃ السلاطین کو اسی بادشاہ کے نام سے معنون کیا ہے۔ فیروز شاہ ہر علم سے عموماً اور تفسیر و اصول و حکمت طبعی اور نظری سے خاص طور پر دلچسپی رکھتا تھا اور ان علوم میں اچھی مہارت تھی بادشاہ کو صوفیہ کی اصطلاحات سے بھی پوری واقفیت تھی ہفتہ میں تین دن یعنے شنبہ۔ دوشنبہ اور چہارشنبہ بادشاہ کی تدریس کے لیئے مقرر تھے اور زاہدی اور شرح تذکرہ فن ریاضی میں اور شرح مقاصد کلام میں اور اقلیدس علم ہندسہ میں اور مطول علم معانی و بیان میں بادشاہ کے درس کی خاص کتابیں تھیں۔ اگر کبھی اتفاق سے بادشاہ کو فرصت نہ ملتی تھی تو رات کو طالب علموں کو اپنے پاس بلاتا۔ اور اُن کو معمولی سبق پڑھا کر طلبا کو اپنے معلومات سے مستفید کرتا تھا۔ میر فیض اللہ شیرازی کی برکت سے جو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد رشید تھے بادشاہ کو دولت حکومت کے ساتھ دولت علم بھی نصیب ہوی اور قرین قیاس یہ ہے کہ علم و دانش میں فیروز شاہ کا پایہ محمد تغلق سے زیادہ بلند تھا۔ فیروز شاہ پہلا فرمانروا ہے جس نے سادات انجو سے قرابت اور شادی و بیاہ کا سلسلہ جاری کیا۔ فیروز شاہ نے میر فیض اللہ شیرازی کی بیٹی سے اپنے بڑے بیٹے حسن خاں کا نکاح کیا اور اپنی ایک بیٹی میر فیض اللہ شیرازی کے فرزند سید شمس الدین کے حبالۂ عقد میں دی اور اپنے اس عالی نسب داماد کو طرفداری دولت آباد مقرر کیا۔ فیروز شاہ کو حسین اور صاحب جمال عورتوں سے بیحد رغبت تھی بادشاہ نے

بحر تھمندرہ کے کنارے ایک نیا شہر بسایا اور اُس کو فیروز آباد کے نام سے موسوم کر کے اس نئے شہر کو اپنا دار الخلافت بنایا شہر میں عمدہ اور پاکیزہ بازار بنوائے اور اُن کو بہترین دکانوں سے آراستہ کرایا۔ شہر میں سڑکیں سیدھی اور کشادہ نکالی گئیں اور ایک نیا قلعہ تعمیر کرایا گیا اس قلعہ کا ایک کنارہ دریا سے بالکل ملا ہوا تھا دریائے تھمندرہ سے ایک نہر کاٹ کر قلعہ کے اندر جاری کی گئی اور قلعہ میں نئی طرح کے متعدد عالیشان محل تیار کرائے گئے اور ہر محل ایک حرم شاہی کے سپرد کیا گیا چونکہ محلات شاہی کی کثرت زیادہ تھی اس لئے چند قاعدے انتظام محلات کے لئے مقرر کئے گئے اور بادشاہ کی تمام عمر انھیں قاعدوں پر عمل ہوتا رہا۔ منجملہ اُن کے ایک قانون یہ تھا کہ جس محل میں کہ خاص بیگمات رہتی تھیں وہاں ہر بیگم کے پاس تین لونڈیوں سے زیادہ کوئی دوسری خدمت گار عورت نہیں آنے پاتی تھی۔ یہ لونڈیاں بیگمات کی ہم زبان ہوتی تھیں۔ فیروز شاہ کو عربی زبان سے بڑی محبت تھی خاص دکنی محل جو سلطان محمود شاہ بہمنی کی بیٹی تھی انھیں عربی بیگمات کا دور دورہ تھا۔ یہ عرب خواتین حجاز مکہ اور دیگر مشہور مقامات عرب کی رہنے والیاں تھیں اور عربی میں بیحد فصاحت کے ساتھ گفتگو کرتی تھیں۔ ان بیگمات کے قیام کی جگہ عربی محل کے نام سے موسوم تھی اور ان کے خدام مرد و عورت سب حبشی النسل تھے جو شکل و شمائل میں مرغوب اور عربی زبان کے بولنے والے ہوتے تھے عربی محل میں کوئی ایسا شخص جو عربی زبان میں گفتگو نہ کر سکتا ہو نہ جانے پاتا تھا تاکہ عربی خواتین کی زبان عجمیوں کے میل جول سے خراب نہ ہو جائے۔ عرب کی خاتونوں کو جمع کرنے کا بادشاہ کو اس قدر شوق تھا کہ شاہی وکیل برابر عرب جایا کرتے تھے اور جب کبھی کہ کوئی بیگم یا کنیز محل یا دنیا سے رخصت ہوتی تو فوراً نئی عورت سے اُس کی جگہ پر کی جاتی تھی۔ اسی طرح عجمی عورتیں ایک حلقہ میں آباد تھیں اور اُن کی تعداد بھی نو تھی۔ ان بیگمات کی خواصیں چرکسی۔ ترکی۔ روسی۔ گرجی ہوتی تھیں جو نہایت شیریں فارسی بولتی تھیں۔ ان دو خاص حلقوں کے علاوہ ترکی۔ فرنگی۔ خطائی۔ افغانی۔ راجپوت۔ بنگالی۔ گجراتی۔ تلنگی۔ کنڑی۔ اور مرہٹی بیگمات کا ایک گروہ جدا تھا اور ہر خاتون کے پاس اُس کی ہم ملک و ہم زبان

لونڈیاں متعین تھیں۔ بادشاہ ہر روز ایک محل میں آرام کرتا تھا اور فیروز کا سلوک ہر عورت کے ساتھ ایسا اچھا تھا کہ ہر بیگم یہ سمجھتی تھی کہ بادشاہ صرف اُسی کا فریفتہ ہے۔ فیروزشاہ توریت و انجیل بھی اچھی طرح پڑھتا تھا اور ہر ملت و قوم کے علما اس کے دربار میں ملازم تھے اور بادشاہ ہر شخص کے افعال و اقوال کو استفادہ کی نگاہ سے دیکھتا تھا لیکن اسلام کی حقانیت کا سکہ اس کے دل پر بیٹھا ہوا تھا۔ بادشاہ کہا کرتا تھا کہ جس طرح ہمارے پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے بہتر اور سب سے اعلیٰ و افضل ہیں اُسی طرح آپ کا دین اور آپ کی شریعت بھی تمام مذاہب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ عورتوں کا بیحجاب مردوں سے ملنا اور شراب جیسی چیز کا جو تمام فساد کی جڑ ہے نہ پینا کسی دین و مذہب میں حرام نہیں کیا گیا خدا کا شکر ہے کہ یہ دونوں فتنہ انگیز باتیں سلطان الانبیا اشرف المخلوقات رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت عہد میں ناجائز قرار دی گئیں۔ فیروزشاہ نے تخت سلطنت پر بیٹھ کر خطبہ و سکہ ملک میں اپنے نام کا جاری کیا اور اپنے چھوٹے بھائی احمد خاں کو خان خاناں کا خطاب دے کر اُسے امیر الامرا مقرر کیا اور اپنے استاد میر فضل اللہ شیرازی کو جن کی بدولت تمام کمالات حاصل کئے تھے وکیل السلطنت مقرر کر کے ملک نائب کے خطاب سے سرفراز کیا۔ بہت سے بہمنی شاہزادے فیروزی عہد میں صاحب رسوخ اور سلطنت کے عمائد ہوئے۔ تمام مورخین کو اس بات پر اتفاق ہے کہ فیروزشاہ نے چوبیس لڑائیاں غیر مسلموں کے مقابلے میں لڑیں۔ ملا داؤد بیدری اور صاحب سراج التواریخ نے ان لڑائیوں میں سے دو کا حال تفصیل و تشریح سے بیان کیا ہے اور باقی معرکوں کا حال طول کے خوف سے قلم انداز کر دیا ہے۔ فیروزشاہ کے مذکورۂ بالا دو معرکوں میں سے پہلی لڑائی کا حال مندرجۂ ذیل ہے۔

مورخ بیدری وغیرہ لکھتے ہیں کہ ۸۰۱ھ میں کہ دیورائے والی بیجانگر نے تیس ہزار سواروں اور نوے ہزار پیادوں کماندار تفنگ انداز اور دیگر پیشہ وروں کے ساتھ مدکل۔ رائچور اور دوسرے میان دو آب قصبوں کی تسخیر کا ارادہ کر کے ممالک بہمنیہ پر حملہ کیا۔ فیروزشاہ نے یہ خبر سنی اور سراپردۂ شاہی میدان میں نکالا

گلبرگہ سے کوچ کیا اور ساغر پہنچکر لشکر کا اندازہ کیا معلوم ہوا کہ بارہ ہزار سوار اُس کے رکاب میں ہیں۔ ساغر کے ایک غیر مسلم سلاح شور نے سات یا آٹھ ہزار سواروں کی جمعیت سے شاہی فوج کی مزاحمت کی۔ یہ لوگ قتل کئے گئے اور راستے کے خطرہ سے اطمینان حاصل ہوا۔ اسی اثنا میں برار اور دولت آباد کا لشکر بھی شاہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو گیا فیروز شاہ دیورائے کی سرکوبی کے لئے پا بہ رکاب ہی تھا کہ اُس نے سنا کہ قلعۂ کھترہ کے راجہ مسمی نرسنگھ دیو نے مندو اور اسیر کے حاکموں کی مدد اور رائے بیجانگر کی ترغیب سے مملکت برار پر حملہ کر دیا ہے اور قلعۂ ماہور کے اطراف تک سارا ملک اُس کے تاخت و تاراج سے برباد اور مسلمان رعایا ذلیل و تباہ ہو رہی ہے۔ بادشاہ نے یہ سن کے کہ نرسنگھ نے کوئی دقیقہ سنگدلی اور ظلم کا اُٹھا نہیں رکھا برار اور دولت آباد کے لشکر کو نرسنگھ کی تنبیہہ کے لئے روانہ کیا اور بارہ ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ دیورائے کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ برسات کا زمانہ تھا اور دریا کا پاٹ بڑھا ہوا تھا دیورائے نے دریا کے اُس پار اپنے خیمے نصب کرائے اور مسلمانوں کو دریا کے پار اترنا مشکل نظر آنے لگا۔ فیروز شاہ نے اپنے ارکان دولت سے مشورہ کیا اور ہر شخص نے اپنی سمجھ کے موافق کوئی نہ کوئی تدبیر بتائی لیکن بادشاہ کی تشفی نہ ہوی اور وہ اُسی طرح غور و فکر میں مبتلا رہا۔ بادشاہی امیروں میں سے ایک ناجی عہدہ دار مسمی قاضی سراج نے جو امیران صدہ کا ایک معزز فرد تھا بادشاہ کو متفکر دیکھکر عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو یہ جاں نثار دولت خواہی کے لئے کمر ہمت باندھے۔ میری تدبیر یہ ہے کہ میں اپنے چند بھروسہ کے رشتہ داروں کو ساتھ لے کر جس طرح ممکن ہو دریا کے پار اتروں اور رات کو دیورائے یا اُس کے بیٹے کی بارگاہ میں پہنچکر ان دونوں میں سے کسی ایک کا کام تمام کر دوں۔ جب ہندوؤں کے لشکر میں شور فریاد بلند ہو تو پانچ یا چھ ہزار مسلمان سپاہی فراغت کے ساتھ دریا کو پار کر کے پانی پر اپنا قبضہ کر لیں اور اُس کے بعد بادشاہ بھی دریا سے عبور کر کے ہندوؤں کے لشکر پر حملہ آور ہوا اور اس طرح دشمن کو تباہ و پامال کر دیا جائے۔ فیروز شاہ نے اس رائے کو پسند کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں دو سو چمڑے کے ٹوکرے تیار ہو کر آ گئے قاضی سراج نے سات جوان مردوں کو جو

سب کے سب یکدل اور یک زبان تھے ہمراہ لیا اور فقیروں کا بھیس بدلا اور
دریا کے پار اُتر کر دیورائے کے لشکر کے قریب پہنچا ایک خرابات میں قیام کر کے
ایک بازاری عورت کے ساتھ عشق و محبت کا سلسلہ قائم کیا۔ قاضی نے رندانہ روش
اختیار کی اور اُس کسبی کے اظہار محبت میں عجز و نیاز کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔
اتفاق سے اُسی دن شام کو قاضی کے معشوق کی سواری گھر سے کہیں باہر چلی۔
قاضی نے اپنی محبوبہ کو لباس اور زیور سے آراستہ اور مزین دیکھکر بے صبری اور
درد فراق کا اظہار کیا اور گریہ کناں اُس عورت کے پاس آکر اپنی بیتابی کی داستان
اُسے سنائی اور اُس سے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے اور کدھر جاتی ہے اُس عورت
نے جواب دیا کہ راجہ کے کنور کے یہاں آج مجلس رقص و سرود گرم ہوگی اور اس
عورت کو بھی حکم ہوا ہے کہ محفل میں حاضر ہو کر اپنے کمالات سے حاضرین کو خوش
کرے۔ غرضکہ کسبی اپنی مجبوریاں بیان کر کے قاضی سے رخصت ہونے لگی لیکن
اس بنے ہوئے رند نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس کی مفارقت کے صدمہ کو
اپنے لئے ناقابل برداشت بنا کر خود بھی اُس کے ہمراہ چلنے پر اصرار کرنے لگا۔
کسبی نے قاضی کے اصرار پر جواب دیا کہ وہاں وہی شخص جا سکتا ہے جو نغمہ و سرود
سے واقفیت رکھتا ہو قاضی نے اپنے کو اُس فن کا ماہر بتایا۔ اور کسبی سے وعدہ
کیا کہ اپنے ہنر صاحب مجلس کے روبرو ظاہر کرے گا۔ کسبی نے مسخرہ پن سے اپنا
مندل قاضی کے سامنے رکھدیا اور اُس سے بجانے کی درخواست کی۔ قاضی نے
مندل بجانے اور نغمہ سرائی میں ایسے کمالات دکھائے کہ کسبی حیران رہگئی اور
یہ کہکر کہ ایسے شخص کا ساتھ چلنا تو ہر طرح پر باعث عزت و شہرت ہے قاضی کو اپنے
ہمراہ چلنے کی اجازت دی۔ غرضکہ قاضی سراج اور اُس کے ساتھی اس طرح دیورائے
کے ولی عہد کی بارگاہ میں داخل ہو گئے۔ محفل حاضرین سے بھر گئی اور دکن کی
رسم کے موافق بازاری عورتوں کا گروہ ناچنے اور اپنے کمالات سے ناظرین کو محظوظ
کرنے لگا۔ کسبیوں کے بعد نقالوں کی باری آئی اور قاضی بھی اپنی معشوقہ سے اجازت
لیکر مسخروں کے لباس میں محفل کے اندر آیا۔ قاضی اور اُس کے ساتھی زنانے
کپڑے پہنے ہوئے صاحب مجلس کے سامنے آئے اور کرشمہ اور ناز دکھانے لگے۔

ان بہروپئے نقالوں نے مسخرے پن اور طرب سازی اور گت بازی میں ایسا
جادو دکھایا کہ رائے زادہ ان کے تماشے کا فریفتہ ہو گیا۔جب یہ لوگ اپنی
فسوں سازی سے مجلس اور صاحب مجلس پر سحر آفرینی کر چکے تو مسخروں کی رسم
کے موافق دونوں ننگی کٹاریں ہاتھ میں لیکر کرتب دکھاتے ہوئے رائے زادہ کے
قریب آئے اور جلد سے جلد دونوں نے اپنی اپنی کٹاریں دیورائے کے ولی عہد
اور اس کے چشم و چراغ کے سینہ و شکم پر ایسی ماریں کہ رائے زادہ وہیں خاک و خون کا
ڈھیر ہو گیا۔قاضی کے دوسرے پانچ یا چھ ہمراہیوں نے جو سراپردہ کے باہر کھڑے
ہوئے گوش بر آواز تھے ان کی صدا سنتے ہی سراپردہ کو چاک کیا اور مجلس میں
پہنچکر اکثر ہندوؤں کو جو شراب کی نشہ میں سرشار تھے مقتول اور مجروح کیا اور
مجلس کے تمام چراغ اور مشعلیں گل کر کے خود سراپردہ کے باہر جا کر ایک کونے میں
چھپ رہے اور مسلمانوں کے لشکر کے عبور کرنے کی راہ دیکھنے لگے ہندوؤں کی
بزم میں اکثر لوگ شراب پینے میں مشغول تھے اور کسی کو اپنے سر و پا کا ہوش
نہ تھا اس شورش سے حیران اور پریشان ہو گئے اور انھوں نے شور و فریاد
سے محفل کو سر پر اُٹھا لیا۔رات بالکل اندھیری تھی اور آواز دار و گیر مجلس
میں بلند ہو رہی تھی اور ہر شخص جدا ترانہ گا رہا تھا بعض کہتے تھے کہ مسلمانوں کے
بادشاہ نے دس یا بارہ ہزار سواروں کے ساتھ دریا کو پار کیا اور مجلس میں پہنچکر
رائے زادے کا کام تمام کر دیا ہے بعضوں کی رائے تھی کہ مسلمان پیادے
اپنے لشکر سے جدا ہو کر دریا سے اترے اور اُنھوں نے یہ شبخون مارا۔مختصر یہ کہ
چونکہ رات بالکل تاریک تھی اور ہندوؤں کا لشکر پانچ چھ کوس کے فاصلہ تک
پھیلا ہوا تھا ہر امیر اور سپاہی اپنی اپنی جگہ پر دبکا بیٹھا رہا اور کوئی شخص خیمے سے
نکل کر میدان یا دریا کی طرف نہ بڑھ سکا۔ہندوؤں کے خوف و ہراس کا یہ عالم
ادھر تین یا چار ہزار مسلمان چمڑے کے ڈولوں میں بیٹھے اور گھوڑوں کو دریا
میں تیراتے ہوئے دریا کے پار اترے۔راجہ کے جو سپاہی نہر کی حفاظت پر
مقرر تھے وہ اسلامی فوج کو دیکھکر بالکل کاٹھ کی تصویر ہو گئے اور خوف زدہ
اِدھر اُدھر تتر بتر ہو گئے صبح تڑکے سلطان فیروز شاہ بھی بقیہ فوج کو لے کر

ہندوؤں کے سر پر آ پہنچا۔ دیورائے کا لشکر ایک جگہ جمع نہ تھا اور خود راجہ اپنے بیٹے کے مارے جانے سے حواس باختہ اور غمزدہ ہو رہا تھا۔ راجہ نے اپنے بیٹے کی لاش لے کر بغیر لڑے ہوئے طلوع آفتاب سے قبل میدان جنگ سے کوچ کیا۔ فیروز شاہ نے راجہ کے تمام مال و متاع پر قبضہ کیا اور بیجانگر تک برابر ہندوؤں کا تعاقب کرتا چلا گیا۔ راستہ میں چند مقامات پر فریقین میں شمشیر زنی بھی ہوئی لیکن ہر معرکہ میں وکیل السلطنت میر فضل اللہ شیرازی کی حسن تدبیر سے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور ہندوؤں کے کشتوں کے پشتے ہو گئے۔ دیورائے بہزار خرابی پائے تخت کو پہنچا اور بیجانگر کے قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ راجہ نے اب لڑائی سے بالکل ہاتھ اٹھایا اور فیروز شاہ نے خان خاناں اور میر فضل اللہ شیرازی کو راجہ کے آباد ترین جنوبی مقبوضات کی غارتگری کے لئے روانہ کیا۔ بادشاہ نے قاضی سراج کو اس کی خدمت کے موافق سرفراز کر کے قاضی کو گروہ امرا میں داخل کیا اور قاضی کو بھی خان خاناں کے ہمراہ جانے کا حکم دیا۔ ان امیروں نے جی کھول کر جنوبی شہروں کو لوٹا اور بیشمار لڑکے اور لڑکیاں لونڈی غلام بنائے۔ ان اسیروں میں قریب دو ہزار قیدیوں کے برہمن زادے اور اُن کی ماں بہنیں بھی تھیں۔ بیجانگر کے معزز برہمنوں نے دیورائے سے کہا کہ شہر کے باشندے اور برہمن کا مذہبی گروہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ جس قدر روپیہ کی ضرورت ہو ہم حاضر ہیں لیکن راجہ کو بھی مذہبی عزت بچانے پر کمر ہمت باندھنی چاہیئے اور جس طرح ہو سکے مسلمانوں سے صلح کر کے جو رقم وہ مانگیں وہ ہمارے فراہم کردہ روپیہ سے دی جائے اور ہمارے قیدی اُن سے آزاد کرائے جائیں۔ دیورائے نے برہمنوں کی درخواست قبول کی اور اپنے ارکان دولت کو اختیار دیا کہ جس طرح چاہیں مسلمانوں سے اس کا فیصلہ کر لیں۔ ہندوؤں کے قاصد مسلمانوں کے لشکر میں دوڑنے لگے اور آخر کار بڑی بحث کے بعد یہ طے پایا کہ بیجانگر کی رعایا دس لاکھ ہون شاہی خزانہ میں داخل کرے اور ایک لاکھ ہون میر فضل اللہ شیرازی کو حق الخدمت ادا کیا جائے۔ اس قرارداد کے موافق چھ لاکھ ہون رعایا نے جمع کئے اور پانچ لاکھ راجہ نے اپنے خزانہ سے دئے اور پوری رقم فضل اللہ شیرازی کی خدمت میں

بھیجدی گئی شیرازی نے سارا روپیہ بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا بادشاہ نے
وکیل السلطنت کے خلوص اور حسن کارگزاری کی بیحد تعریف کی۔ طرفین سے شرائط
معاہدے کے پیش ہوئے اور یہ طے پایا کہ سابق کی طرح ایک دوسرے کا بہی خواہ
رہے اور دونوں حکومتیں اس بات کا لحاظ رکھیں کہ ایک دوسرے کے مقبوضات
پر کسی طرح کی دست درازیاں کرکے خلقت کو پریشان نہ کریں۔ فیروزشاہ نے
صلح کے بعد تمام قیدیوں کو آزاد کیا اور خود بھی اپنے ملک کو روانہ ہوا۔ بادشاہ
نے دریائے تھمبدرہ کو عبور کیا اور پولاد خاں ولد صفدر خاں سیستانی کو میان
دوآب کی فتوحات پر مامور کرکے خود جلد سے جلد گلبرگہ پہونچا۔ فیروزشاہ نے دو تین
مہینے تکان سفر سے آرام لیا اور شروع ۸۰۲ھ میں نرسنگھ کی گوشمالی کے
لئے برار کی طرف چلا۔ بادشاہ شکار کھیلتا ہوا ماہور پہونچا۔ ماہور کا چودھری
جو نرسنگھ کے بل پر باغیانہ سرکشی کرنے لگا تھا بادشاہی امیروں کے ذریعہ سے
فیروزشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر امان کا طالب ہوا اور بہت سے بیش قیمت
تحفے شاہی ملاحظہ میں پیش کرکے اپنے لڑکوں کے ساتھ فیروزشاہ کے
ہمراہ رکاب چلا۔ فیروزشاہ نے ایک مہینہ پانچ دن ماہور میں قیام کیا اور
اس کے بعد سیدھا قلعہ کہرلہ کے حوالی میں پہونچا۔ نرسنگھ بھی صاحب اقتدار
اور تمام کوہستان گوندوارہ اور بہت سے جوار کے شہروں کا مالک تھا
اس راجہ نے خاندیس اور مالوہ کے حکمرانوں کے پاس قاصد روانہ کئے اور
فیروزشاہ کے مقابلہ میں اُن سے مدد کا طلبگار ہوا۔ ان حاکموں نے چونکہ
پہلی مرتبہ نرسنگھ کے غلبہ اور قوت کا لحاظ کرکے اپنی فوجیں بھیجی تھیں
اس مرتبہ خدا سے چاہتے تھے کہ یہ مغرور تباہ و برباد ہو مالوہ اور خاندیس کے
حاکموں نے مدد کرنے سے صاف انکار کیا لیکن اس مایوسی کے باوجود بھی
نرسنگھ نے ہمت نہ ہاری اور فیروزشاہ سے لڑنے کا ارادہ کرکے اپنے لشکر
کو آراستہ کیا اور کہرلہ سے دو کوس آگے بڑھ کر سرفروشی کے ارادہ میں پختہ
ہوگیا۔ فیروزشاہ نے چاہا کہ خود بہ نفس نفیس میدان جنگ میں جائے لیکن
خان خاناں اور میر فضل اللہ شیرازی نے بادشاہ سے عرض کیا کہ فیروزشاہ

کا خود ایسے معرکہ میں جانا غیر ضروری ہے اس مہم کے سر کرنے کے لئے بھی دونوں
امیر بالکل کافی ہیں۔ فیروز شاہ نے یہ رائے پسند کی اور خان خاناں اور فضل اللہ
شیرازی کو خلعت سے سرفراز کرکے دونوں کو نرسنگھ کے مقابلہ میں میدان جنگ
جانے کی اجازت دی۔ ان امیروں نے پہلے نرسنگھ کو ایک خط لکھا اور اسے
اطاعت شعاری اور باجگزاری کی نصیحت اور بادشاہ سے برسرپیکار ہونے کی
ممانعت کی۔ نرسنگھ نے اس تحریر پر عمل نہ کیا اور لڑنے کے لئے آمادہ ہوا خان خاناں
اور میر فضل اللہ شیرازی نے بھی اپنی فوج ترتیب دیکر حریف پر حملہ کیا۔
فریقین میں سخت خونریز لڑائی واقع ہوئی۔ شاہی امیروں میں شجاعت خاں
دلاور خاں۔ منعم خاں اور بہادر خاں معرکہ کارزار میں کام آئے اور ہندوؤں نے
ایسا دھاوا کیا کہ مسلمان سپاہی ادھر ادھر پریشان ہو گئے۔ خان خاناں لشکر
کے میمنہ میں تھا اور فضل اللہ شیرازی میسرہ کی دیکھ بھال کر رہا تھا ان دونوں
سرداروں کے ساتھ بہت تھوڑی فوج رہ گئی اور دونوں انجام کار سے
پریشان و حیران میدان جنگ میں کھڑے تھے کہ اسی درمیان میں کسی نے
میر فضل اللہ شیرازی کو خان خاناں کے قتل کی جھوٹی خبر دی۔ فضل اللہ نے
اس کو چھپایا اور دو سو سواروں کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس نے شادیانے کے
نقارے بجوائے اور مشہور کیا کہ سلطان فیروز شاہ خود میدان میں آگیا۔ اس
خوش خبری سے مسلمان سپاہیوں کے مردہ جسم میں تازہ جان آئی اور گروہ
کے گروہ فضل اللہ شیرازی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے فضل
شیرازی نے ہندوؤں پر شدید حملہ کیا اور غنیم کی فوج کو اپنے مقابلہ سے بھگا کر
آگے بڑھا دیا۔ چونکہ خان خاناں کے قتل کی خبر جھوٹی تھی فضل اللہ شیرازی
بہت جلد خان خاناں سے جا ملا۔ دونوں امیروں نے ملکر نرسنگھ کے بیٹے
کوسل رائے پر حملہ کیا اور اسے شکست دیکر زندہ دستگیر کر لیا۔ ہندوؤں کے
لشکر میں پریشانی پھیلی اور سپاہی میدان جنگ سے منہ موڑنے لگے مسلمانوں
نے کھیرلے کے قلعہ تک ہندوؤں کا پیچھا کیا اور قریب دس ہزار ہندو تلوار
کے گھاٹ اتارے۔ نرسنگھ نے بڑی مشکلوں سے اپنی جان بچائی اور قلعہ

میں داخل ہو کر حصار کے اندر پناہ گزیں ہوا۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا اور نرسنگھ نے دو مہینے کی تکالیف جھیلنے کے بعد امان طلب کی۔ خان خاناں اور فضل اللہ دونوں نے جواب دیا کہ جب تک نرسنگھ خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوگا صلح وامان کا ملنا محال ہے۔ نرسنگھ اور اُس کے قرابت دار سلطانی فرودگاہ پر پہنچ کر حاضر ہوئے اور بادشاہ سے بیحد عاجزی کے ساتھ امان کے طلبگار ہوئے۔ نرسنگھ نے اپنے کو بادشاہ کا حلقہ بگوش ظاہر کیا اور اس حرکت کو جہل اور حماقت پر محمول کر کے بیحد نادم و پشیمان ہوا۔ نرسنگھ نے بادشاہ سے کہا کہ اگر حکم ہو تو قلعہ خان خاناں یا فضل اللہ شیرازی کے سپرد کر دیا جائے یا اگر بادشاہ نرسنگھ کے قصور کو معاف کر کے قلعہ کی حکومت اُس کے سپرد کر دیں نرسنگھ سلطان علاؤالدین حسن کے زمانہ حکومت کی طرح عہد فیروزی میں بھی ہر سال خراج پیش کر کے ہمیشہ اطاعت گزاری میں زندگی بسر کریگا۔ بادشاہ نے خاندان بہمنیہ کا خاص خلعت مع کلاہ زردوزی کے نرسنگھ کو مرحمت کیا اور قلعہ کی حکومت اسی کے نام بحال رکھ کر اُس کی درخواست کے موافق نرسنگھ کی بیٹی کو اپنے محل میں داخل کیا۔ فیروز شاہ نے نرسنگھ سے چالیس ہاتھی۔ پانچ من سونا۔ پانچ من چاندی اور دوسرے بیش قیمت تحفے لے کر قلعہ کی تسخیر سے ہاتھ اٹھایا اور بامراد و کامیاب دارالخلافت کی طرف روانہ ہوا۔ چونکہ اس کا سہرا بھی فضل اللہ شیرازی کے سر رہا اس لیئے بادشاہ نے اپنے اس صاحب علم و فضل امیر کے مراتب میں ترقی کی اور شیرازی کو سرلشکری برار کی خدمت پر مامور کیا۔

سنہ ۸۰۲ھ میں یہ معلوم ہوا کہ امیر تیمور صاحبقراں نے دہلی کو فتح کر لیا ہے اور اب کشور کشا کا یہ ارادہ ہے کہ دہلی کی حکومت اپنے کسی فرزند کو عطا کرے اور خود تمام ہندوستان کو فتح کرے اور اگر ضرورت ہو تو خود بھی دوبارہ ہندوستان میں آکر اپنے ہاتھوں اپنے ارادے کی تکمیل کرے۔ فیروز شاہ نے یہ خبر سنکر بڑی احتیاط اور دور اندیشی سے کام لیا اور امیر تقی الدین محمد میر فضل اللہ شیرازی کے داماد اور پایۂ تخت کے مشہور فاضل مولانا لطف اللہ

شیرازی کو بیش قیمت تحفوں اور ہدیوں کے ہمراہ دریا کے راستہ سے امیر تیمور کی خدمت میں روانہ کیا۔ فیروز شاہ نے ایک نامۂ اتحاد و اخلاص بھی صاحبقراں کے نام ان امیروں کے ہاتھ بھیجا۔ فیروز شاہ کے ایلچی آستانہ تیموری پر پہونچے اور صاحبقراں کی باریابی کا شرف حاصل کر کے تیموری نوازشوں سے سرفراز کئے گئے۔ دکنی امیر چھ مہینے تیموری بارگاہ میں مقیم رہے فیروز شاہ کے ہدیوں کے پیش کرنے کے بعد ان امیروں نے صاحبقراں کو بہت زیادہ مہربان اور متوجہ پایا اور بارگاہ صاحبقرانی کے بعض معتمدوں کے ذریعہ سے امیر تیمور سے عرض کیا کہ فیروز شاہ بہمنی آستانہ تیموری کا بہی خواہ ہے اور اپنے کو اس خاندان کا دولت خواہ سمجھ کر اس بات پر تیار ہے کہ جب کبھی کہ صاحبقراں دار الحکومت دہلی کا رخ کریں یا یہ کہ کسی فرزند کو اس طرف روانہ فرما دیں تو فیروز شاہ بھی کمر ہمت باندھ کر دکن سے دہلی حاضر ہو اور شائستہ خدمات بجا لا کر تیموری نوازشوں اور عنایتوں سے سرفراز ہو۔ امیر تیمور باوجود دوری مسافت کے فیروز شاہ کے خلوص اور یکجہتی سے بیحد خوش ہوا اور مسرت کے عالم میں زبان سے یہ کہا کہ میں نے دکن اور مالوہ کی بادشاہی فیروز بہمنی کو عطا کر کے چتر سلطنت اور تمام لوازمات شاہی کی اجازت دی امیر تیمور نے اس مضمون کا فرمان بھی لکھ کر فیروز شاہ کے نام روانہ کیا اور خط میں بادشاہ کو فرزند خیر خواہ کے القاب سے یاد کیا۔ تیمور نے ان امیروں کو رخصت کیا اور فیروز شاہ کے لئے کمر بند و شمشیر مرصع اور چہار قبہ ملوکانہ اور ایک ترکی غلام اور چار نادر الوجود گھوڑے دکنی قاصدوں کے ہاتھ روانہ کئے گجرات۔ مالوہ اور خاندیس کے بادشاہ جو اب تک اپنی ہستی حکمرانی کی ابتدا ہی سے باخبر تھے فیروز شاہ کی انجام بینی سے ڈرے اور انھوں نے فیروز شاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم سب برادران دینی ہیں ہمیں چاہیئے کہ آپس کے نفاق کو دور کریں اور اتفاق اور یکجہتی کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ تاکہ تیموری سیلاب فتوحات سے بے خوف و خطر رہیں۔ یہ حاکم فیروز شاہ سے اس طرح منافقانہ گفتگو کرتے تھے اور ادھر بیجانگر کے راجہ سے خفیہ سازش

کرتے تھے اور اُسے پیغام دے رکھا تھا کہ جب کبھی راجہ کو ضرورت ہوگی تو مالوہ
خاندیس اور گجرات سے روپیہ اور سپاہی ہر طرح سے مدد دی جائیگی۔ یہی وجہ تھی
کہ دیورائے نے بھی اپنا طریقہ بالکل بدل دیا تھا اور تین یا چار سال سے مقررہ
رقم خراج کی خزانہ فیروزی میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ مالوہ۔ گجرات اور خاندیس
کے فرمانروا بظاہر تو فیروز سے صلح و آشتی سے پیش آتے تھے لیکن دل میں
سلطنت بہمنیہ کے دشمن اور ہر وقت اس کی تباہی کے خواہاں تھے فیروز شاہ
نے بھی مصلحت وقت کے لحاظ سے دیورائے کو اُس کے حال پر چھوڑ رکھا تھا
اور خراج کے طلب کرنے میں دشمنی سے کام نہ لیتا تھا یہاں تک کہ بیجانگر
کے سونے اور چاندی کی دمک نے ایک زرگر کی پری جمال بیٹی کے چہرہ پر
ظاہر ہو کر سوتے ہوئے فتنہ کو پھر جگایا اور فیروز شاہ کی دلی مراد بر آئی۔ ملا داود
بیدری نے اس قصہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ دیورائے اور فیروز شاہ کی
باہمی کشیدگی کے زمانہ میں حسن پرور سیاروں کی تاثیرات کی برکت سے مدگل
میں جمال عالم افروز کی دیوی نے ایک سنار کے گھر میں جنم لیا۔ زرگر غریب ذاتی
دولت دنیا سے خالی افلاس اور فلاکت کے عالم میں اپنی زندگی بسر کرتا تھا
کہ خدا نے اُس کی گود دولت حسن سے بھری اور پرتھال نام ایک حسین لڑکی
اُس کے گھر میں پیدا ہوئی حسن و جمال قد و قامت غرضکہ ہر طرح پر خدا کی
صنعت نقاشی کا بہترین نمونہ تھی ماں باپ اس کی صورت کو دیکھکر اپنی
افلاس کی مصیبت بھول گئے اور بڑے لاڈ پیار سے بیٹی کی پرورش کرنے لگے
لڑکی کچھ بڑی ہوئی اور ماں باپ نے ہندوؤں کی رسم کے موافق قبل بلوغ ہی
اپنے ایک عزیز لڑکے کے ساتھ بیاہنا چاہا۔ بیٹی نے والدین کی خواہش سے
سخت انکار کیا اور کہا کہ یہ سچ ہے کہ اولاد پر والدین کی اطاعت فرض ہے۔
لیکن میں تم لوگوں کی فطری محبت پر بھروسہ کر کے تم سے درخواست کرتی ہوں
کہ اپنے اس خیال سے باز آؤ سوچو اور غور کرو کہ درشاہوار ہر کان کو زینت نہیں
دیتا اور عنبر اور مشک ہر دماغ کو معطر نہیں کرتے۔ لعل کو طبلہ عطار سے کیا
نسبت اور کوڑی کو جواہرات گراں بہا سے کیا مناسبت۔ تمھارا اس فکر میں

گرفتار ہونا بیکار ہے تم کو خدا پر بھروسہ کرنا چاہیئے جس خالق بے نیاز نے مجھے
دولت حسن عطا کی ہے وہی میرے لایق شوہر بھی عطا کریگا مجھے میرے خدا پر
چھوڑ دو اور تم لوگ اس کا کچھ خیال نہ کرو۔ ماں باپ بیٹی کی گفتگو سنکر خاموش
ہو گئے اور لڑکی اس طرح کنواری رہی۔ اتفاق سے اُسی زمانہ میں بیجانگر کا
ایک سن رسیدہ برہمن کاشی کی تیرتھ سے فارغ ہو کر وطن جا رہا تھا۔ اس برہمن
کا گزر مدکل سے ہوا اور اسی سنار کے گھر میں مسافرانہ مقیم ہوا۔ گھر کے تمام
لوگوں نے برہمن کے پاؤں چھوئے لیکن وہ لڑکی اس بوڑھے مذہبی پیشوا
کے سامنے نہ آئی۔ سنار اور اُس کی زوجہ نے برہمن کی اچھی طرح خدمت
کی اور بیٹی کے حق میں اُس سے دعاے خیر کرنے کی درخواست کی۔ برہمن
نے پوچھا کہ لڑکی کہاں ہے ماں باپ نے بتایا کہ پردہ میں بیٹھی ہے چونکہ
ہندؤں کا دستور ہے کہ ان کی بی بیاں اور بیٹیاں غیر مرد سے پردہ نہیں
کرتیں اور بالمخصوص مذہبی گروہ سے برہمن نے تعجب کے ساتھ اس
پردہ داری کا سبب پوچھا ماں باپ نے ساری داستان برہمن کو سنائی اور اپنے
درد دل کی دوا کے طلبگار ہوے۔ برہمن اس قصہ کو سنکر لڑکی کے دیکھنے کا
مشتاق ہوا اور اُس نے بلند آواز سے لڑکی کو اپنی صلبی بیٹی کہہ کر اُس سے
باہر آنے کی درخواست کی۔ برہمن کے بیحد اصرار پر لڑکی پردہ سے باہر آئی اور
برہمن کے قدمبوس ہوئی۔ برہمن نے پرتھال کے سراپا کو دیکھا اور کہا کہ اے
فرزند خدا نے تجھے حسن صورت کے علاوہ سیرت بھی نیک اور پسندیدہ عطا کی
ہے تیرے سراپا اور تیرے اطوار خود اس بات پر شاہد ہیں کہ تیرا استقبال اچھا اور بارآور
ہوگا۔ برہمن کو علم موسیقی میں پورا کمال تھا اور آلات نغمہ کو بہت اچھی طرح
بجاتا تھا اوسکے علاوہ برہمن نے پرتھال کو اپنے پاس بلایا اور اپنا جنتر اور سرمندل بجایا
پرتھال برہمن کی سازنوازی سے بیحد خوش ہوئی۔ برہمن نے بھی ایک سال
کامل سنار کے مکان میں بسر کیا اور نغمہ نوازی کی پوری تعلیم دی پرتھال بھی
شیوہ شاگردی کو ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی اور سعادتمند شاگردوں کی
طرح اپنے استاد کی جو قوم کا برہمن بھی تھا خلوص اور عقیدت کے ساتھ

خدمت کرتی تھی غرضکہ پرتھال نے برہمن کے کیسہ کمال کو بالکل خالی کر دیا اور تمام اس کی دولت ایک سال کے اندر ہی کمالی۔ برہمن ایک سال کے بعد اس سے رخصت ہوا اور سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا بیجا نگر پہونچا۔ پرتھال کے حسن و جمال اور اس کے کمال کی تعریف برہمن کے منہ سے نکلتے ہی سارے بیجا نگر کے گوش زد ہوئی اور گھر گھر میں اس کا چرچہ ہونے لگا۔ شدہ شدہ دیورائے نے بھی یہ حکایت سنی۔ راجہ نے برہمن کو بلایا اور اس سے واقعہ کی تصدیق چاہی۔ برہمن نے سارا واقعہ راجہ سے بیان کر دیا۔ برہمن کی آتش بیانی نے راجہ کے دل میں عشق کی آگ بھڑکا دی۔ دیورائے نے برہمن کو گلے لگایا اور ایک جڑاؤ ہار اور بیشمار نقد و دولت دے کر خفیہ اسے مدکل روانہ کیا راجہ نے برہمن کو سمجھا دیا کہ ماں باپ کو روپیہ دے کر انھیں آیندہ کی نوازشوں سے خوش کرے اور لڑکی کو یہ ہار پہنا کر اسے رانی کے خطاب کا مژدہ سنائے اور سارے کنبہ کو بیجا نگر کے بتخانوں کی پوجا کرانے کے بہانے سے اپنے ہمراہ جلد سے جلد راجہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہو۔ برہمن بھی اس خدمت کو اپنی آیندہ اقبال مندی کا پیش خیمہ سمجھا اور سامان سفر کاندھے پر رکھ کر مدکل روانہ ہوا۔ برہمن تمام راستہ اپنی کارگزاری کا جال بنتا ہوا گیا اور طرح طرح کے منصوبے دماغ کے اندر پکاتا رہا یہاں تک کہ اس عورت کے دروازے پر پہونچا جسے بیجا نگر کے بتخانوں میں لانے کے لیئے مدکل آیا تھا۔ برہمن نے اپنے سفر کی غرض دوستوں کا اشتیاق دیدار بتایا اور دو تین روز کے بعد اپنے مقصد کے حاصل کرنے پر سرگرم ہوا پرتھال کے ماں باپ دیورائے کے پیغام سے جامے میں پھولے نہ سماتے تھے اور انھوں نے بڑے شوق اور آرزو کے ساتھ بیجا نگر کے چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس کے بعد برہمن نے جڑاؤ ہار اپنے اسباب سے نکالا اور ماں باپ کی اجازت چاہی کہ ہار پرتھال کے گلے میں ڈال کر اسے اپنی کارگزاری کا فیدی بنائے پرتھال نے ہار پہننے سے صاف انکار کیا اور کہا کہ بیجا نگر کے راجاؤں کا قاعدہ ہے کہ جس عورت کو اپنے محل میں داخل کرتے ہیں اسے پھر تمام عمر ماں باپ

عزیزوں سے ملنے نہیں دیتے اور ہمیشہ کے لئے اُس کو قیدی زندان بنا لیتے ہیں
تم لوگ مجھ سے بیزار ہو جو مجھکو اس کم مایہ چنیر پر راجہ کے ہاتھ فروخت کرتے ہو
لیکن میں تم لوگوں سے رنجیدہ نہیں ہوں کہ اپنے کو کھوٹے داموں پہ فروخت کرکے
ہمیشہ کے لیئے تمہارے دیدار سے محروم ہو جاؤں - ماں باپ اور استادوں
نے پرتھال کی بیحد خوشامد کی اور جب اِس پری جمال عورت نے دیکھا کہ اب
بے پیچ بولے چھٹکارا نہیں ہے تو ناچار پرتھال نے ان لوگوں سے کہا کہ مجھے
اقبال کے صاحب جاہ فرشتہ نے یہ مژدہ دیا ہے کہ میں جلد سے جلد مسلمان
ہو کر اس فلاکت کی مصیبتوں سے نجات پاکر فلاحت اور خوش نصیبی کے دن
دیکھنے والی ہوں تم کو چاہیئے کہ صبر کے ساتھ اُس سبھ گھڑی کا انتظار کرو اور
بیجانگر کے کھوٹے سونے کو ہاتھ نہ لگاؤ اور غیبی امداد کے بھروسہ پر چندے اور
زندگی کے دن بسر کرو اور راجہ کے بھیجے ہوئے حقیر تحفہ پر قربان ہو کر مجھکو اور
اپنے کو مصیبت اور غم میں مبتلا نہ کرو - برہمن نا امید اور اپنی قسمت کو روتا ہوا
بیجانگر واپس ہوا اُس نے دیوراے سے ماں اور باپ کی رضامندی اور لڑکی
کے انکار کا مفصل قصہ بیان کیا - دیوراے نے ساری عیش و عشرت اپنے
اوپر حرام کر لی اور آہ آتشیں بھرنے لگا پرتھال کے فراق میں اپنی زندگی سے
سیر ہو گیا اور اُس کا ایوان جنت نشان اُس کے لئے جہنم کا نمونہ بن گیا چونکہ
پرتھال کے عشق کا تیر دیوراے کے سینہ میں ترازو ہو چکا تھا راجہ کے ہوش و
حواس سب رخصت ہوے اور عاقبت اندیشی نے اُس کے دل و دماغ سے
کنارہ کیا - راجہ نے پرانے وعدہ کا دفتر غرق کیا اور عقل و دانش کو اپنی بیقراری
کی بھینٹ چڑھا کر سیر و شکار کے بہانے سے بیجانگر سے روانہ ہوا بیشمار پیادے
اور سوار راجہ کے ہمراہ رکاب ہوے دریاے تہمبدرہ کے کنارے پہونچا اور جنون
نے راجہ کی پیشوائی کر کے عقل کے ہاتھ سے اُس کے گھوڑے کی رکاب اپنے قبضہ
میں لی - ہر چند مقرب درباریوں نے منع کیا لیکن راجہ نے ایک ہزار سنی اور
پانچ ہزار سواروں اور بے شمار پیادوں کی ایک فوج اُس نے دریا کے
پار روانہ کی - دیوراے نے اِس لشکر کو حکم دیا کہ سیدھے مدکل کی راہ لیں اور

راستہ کے نشیب فراز کو دل سے دور کر کے جلد تر سفر کی منزلیں طے کریں۔
راجہ کا حکم تھا کہ فوج بے خبری کے عالم میں مدکل پہونچکر پرتھال کے گاؤں
کا محاصرہ کر لے اور پرتھال کو مقید کر کے فوراً راجہ کی خدمت میں حاضر ہو جائے
چونکہ دیورائے کے سر پر نا عاقبت اندیشی کا بھوت سوار تھا اس نے اس باعث
فساد برہمن کو پہلے سے روانہ بھی نہ کر دیا کہ قاصد پرتھال کے ماں باپ کو
فوج کے آنے کا سبب بتا کر انھیں مطمئن کر دے اور زرگر سونے اور چاندی
کی طمع کا شکار ہو کر بی بی اور بیٹی کے ساتھ اپنے ہی گھر میں مقیم رہے۔ لشکر کے
پہونچنے سے ایک روز قبل فوج کی آمد اور اس کی غارت گری کا آوازہ بلند ہوا
اور پرتھال کے ماں باپ بیٹی کو ساتھ لیکر مدکل سے دور ایک مقام پر جا بسے۔
دیورائے کی فوج مدکل پہونچی اور پرتھال کو وہاں نہ پا کر مایوس اور نا امید راجہ
کی خدمت میں پہونچ گئی بیگانہ فوج کا قاعدہ ہے کہ سفر سے گھر کو پلٹتے وقت
غیر کی مملکت کو جی کھول کر لوٹتی ہے۔ دیورائے کی فوج نے بھی اسی آئین
غارتگری پر عمل کیا۔ اور فیروز شاہ بہمنی کے بہت سے قریوں اور قصبوں کو
ویران اور تباہ کر دیا۔ اس نواح کے بہمنی صوبہ دار سمی فولاد خاں نے اس
واقعہ کی خبر سنی اور ایک چھوٹی سی جمعیت کے ساتھ دشمن کا تعاقب کیا۔
ہندوؤں نے مسلمانوں کی کمی کو غنیمت سمجھا اور ان کو ایک مشت خاک
سمجھ کر دریا کے کنارے برسر پیکار ہوئے۔ ہندو فوج نے فولاد خاں کو نو
راستہ میں روک دیا اور اس کے تیس ساتھیوں سے مقابلہ کر کے مسلمانوں کے
شیرازہ کو درہم برہم کر دیا۔ ایک ہفتہ کے بعد فولاد خاں نے اپنے پراگندہ
لشکر کو ایک جگہ جمع کیا اور ہندوؤں کے کوچ کرتے وقت بہمنی صوبہ دار نے
دیورائے کے لشکر پر حملہ کیا۔ چونکہ ہندو فوج ادھر ادھر منتشر تھی فولاد خاں
کو فتح ہوئی اور دو ہزار ہندو سپاہی مارے گئے۔ شاہی خبر رسانوں نے
فیروز شاہ کو اس واقعہ کی اطلاع کی۔ بادشاہ نے فوراً اپنی فوج کو حاضری
کا حکم دیا اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ سرداران لشکر اپنی اپنی سپاہ کے ساتھ
فیروز آباد کے باہر خیمہ زن ہیں تو بادشاہ نے ۸۰۹ھ ہر نیک ساعت میں بڑے

دبدبے اور شان و شوکت کے ساتھ گلبرگہ سے کوچ کیا۔ فیروز شاہ بیجا نگر پہونچا اور
اور اُسے معلوم ہوا کہ دیورائے قلعہ میں پناہ گزین ہے۔ اس نے چاہا کہ جسطرح
ممکن ہو قلعہ کو سر کرے۔ دیورائے نے پوری مدافعت سے کام لیا۔ کرناٹک
کے باشندوں نے شہر کے تمام راستے گھیر کر مسلمانوں کی مزاحمت کی اور بہمنی
سپاہیوں نے مجبوراً شہر کے باہر قیام اختیار کیا۔ دیورائے دبدبہ اور شوکت
میں اپنے باپ سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ اس راجہ نے اب اپنے لشکر کو آراستہ
کیا اور حصار کی پناہ میں آکر خیمہ زن ہوا۔ راجہ کی فوج مسلمانوں پر تیر و تفنگ
کے وار کرنے لگی۔ مسلمانوں کے گھوڑے بیجا نگر کی کوہستانی زمین اور
اونچی نیچی زمین میں اچھی طرح نہ دوڑ سکتے تھے۔ مرکبوں کی عاجزی نے
سواروں کو ناچار کیا اور مسلمان تیغ زنی سے ہاتھ اُٹھانے لگے۔ اسی درمیان
میں ایک تیر بادشاہ کے لگا فیروز شاہ نے تیر اپنے ہاتھ سے خود نکالا اور گھوڑے
پر سوار ہو کر اسی حالت میں زخم کو باندھا اور اپنے گروہ کے سپاہیوں کو اس
خبر کے چھپانے کی سخت تاکید کی۔ احمد خاں خان خاناں نے اپنی شجاعت
کے زور سے کسی نہ کسی طرح ہندوؤں سے پیچھا چھڑایا اور نواح کے
ایک مسطح میدان میں خیمہ زن ہوا۔ خان خاناں نے بادشاہ اور سپاہیوں
کے زخموں کے بھر جانیکا انتظار کیا۔ جب شاہ و سپاہ دونوں تندرست ہو گئے
تو فیروز شاہ نے بیجا نگر کی تسخیر سے ہاتھ اُٹھایا اور امیر الامرا کو میاں سدھو سر نوبت
کے ساتھ دس ہزار سواروں کی جمعیت سے بیجا نگر کے جنوبی شہروں کی
غارت گری کے لئے روانہ کیا۔ میر فضل اللہ شیرازی کو لشکر برار کے ساتھ
کرناٹک کے مشہور حصار قلعہ بنکاپور کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ ان دونوں
امیروں کو جدا جدا مہم پر روانہ کر کے فیروز شاہ نے توپ اور ضربزن بندوقوں
کی باڑ لشکر کے گرد لگائی اور دیورائے کے مقابلہ میں اطمینان کے ساتھ
خیمہ زن ہوا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس اثنا میں اس لڑائی کے علاوہ آٹھ
اور لڑائیاں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان واقع ہوئیں اور ہر لڑائی میں
فتح کا سہرہ فیروز شاہ کے سر رہا۔ دیورائے نے پریشان ہو کر شاہان گجرات کے

پاس قاصد روانہ کئے اور اُن سے مدد کا طلب گار ہوا۔ فیروز شاہ چار مہینے
کامل دیورائے کے مقابلہ میں خیمہ زن رہا اور ادھر اس مدت میں احمد خاں
خان خاناں کرناٹک کے معمور اور آباد شہروں کی تاراجی میں مشغول تھا اور
میر فضل اللہ شیرازی نے موقع پاکر قلعۂ نبکاپور اور اس کے مضافات اور
متعلق شہروں پر قبضہ کرلیا۔ فضل اللہ شیرازی نے بادشاہ کے حکم سے
قلعہ میان سدھو کے سپرد کیا اور خود اپنے لشکر و حشم کے ساتھ بادشاہ کی خدمت
میں حاضر ہوا۔ فضل اللہ شیرازی کے بعد خان خاناں نے بھی اکثر شہروں کو
خراب و تباہ کرکے ساٹھ ہزار ہندو لڑکیوں اور لڑکوں کو گرفتار کیا اور بے شمار
مال غنیمت ساتھ لے کر فیروز شاہ کے پاس آگیا۔ ہر شخص اپنی کارگزاری کے موافق
بادشاہی عنایتوں سے سرفراز ہوا بادشاہ نے ایک بزم مشورہ منعقد کی اور
معزز درباریوں سے آئندہ تدابیر کے لئے رائے دریافت کی۔ بڑی قیل و قال
کے بعد یہ طے پایا کہ احمد خاں دیورائے کے مقابلہ میں بیجا نگر میں مقیم رہے
بادشاہ فضل اللہ شیرازی اور دوسرے نامی امیروں کے ساتھ اہل کرناٹک
کے ملجا و ماوی یعنی راجہ بیجا نگر کے مضبوط اور مشہور ترین حصار قلعہ اودونی
کی تسخیر کے لئے روانہ ہو۔ بہمنیوں کا یہ وحشت انگیز مشورہ دیورائے کے
کانوں تک بھی پہونچا۔ اس خبر کے سنتے ہی دیورائے کے حواس جاتے
رہے راجہ کو گجرات مالوہ اور خاندیس کی مدد سے بالکل مایوسی ہوچکی تھی اب اس
ناچار ہوکر پھر فیروز شاہ کے آستانہ پر سر جھکانے کا ارادہ کیا اور قبل اس کے
کہ بادشاہ حوالی بیجا نگر سے کوچ کرے دیورائے نے اپنے دور اندیش
اراکین سلطنت کی ہدایت سے اپنے چند معتمد امیر مسلمانوں کے لشکر کو روانہ
کئے۔ ہندو قاصد میر فضل اللہ شیرازی کے وسیلہ سے فیروز شاہ کی خدمت
میں حاضر ہوئے اور انھوں نے صلح کی درخواست پیش کی۔ فیروز شاہ نے
پہلے تو صلح کرنے سے انکار کیا لیکن آخر کار امیر شیرازی کی شفاعت سے
دیورائے کی درخواست قبول کی گئی صلح کے شرائط پیش ہوئے اور بالآخر
یہ طے پایا کہ دیورائے اپنی بیٹی فیروز شاہ کے محل میں داخل کرے اور

دس لاکھ ہون نقد اور پانچ من مروارید اور پچاس زنجیر ہاتھی اور دو ہزار گانے اور بجانے والی لونڈیاں اور غلام بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے اس کے علاوہ اگرچہ بنکاپور کا قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا ہے لیکن دیورائے اسوقت بھی اُس کو اپنی ملکیت سمجھ کر حصار بھی بیٹی کے جہیز میں فیروزشاہ کے حوالے کرے تاکہ پھر یہ قلعہ باعث فساد ہو کر میدان میں خون کی ندیاں نہ بہائے۔ صلح کے شرائط میں بیٹی پیش کرنے کی شرط بہت سخت تھی اور اگرچہ راجگان کرناٹک نے اس وقت تک لڑکی کو غیر کف میں نہ بیاہا تھا اور اس کو باعث ننگ و عار سمجھتے تھے لیکن کچھ ایسے مجبور ہوئے کہ راجہ اور امرا بھون نے اس شرط کو بھی قبول کر لیا دونوں فریق سامان شادی میں مصروف ہوئے اور تقریباً چالیس روز بیجا نگر سے فیروزشاہ کی فرودگاہ تک دورو یہ دوکان انواع و اقسام کی مٹھائیوں اور میوؤں سے سجی گئیں۔ سات کوس کا ل سجاوٹ اور آرائش کا بھی یہی عالم تھا اور ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں فریق نے اپنے اپنے یہاں کی نعمتیں تیار کر کے راستہ کی آئین بندی کی زینت کو اور دوبالا کر دیا۔ اہل رقص و سرود نے بھی اپنے کمالات خوب دکھائے۔ احمد خان خاناں اور میر فضل اللہ شیرازی لوازمات اور اسباب دامادی کو ساتھ لیکر بیجا نگر گئے اور ایک ہفتہ کے بعد عروس اور تمام سامان جہیز کو ساتھ لیکر واپس آئے۔ فیروزشاہ کو عقد کی بیحد خوشی ہوئی اور دیورائے نے بادشاہ کو اپنے اوپر مہربان دیکھکر خلوص اور اتحاد کی باتیں شروع کیں اور فیروزشاہ سے ملاقات کرنے کا ڈھنگ ڈالا۔ فیروزشاہ نے جرأت سے کام لیا اور لشکر کا انتظام خان خاناں کے سپرد کر کے خود مع عروس کے بیجا نگر روانہ ہوا۔ دیورائے نے بادشاہ کا بڑی دھوم سے استقبال کیا شہر کے دروازے سے لے کر دار الامارت تک جو تقریباً تین کوس کا فاصلہ ہے۔ مخمل۔ اطلس۔ مشجر اور دوسرے بیش قیمت کپڑوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ دونوں فرمانروا ساتھ ساتھ گھوڑوں پر سوار جا رہے تھے۔ فیروزشاہ نے شہر کے اندر قدم رکھا

اور دیورائے کی طرف سے نچھاور کی رسم ادا کی گئی۔ راستہ کے دونوں طرف دیورائے کے مامور کردہ حسین لڑکے اور خوبرو عورتیں طباقوں میں سونے اور چاندی کے پھول لئے کھڑی تھیں اور فیروزشاہ کے پاس سے گزرتے ہی بادشاہ پر نثار کرتی جاتی تھیں۔ راجہ کی نچھاور ختم ہونے کے بعد رعیت اور سپاہیوں کی باری آئی اور ہر شخص نے اپنی حیثیت کے موافق اس فرض کو اچھی طرح انجام دیا جب وسط شہر کے میدان سے گزر کر بادشاہ کی سواری دار الامارہ کی طرف چلی تو دیورائے کے قرابت مندوں کے گروہ کوچہ و بازار میں روپے اور اشرفیاں بادشاہ پر صدقے کرنے لگے اور پیادہ پا بادشاہ کی سواری کے ساتھ ہو لئے دار الامارہ پہونچکر دونوں فرمانروا گھوڑے سے نیچے اترے۔ دیورائے کی طرف سے ایک جڑاؤ پالکی پیش کی گئی فیروزشاہ اس پر سوار ہوا۔ راجہ کے اراکین بادشاہ کو اس مکان تک لے گئے جو خاص فیروزشاہ کے قیام کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ دیورائے بادشاہ سے رخصت ہو کر اپنے محل میں گیا فیروزشاہ نے دو روز بیجانگر میں بسر کئے اور تیسرے دن واپسی کے لئے تیار ہوا۔ دیورائے نے شاہانہ تکلفات کے مراسم ادا کئے اور اس قدر بیش قیمت چیزیں تحفہ کے طور پر پیش کیں کہ پیشکش کی نظروں میں کچھ وقعت باقی نہ رہی بادشاہ اپنے محل سے روانہ ہوا اور دیورائے بھی ہمراہ چلا راجہ نے راستہ میں موافقت اور یک جہتی کے چند کلمات کنڑی زبان میں ادا کئے اور رخصت ہو کر اپنے محل کی طرف چلا گیا۔ بادشاہ کو دیورائے کی یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ فیروزشاہ نے میر فضل اللہ شیرازی سے کہا کہ شرط تو یہ تھی کہ دیورائے لشکرگاہ تک فیروزشاہ کے ساتھ چلے گا لیکن وہ راستہ ہی سے پلٹ گیا۔ فیروزشاہ نے فرط غیظ میں کہا کہ خیر دیکھا جائیگا اور راجہ اپنے اس فعل کا مزا چکھ کر رہے گا۔ بادشاہ کی یہ بات دیورائے کے کانوں تک بھی پہونچی اور اس نے بھی چند ناگوار کلمات اپنی زبان سے نکالے مختصر یہ کہ باوجود دامادی کا رشتہ قایم ہو جانے کے بھی دیورائے اور فیروزشاہ کے دل ایک دوسرے سے صاف نہ ہوئے۔ بادشاہ فیروزآباد پہونچا اور اسنے

حکم دیا کہ ایک گروہ مدگل جائے اور پرتھال کو مع اوس کے ماں باپ کے
ہمراہ لائے۔ شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور پرتھال بادشاہ کے ملاحظہ میں
پیش ہوئی۔ بادشاہ نے پرتھال کو ویسا ہی پایا جیسا کہ سنا تھا اور اُس
پری جمال لڑکی کے حسن و جمال اور اُس کی عاقبت اندیشی کی بیحد تعریف کی
فیروز شاہ نے پرتھال کے بارے میں پورے انصاف سے کام لیا اور
کہا کہ میں خود ضعیف اور لب گور ہوں اور یہ لڑکی جوان ہے مناسب
یہ ہے کہ یہ نازنین شاہزادہ حسن خان کے محل کی زینت ہو۔ بادشاہ نے
پرتھال کے ماں باپ کو نقد دولت بھی عطا کی اور مدگل کا گاؤں جو پرتھال
کا وطن تھا اُس کے ماں باپ کی جاگیر میں عطا کر کے پرتھال کو اپنی پھوپی
کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ پرتھال کی عروسی
کا سامان کیا جائے۔ شاہی حکم کے موافق جشن منعقد کیا گیا اور پرتھال
شہزادہ حسن خاں کے محل میں داخل ہوئی غرضکہ پرتھال کی عالی ہمتی
نے اسے سنار کی جھوپڑی سے قصر شاہی کا مالک بنایا۔ ۸۱۰ھ میں فیروز شاہ
نے اپنی ریاضی دانی اور مہارت ہندسہ کا ثبوت دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا
کہ بالاگھاٹ دولت آباد میں رصدگاہ قایم کی جائے۔ حکیم حسن گیلانی
اور سید محمد گازرونی جو علمائے دربار میں ریاضیات میں ایک خاص پایہ
رکھتے تھے اور دوسرے فاضلوں کی مدد سے اس کام کو انجام دینے کے
لیئے مامور کیئے گئے لیکن حسن گیلانی کی بے وقت موت اور نیز دیگر وجوہات سے اس یادگار
کو ادھورا چھوڑا ۸۱۵ھ میں فیروز شاہ شکار کے بہانہ سے گونڈواڑہ گیا اور
اور اُس ولایت کو تاخت و تاراج کر کے ہندوؤں کے مقابلہ میں کئی معرکے
سر کیئے اور تقریباً تین سو ہاتھی گرفتار کر کے اپنے پایۂ تخت کو واپس آیا۔
اسی درمیان میں خبر رسانوں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ ایک عالی نسب
اور ولی کامل فرزند رسول سید محمد گیسو دراز نامی دہلی سے دکن تشریف
لا رہے ہیں اور حضرت خواجہ صاحب حسن آباد گلبرگہ کے قریب پہنچ گئے
ہیں۔ فیروز شاہ ہمیشہ سے باکمال لوگوں کا شیدائی تھا یہ خبر سنتے ہی بیحد

خوش ہوا اور بہت جلد فیروز آباد سے گلبرگہ پہونچا۔ اپنے تمام ارکان دولت اور
عزیزوں کو حضرت بندہ نواز کے استقبال کے لئے روانہ کیا سید صاحب بیحد
عزت اور وقعت کے ساتھ شہر میں تشریف لائے۔ فیروز شاہ حکیم طبیعت تھا
اور حضرت بندہ نواز نے علوم ظاہری اور بالخصوص معقولات کا ظاہری اکتساب
نہ کیا تھا۔ بادشاہ نے جناب سید کے ساتھ کچھ عقیدت نہ ظاہر کی لیکن اپنے
بھائی کے خلاف احمد خاں خان خاناں حضرت بندہ نواز کا بیحد معتقد ہو گیا۔
خان خاناں نے جناب سید کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور اکثر خدمت میں
حاضر ہو کر آپ کے صوفیانہ کلام سے حظ اور فائدہ اٹھایا کرتا تھا۔ خان خاناں
حضرت بندہ نواز کی مجلس سماع میں بھی حاضر ہوتا تھا اور خانقاہ کے درویشوں
کو طرح طرح کی عنایتوں سے خوش اور سرفراز کرتا تھا۔ ۸۱۸ھ میں بادشاہ نے
اپنے عیش پرست اور نافہم فرزند اکبر حسن خان کو اپنا جانشین قرار دیکر بیٹے کو کلاہ
و کمر شاہانہ اور چتر سیاہ و فیل و تخت عنایت کیا اور شاہزادہ حسن خاں کی تخت نشینی
تمام ارکان دولت سے اقراری بیعت لی اور ایک قاصد سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ
کی خدمت میں بھیجکر حضرت بندہ نواز سے بھی حسن خاں کے حق میں دعائے خیر کا
طلبگار ہوا۔ حضرت بندہ نواز نے شاہی قاصدوں کو جواب دیا کہ جو شخص
خاص بادشاہ کی عنایتوں سے سرفراز ہو چکا ہو اُس کو اب فقیر کی دعا کی کیا حاجت
ہے۔ فیروز شاہ نے دوبارہ قاصدوں کو حضرت بندہ نواز کی خدمت میں بھیجا
اور اپنی درخواست قبول فرمانے کی بیحد اصرار کے ساتھ التجا کی۔ حضرت
گیسو دراز نے جواب میں قاصدوں سے فرمایا کہ بادشاہ سے کہدو کہ فیروز شاہ
کے بعد تاج شاہی عالم بالا سے احمد خاں خان خاناں کے لئے مقرر ہو چکا ہے
تقدیر الٰہی سے لڑنا بیکار ہے اور اب کسی دوسرے کے لئے اس کی کوشش
کرنا بے سود ہے۔ فیروز شاہ کو اس جواب سے بیحد رنج ہوا۔ بادشاہ نے اپنی
اس رنجش کو اس طرح ظاہر کیا کہ حضرت بندہ نواز کو اس بات کا پیغام دیا کہ قلعہ
شاہی سے خانقاہ بہت قریب ہے اور حضرت گیسو دراز کے آستانہ پر فقیروں
اور حاجت مندوں کا ہجوم ہوتا ہے اس لئے آپ کا قیام شہر کے باہر زیادہ

مناسب ہے۔ حضرت گیسو دراز بادشاہ کے اس فرمان سے مجبور ہوئے اور اب اپنے اہل و عیال کے ہمراہ شہر کے باہر اسی جگہ مقیم ہوئے جہاں اسوقت حضرت بندہ نواز کی قبر شریف زیارت گاہ عالم ہے۔ بندہ نواز کے مریدوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک عالی شان عمارت پیرومرشد کے قیام کے لئے اپنے ہاتھوں سے کھڑی کر دی۔

سنہ ھ میں فیروز شاہ نے راجہ تلنگانہ کے پاس قاصد روانہ کئے اور چند سال کا نہ ادا کیا ہوا خراج اُس سے طلب کیا۔ راجہ نے اطاعت کر کے اس قدر نقد و جنس فیروز شاہ کی خدمت میں روانہ کیا کہ بادشاہ کا مزاج اصلاح پر آگیا۔ اسی سنہ کے وسط میں بادشاہ نے قلعہ پاتکل کی جو اس زمانہ میں نلگنڈہ کے نام سے مشہور ہے تسخیر کا ارادہ کیا۔ پاتکل سے ادونی تک اسی کوس کا فاصلہ ہے۔ بادشاہ نے پاتکل پر لشکر کشی کی اور رشتہ داری اور قرابت کے خیال سے قطع نظر کر کے سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا قلعہ کے نواح میں پہنچا۔ دو سال کامل قلعہ کا محاصرہ جاری رکھا لیکن حصار سر نہ ہوا تھا کہ بہمنی لشکر میں بیماری پھیل گئی۔ بیشمار آدمی اور گھوڑے اس مرض کا شکار ہوئے اور بہت سے سپاہی موقع اور بے موقع ہر طرح پر جان بچا کر اپنی جاگیروں کو بھاگ گئے۔ فیروز شاہ کی اس ناکامی کو دیورائے نے غنیمت سمجھا اُس نے اطراف مملکت سے بیشمار سوار اور پیادے جمع کئے اور تمام ہندو راجاؤں سے جن میں راجہ تلنگانہ بھی شریک تھا مدد حاصل کر کے حشر انبوہ لشکر ساتھ لے کر فیروز شاہ سے لڑنے کے لئے آگے بڑھا فیروز شاہ یہ جانتا تھا کہ مسلمانوں میں اس وقت ہندوؤں سے مقابلہ کرنیکی قوت نہیں ہے لیکن شاہی غیرت نے بادشاہ کو لڑنے سے منہ نہ موڑنے دیا میر فضل اللہ شیرازی اور دوسرے عمائد سلطنت نے بادشاہ کو بہت کچھ سمجھایا لیکن فیروز شاہ نے ایک نہ سنی اور دیورائے کے مقابلہ کے لیے میدان جنگ میں آگیا۔ میر فضل اللہ شیرازی نے جو بہمنی فوج کا سر لشکر تھا مردانہ حملہ کیا اور ہندوؤں کے پیشرو لشکر کو درہم و برہم کر کے دیورائے کے میمنہ پر حملہ آور ہوا۔ قریب تھا کہ ہندوؤں کا یہ دستہ بھی شیرازی کی تیغ زنی

سے تباہ و برباد ہو جائے کہ ایک کنڑی فوج کے ہندو نے جو عرصہ سے شیرازی کا خانگی نوکر اور اس کا نمک خوار تھا اپنے مالک کے ساتھ دغا کی۔ یہ شخص دیورائے کے قریب میں آگیا اور حکومت کی طمع نے مخدوم کا سر خادم کے ہاتھوں سے رنگین کیا۔ شیرازی ہندوؤں کے دستے کے دستے تہ و بالا کر رہا تھا کہ عین معرکہ جنگ میں اس ہندو نے شیرازی کے سر پر ایک کاری زخم لگا کر خاندان بہمنیہ کے اس نامی امیر کو خاک و خون کا ڈھیر کر دیا۔ فضل اللہ شیرازی کی موت نے فیروز شاہ کے لشکر میں ہل چل مچا دی اتفاق سے مسلمانوں کے میسرہ پر بھی بہت سے سردار قربان ہوئے۔ فیروز شاہ کو شکست ہوئی اور بادشاہ نے اپنے بھائی احمد خاں خان خاناں کی حسن تدبیر اور اس کے زور شجاعت سے اپنا زخم خوردہ اور پراگندہ لشکر ساتھ لے کر دیورائے سے نجات حاصل کی۔ ہندوؤں نے قتل عام کا حکم دیا اور اس قدر مسلمان تہ تیغ کیے کہ ان کے سروں سے میدان جنگ میں چبوترے بنائے گئے۔ مسلمان سپاہی میدان سے بھاگے اور ہندوؤں نے انکا پیچھا کیا دیورائے نے فیروز شاہ کے اکثر شہروں پر قبضہ کر لیا۔ ہندوؤں نے مسجدوں کے توڑنے اور قتل و غارت کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی اور اس طرح گویا سالہائے سال کے کینہ کو دل سے نکالا۔ فیروز شاہ نے عاجز ہو کر گجرات سے مدد طلب کی اور میر غیاث الدین ولد میر فضل اللہ شیرازی کو قاصد بنا کر احمد شاہ گجراتی کی خدمت میں روانہ کیا۔ احمد شاہ کی تخت نشینی کو زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا اور خود اسی کے مہمات سلطنت ابھی قابل مدد اور توجہ تھے فیروز شاہ کی اس تدبیر سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخرکار احمد خاں خان خاناں نے خزانہ کا دروازہ کھولا اور پراگندہ لشکر کو پھر جمع کر کے خان خاناں نے دیورائے کو بہمنی سرحد کے باہر نکالا اور پھر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شاہی عنایتوں سے سرفراز ہوا۔ فیروز شاہ اور خاندان بہمنیہ کے معزز اراکین اور امرا اس شکست کا بدلہ لینے کی تدبیروں میں سرگرم ہوئے فیروز شاہ کو اپنے بڑھاپے کے زمانہ میں دشمن کے ہاتھ سے ذلت اٹھانی پڑی۔

غیور طبیعت بادشاہ کو اس شکست کا بے حد صدمہ ہوا اور غم و غصہ نے فیروز شاہ کو تخت شاہی سے اتار کر بستر بیماری پر لٹا دیا۔ بادشاہ کے مرض نے طول کھینچا اور ہوشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک فیروز شاہ کے دو معتبر غلام سیاہ و سپید کے مالک بن گئے۔ بادشاہ نے تمام مہمات سلطنت کا سرانجام ان دونوں غلاموں کے قبضۂ اقتدار میں دیدیا ان دونوں غلاموں نے احمد خاں کے اوضاع و اطوار سے سمجھ لیا کہ خان خاناں کے تیور کچھ اور کہتے ہیں اور اس کی اولو العزم نگاہ تخت سلطنت پر دعوے کے ساتھ پڑ رہی ہے۔ عین الملک اور نظام الملک نے خلوت میں فیروز شاہ سے کہا کہ حسن خاں کا حکومت پر جلوس کرنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ احمد کا قدم درمیان سے ہٹا دیا جائے۔ غلاموں کے کہنے سے فیروز شاہ کو حضرت خواجہ بندہ نواز کا قول بھی یاد آیا اور بادشاہ نے نور نظر کی محبت میں بھائی کی آنکھوں پر قہر و غضب کی نگاہ ڈالی عین الملک اور نظام الملک کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ خان خاناں کو نابینا کر کے دنیا اس کی آنکھوں میں تاریک کر دی جائے۔ جس دن احمد خاں کو یہ روز سیاہ دیکھنا تھا اس سے ایک دن قبل اسکو اس مشورہ کی اطلاع ہو گئی۔ احمد خاں اپنے بیٹے علاء الدین کو ساتھ لیکر حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری داستان حضرت گیسو دراز کو سنائی۔ بندہ نواز نے فوراً اپنے عمامہ کے دو ٹکڑے کئے اور ایک حصہ احمد خاں کے اور دوسرا علاء الدین کے سر پر باندھ کر دونوں باپ بیٹوں کو تاج شاہی کا مژدہ سنایا اور دونوں کے حق میں دعائے خیر کی بندہ نواز نے اس بات کو خان خاناں کے لئے باعث برکت اور شگون نیک خیال فرمایا اور جو کچھ ماحضر موجود تھا اسے خان خاناں اور علاء الدین کے سامنے رکھا اور خود بھی دونوں کے ساتھ شریک طعام ہوئے۔ احمد خاں حضرت بندہ نواز سے بشارت حکومت پا کر گھر آیا اور رات بھر سامان سفر کی تیاریاں کرتا رہا صبح تڑکے ہی احمد خاں نے چار سو تجربہ کار مسلح جوانوں کو اپنے ہمراہ لیا اور گلبرگہ سے فرار ہو گیا۔ اسی اثناء میں ایک سوداگر جو خلف حسن بصری کے نام سے مشہور اور احمد خاں کا قدیم بہی خواہ تھا۔ خان خاناں کے ارادے کو سمجھ گیا۔ یہ تاجر گھر سے باہر نکل کر دروازے پر کھڑا ہو گیا اور احمد خاں کو دیکھتے ہی اس نے شاہانہ مجرا کیا۔ احمد خاں اپنے پرانے مخلص

کی اس ادا کو فال نیک سمجھا اور محبت آمیز لہجہ میں اس سے کہا کہ بہت جلد اپنے گھر میں چھپ رہو
کہیں ایسا نہو کہ میری محبت میں تم مبتلائے مصیبت ہو۔ خلف حسن بصری نے کہا کہ
آسائش اور آرام میں شریک کار رہنا اور مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑنا
آئین وفاداری میں حرام ہے جب تک کہ سینہ میں دم رہیگا میں آپ سے جدا نہیں ہو سکتا۔
اس تاجر نے خان خاناں سے کہا کہ مجھے حقیر سمجھ کر اپنے سے جدا نہ کرو بادشاہ کو
جس طرح عالی حوصلہ ملازموں کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح کم ہمت اور ذلیل خادموں
کی بھی حاجت ہوتی ہے۔ مشہور ہے کہ ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ دنیا میں سوئی
کا کام نیزہ سے اور قلمتراش کی خدمت تلوار سے انجام نہیں پاتی۔ اگر خان خاناں
اسے بھی اپنے ملازموں کے گروہ میں جگہ دے گا تو خلف حسن بصری جاں نثاری اور
اطاعت گذاری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے گا۔ احمد خاں پر خلف حسن بصری کا خلوص
اور اس کی یکجہتی کا بڑا اثر ہوا اور خان خاناں نے اسے متاثر لہجہ میں جواب دیا کہ
اگر اسے خدا نے تخت سلطنت نصیب کیا تو احمد خاں خلف حسن بصری کو اپنا شریک
وسہیم سمجھیگا۔ احمد خاں آگے بڑھا اور اس روز خانان پور میں مقیم رہا خان خاناں نے
نذر کی کہ اگر خدا اسے بادشاہ کرے گا تو وہ اس قصبہ کو رسول آباد کے نام سے موسوم
کر کے اس کی آمدنی مکہ۔ مدینہ۔ نجف اور کربلا کے سیدوں کی مدد معاش میں وقف
کر دے گا۔ ہشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک کی آنکھیں خواب غفلت سے کھلیں
اور خان خاناں کے فرار ہونے کی خبر سنکر دونوں غلام پریشان و بدحواس آقا کی
خدمت میں حاضر ہوئے اور بادشاہ سے ساری داستان بیان کی۔ ان امیروں
نے فیروز شاہ سے احمد خاں کے تعاقب کرنے کی اجازت حاصل کی اور تین یا چار ہزار
سواروں اور چند جنگی ہاتھیوں کو ساتھ لیکر احمد خاں کے نقش قدم پر روانہ ہوئے۔
احمد خاں نے اپنے نوکروں کی کمی اور دشمنوں کی کثرت کا لحاظ کر کے ارادہ کیا کہ
شہر کے اندر آ کر بعض امیروں کو ہمدرد بنائے خلف حسن بصری نے اس کو اس ارادہ
سے روکا اور خان خاناں کے سر پر چتر سیاہ سایہ فگن کر کے اس نے قاصد گلبرگہ۔
بیدر اور کلیانی روانہ کئے اور بہت سے شاہی ملازموں اور آزاد طبع لوگوں اور بیگاریوں
کو آیندہ کے وعدوں پر راضی کیا اور احمد خاں کے لئے اچھی خاصی جمعیت بہم پہونچا لی۔

احمد خاں نے اس دوران میں جنگ سے پہلو تہی کر کے گلبرگہ کے اطراف و نواح میں سیر و تفریح میں دن کاٹے۔ ادھر احمد خاں کی فوج میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور ادھر عین الملک کی مدد کے لئے بھی نیا لشکر پہونچ گیا۔ شاہی امیروں نے خان خاناں کو چاروں طرف سے گھیر کر سلامتی کی راہ اس پر ہر سمت سے بند کر دی۔ آٹھ ہزار شاہی سپاہی اور ایک ہزار سوار و پیادے خود بیدار نظام الملک کے ملازم احمد خاں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ بقال جن کو ہندیوں کی اصطلاح میں بنجارہ کہتے ہیں دو ہزار بیل غلہ سے لدے ہوئے لے کر برار سے کلیانی پہونچے اور اسی طرح لاہور کے سوداگر تین سو گھوڑے تجارت کے لئے جا رہے تھے کہ راستہ کا خطرہ سنکر یہ تاجر بھی کلیانی میں ٹھہر گئے۔ خلف حسن بصری نے جو لڑنے اور جان دینے پر کمر بستہ تھا احمد خاں سے کہا کہ صلاح وقت یہ ہے کہ گھوڑے قیمت پر سوداگروں سے خرید لئے جائیں اور بیل بنجاروں سے عاریتاً حاصل کئے جائیں دکن کی رسم کے موافق رنگ برنگ کی بیرقیں لکڑیوں میں باندھ کر پیادوں کو دی جائیں اور یہ پیادے بیلوں پر سوار کر دئے جائیں اور اسی طرح گھوڑوں پر بھی پیادے سوار کرائے جائیں اور اس طرح صف بندی کر کے لڑائی شروع کی جائے۔ لڑائی کی آگ بھڑکتے ہی بیلوں کی فوج خان خاناں کے لشکر کے ایک طرف سے نمودار ہو اور یہ مشہور کیا جائے کہ احمد خانی امیر اپنی اپنی جاگیروں سے مدد لے کر آگئے ہیں شاید کہ اسی طرح دشمن خوف زدہ ہو کر میدان جنگ سے فرار کرے۔ احمد خاں نے اس رائے کو معقول سمجھ کر اس پر عمل کرنے سے انکار کیا شاہی فوج اب بالکل قریب پہونچ گئی۔ احمد خاں آگے بڑھ رہا تھا کہ چلتے چلتے تھک گیا اور پریشان اور غمگین ایک درخت کے سایہ کے نیچے لیٹ کر سو رہا ابھی آنکھ لگی تھی کہ دیکھتا کیا ہے کہ ایک بزرگ فقیرانہ لباس پہنے ہوئے آرہے ہیں اور ایک سبز تاج بارہ گوشوں کا ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھا ہوا ہے۔ احمد خاں ان حضرت کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھکر آگے بڑھا اور جھک کر ان بزرگ کو سلام کیا فقیر نے خان خاناں کو مبارکباد دی اور تاج اس کے سر پر رکھکر احمد خاں سے کہا کہ یہ تحفۂ درویش تاج شاہی ہے جسے ایک گوشہ نشین دلی کامل نے تیرے لئے بھیجا ہے احمد خاں خوشی کے مارے خواب سے جاگ پڑا اور اس نے اسی وقت غیبی بشارت کا خلف حسن بصری سے تذکرہ کر کے کہا کہ ابتک میں لڑائی چھیڑنے کی بابت پس و پیش

کر رہا تھا لیکن اب جبکہ ہاتف غیب نے مجھے مژدۂ سلطنت سے شادکام کر دیا تو میں تلوار اٹھانے کے لئے ہمہ تن تیار ہوں۔ احمد خاں نے خلف حسن بصری کو اس کی سوچی ہوئی تدبیر کو عمل میں لانے کی ہدایت کی خلف حسن بصری خان خاناں سے رخصت ہوا اور دو سو سواروں کے ساتھ کلیانی پہونچا۔ حسن بصری نے اپنی شیریں زبانی اور مہربانی سے گھوڑے اور بیل بخوشی ان کے مالکوں سے حاصل کئے اور باستعجال پھر واپس آیا۔ خلف حسن بصری نے یہ کارگذاری اس احتیاط سے کی کہ کسی شخص کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اس بادفا تاجر نے راتوں رات بیرقوں کو تیار کیا اور دوسرے دن صبح کو جنگ کا نقارہ بجا کر حریف سے مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ خلف حسن بصری نے میمنہ اور میسرہ کو مرتب کیا اور بے حد آہستگی کے ساتھ شاہی فوج کے مقابلہ میں آیا اور یہ مشہور کیا کہ فلاں فلاں امیر احمد خاں کے طرفدار بن کر اپنی اپنی جاگیروں سے روانہ ہو چکے ہیں اور دو تین کوس کے فاصلہ پر ہیں۔ احمد خاں کے سپاہی اس خبر کو سن کر باوجود کمی فوج کے جان دینے کے لئے آمادہ ہو گئے ہوشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک بھی اگرچہ اس خبر سے دہل گئے لیکن اپنی سپاہ گری پر نظر کر کے اپنی فوج کے ہمراہ میدان میں آئے طرفین کا سامنا ہوا اور خلف حسن بصری نے تاجروں کے مستعار گھوڑوں پر تین سو سواروں کو بہت عمدہ طریقہ پر میدان جنگ کے ایک جانب سے جو سطح میدان تھا حریف کے سامنے پیش کیا۔ ہشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک کو حریف کی تازہ مدد پہونچنے کا یقین ہو گیا۔ اور اپنے ارادوں میں ڈگمگانے لگے۔ اس وقت احمد خاں نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا اور اپنے ایک ہزار یک دل و یک زبان سپاہیوں کے ساتھ دشمن کے قلب لشکر پر حملہ آور ہوا۔ ہشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک دونوں قلب لشکر میں موجود تھے۔ ان امیروں نے دیکھا کہ میمنہ اور میسرہ کے افسروں نے میدان جنگ سے منہ موڑ دیا اور خود بھی دو چار ہاتھ چلانے کے بعد فراری ہوئے۔ احمد خاں کو فتح حاصل ہوئی خان خاناں نے شاہی فوج کا تعاقب کیا اور بے شمار گھوڑے ہاتھی اور تمام مال غنیمت پر قابض ہوا۔ احمد خاں نے گلبرگہ سے چند کوس کے فاصلہ پر قیام کیا اور پائے تخت کے لشکر کا ایک بہت بڑا حصہ خان خاناں کا حلقہ بگوش ہو گیا

فیروز شاہ نے باوجود مرض الموت میں مبتلا ہونے کے ہشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک کے مشورہ سے حسن خاں کے سر پر چتر شاہی رکھا اور قلعہ کو چند معتبر امیروں کے سپرد کر کے خود پالکی میں سوار ہوا اور چار ہزار خاصہ کے سپاہیوں کو ساتھ لے کر توپخانہ اور ہاتھیوں کی کثیر تعداد کے ہمراہ خان خاناں کی تباہی کے لئے روانہ ہوا۔ احمد خاں کو بادشاہ کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ وہ بھی آگے بڑھا اور گلبرگہ سے تین کوس کے فاصلہ پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور جانبین سے صف آرائی ہونے لگی۔ تقدیر الٰہی یہی تھی کہ احمد خاں تخت سلطنت کا مالک ہو قبل اس کے کہ لڑائی کا آغاز ہو فیروز شاہ کو ضعف بیماری کی وجہ سے غش آ گیا اور سارے لشکر میں مشہور ہو گیا کہ بادشاہ نے دنیا سے کوچ کیا۔ فوج کا ہر چھوٹا بڑا شاہی لشکر سے جدا ہو کر احمد خاں سے جا ملا۔ ہشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک پریشان اور خوف زدہ ہو گئے۔ ان دونوں غلاموں نے بے ہوش آقا کو پالکی پر سوار کیا اور جلد سے جلد قلعۂ شاہی کی راہ لی۔ حصار کے دروازے پر پہونچ کر بادشاہ کو ہوش آیا اور زمانہ کی گردش کا قصہ سن کر خاموش ہو رہا۔ احمد خاں نے بادشاہ کی رعایت اور ادب کو پیش نظر رکھ کر شاہی سواری کا تعاقب نہیں کیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ بادشاہ اطمینان کے ساتھ قلعہ میں داخل ہو گیا تو اس نے بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آگے قدم بڑھایا اور حصار کے گرد خیمہ زن ہوا۔ ہشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک شاہزادہ حسن خاں کو ساتھ لے کر قلعہ کے برج پر پہونچے اور حریف کے لشکر پر توپ و تفنگ سے بوچھار کرنے لگے۔ اتفاق سے ایک گولہ احمد خاں کے خیمہ پر لگا اور اس کے ساتھیوں کی ایک جماعت ہلاک ہوئی احمد خاں نے قلعہ کے قریب قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے ہٹ کر تھوڑے فاصلہ پر خیمہ زن ہوا۔ ان واقعات کی بادشاہ کو اطلاع ہوئی۔ فیروز شاہ نے حسن خاں کو بلایا اور بیٹے سے کہا کہ سلطنت ہمیشہ لشکر کی موافقت اور انکی رفاقت سے راست آتی ہے۔ اب جبکہ ساری فوج تیرے چچا کی حکمرانی کی خواہاں ہے تو تجھے بھی لازم ہے کہ نزاع و فساد کو جو باعث زوال و تباہی ہے علیحدہ رکھ اور احمد خاں کی اطاعت قبول کر اور

قلعہ کا دروازہ کھلوا دیا۔ شاہی پیادے احمد خاں اور اس کے چند معتبر سرداروں کو قلعہ کے اندر لے گئے۔ وہ بادشاہ کے سرہانے پہونچا اور فرط محبت سے بے اختیار ہو کر فیروز شاہ کے قدموں پر گر پڑا اور زار زار رونے لگا۔ فیروز شاہ نے بے حد خوشی کا اظہار کیا اور احمد خاں سے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں تمھیں بادشاہ دیکھ لیا شفقت پدری سے مجبور ہو کر میں نے حسن خاں کو ولی عہد بنایا اور اس کی تخت نشینی کی کوشش کی ورنہ درحقیقت حکمرانی کی قابلیت اور سلطنت کا استحقاق تمھیں کو حاصل ہے اب میں تمھیں خدا کے سپرد کر کے حسن کو تمھیں سونپتا ہوں۔ اٹھو اور مہمات سلطنت کو انجام دو اور میری اس چند روزہ زندگی میں مجھ سے غافل نہ رہو۔ احمد خاں نے پانچویں ماہ شوال ۸۲۵ھ میں بھائی کا بنایا ہوا تاج سر پر رکھ کر تخت فیروزہ پر جلوس کیا اور اپنے کو سلطان احمد شاہ بہمنی کے نام سے مشہور کر کے سکہ اور خطبہ اپنے نام کا جاری کیا۔ پانچویں ماہ شوال ۸۲۵ھ کو فیروز شاہ نے دنیا سے کوچ کیا۔ احمد خاں نے بھائی کا جنازہ شاہانہ دبدبہ اور عظمت سے اٹھایا اور باپ دادا کے پہلو میں بھائی کو بھی پیوند خاک کیا۔ فیروز شاہ نے پچیس سال سات مہینہ پندرہ روز حکمرانی کی بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ احمد خاں نے اپنے بھانجے شیر خاں کے ذریعہ سے فیروز شاہ کا گلا گھونٹوا دیا۔

احمد شاہ بہمنی
بن
سلطان داؤد شاہ بہمنی

احمد شاہ بہمنی لشکر کشی کے قوانین اور فرمانروائی کے آداب اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ بادشاہ اپنے بھائی کی پوری پیروی کرتا۔ سادات۔ علماء۔ اور مشائخ کی تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا تھا۔ احمد شاہ حضرت خواجہ بندہ نواز کی کرامت اور ان کے کشف صحیح کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ بادشاہ ابتدا ہی سے حضرت گیسو دراز کا حلقہ بگوش تھا۔ تخت سلطنت پر بیٹھکر بندہ نواز کا زر خرید غلام ہو گیا۔ رعایا نے بھی بادشاہ کی تقلید کی۔ اور حضرت گیسو دراز کا آستانہ دکن کا ملجا اور ماوی بنگیا احمد شاہ نے اپنے اسلاف کی روش کے خلاف شیخ محمد سراج کے خاندان سے ترک ارادت کیا اور حضرت بندہ نواز سے بیعت کر کے سرکار گلبرگہ سے چند قریہ اور قصبے مصارف خانقاہ کے لئے وقف کئے۔ اور ایک عالیشان عمارت شہر کے متصل

حضرت گیسو دراز کے قیام کے لئے تیار کرائی۔ اس وقت بھی جبکہ گلبرگہ حکومت خاندان بہمنیہ سے عادل شاہیہ سلاطین میں منتقل ہو چکی ہے۔ احمد شاہ کے وقف کردہ قصبات حضرت بندہ نواز کی اولاد کی ملکیت میں بحال و برقرار ہیں۔

دکن کے باشندے حضرت گیسو دراز کے اس حد تک معتقد ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے ایک دکنی سے پوچھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں یا سید محمد گیسو دراز دکنی پیر پرست نے جواب دیا کہ محمد رسول اللہ اگرچہ پیغمبر خدا ہیں لیکن سبحان اللہ سید گیسو دراز چیز ہی اور ہیں۔ اس حکایت سے اہل دکن کے عقیدے پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نواح کے باشندے حضرت بندہ نواز اور ان کی اولاد کی کس حد تک تعظیم کرتے ہیں۔ احمد شاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی فیروز شاہ کی شکست کا دیورائے سے انتقام لینا چاہا اور اپنی ساری قوت و طاقت سامان اور فوج کی درستی میں صرف کرنے لگا۔ احمد شاہ نے خلف حسن بصری کو وکیل السلطنت کے عہدہ پر مامور کرکے منصب دو ہزار و دو صدی پر سرفراز کیا۔ بادشاہ نے اس بات کو مدنظر رکھکر کہ خلف حسن بصری اس سے پیشتر سوداگری پیشہ تھا۔ وکیل السلطنت کو ملک التجار کے خطاب سے بھی سرفراز فرمایا۔ یہ خطاب سارے صوبہ میں مشہور ہو گیا۔ چنانچہ آج تک خطاب مذکور ملک دکن میں زبان زد عالم ہے۔ احمد شاہ نے ہوشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک کی وفاداری اور آقا پرستی پر پورا لحاظ کیا۔ اور عین الملک کو امیر الامراء کا خطاب دیکر ہزار و پانصدی کے منصب سے سرفراز کیا اور بعد نظام الملک کو سر لشکر دولت آباد مقرر کرکے منصب دو ہزاری عنایت کیا۔ معتبر تاریخوں میں مذکور ہے کہ سلاطین بہمنیہ کے دربار میں چار دو ہزاری منصب دار رہتے تھے اور یہ چاروں امیر اطراف سلطنت کے صوبہ دار اور سر لشکر ہوتے تھے۔ امیر الامراء ایک ہزاری و پانصدی کا منصب دار تھا۔ اسی طرح وکیل السلطنت کو ہزار و دو صدی کا منصب عنایت ہوتا تھا۔ باقی امیر اور منصب دار ہزار سے زائد اور سو سے کم نہ ہوتے تھے۔ جو امیر کہ ایک ہزاری یا اس سے زائد کا منصب دار کیا جاتا تھا اسے طوق و علم و نقارہ بھی دربار شاہی سے مرحمت ہوتا تھا۔ حسن خاں باوجودیکہ وارث تاج و تخت تھا۔ لیکن امراء اور درباریوں میں ایسا نامقبول رہا کہ کسی نے اس کے قتل و قید کا بادشاہ کو مشورہ

دیا۔ اور کسی نے اسے اندھا بنانے کی صلاح دی لیکن احمد شاہ نے ان میں سے کسی بات پر بھی عمل نہیں کیا اور اسے پانصدی منصب عطا کرکے قلعہ فیروز آباد میں قیام کرنے کا حکم دیا حسن خاں عیش کا متوالا تھا اسے خود دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ بادشاہ نے فیروز آباد اس کی جاگیر میں دیدیا۔ اور حکم دیا کہ قلعہ میں عیش و عشرت کے ساتھ زندگی کے دن بسر کرے۔ اور اگر جی چاہے تو فیروز آباد سے چار کوس کے فاصلہ تک سیر و شکار میں آمد و رفت بھی کرے۔ حسن خاں کو حکم تھا کہ فیروز آباد سے چار کوس کے بعد بلا اجازت قدم نہ رکھے حسن خاں نے اس بے فکری کی زندگی کو تاج شاہی سے لاکھ درجہ غنیمت سمجھکر اسے بخوشی قبول کیا۔ اور احمد شاہ کی زندگی میں کبھی چچا کے دل کو اپنے سے آزردہ اور رنجیدہ نہ ہونے دیا۔ احمد شاہ کی وفات کے بعد حسن خاں کے سر پر مصیبت آئی اور نابینا کرکے فیروز آباد کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ اور اسی حالت میں اس نے وفات پائی۔ احمد شاہ نے اپنے پاکیزہ اخلاق اور دلکش عنایتوں سے خاص و عام سب کو اپنا مطیع بنا لیا۔ سرحد گجرات اپنے معتبر امیروں کے سپرد کرکے پہلے اس طرف سے اطمینان حاصل کیا اور اس کے بعد چالیس ہزار تجربہ کار اور بہادر سپاہیوں کا ایک لشکر ساتھ لیکر کرناٹک روانہ ہوا۔ دیورائے نے اس معرکہ کو پہلی جنگ تصور کرکے اپنے لشکر کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ اور ورنگل کے راجہ کو بھی اپنی مدد کے لئے بلایا۔ غرضکہ دیورائے ایک حشر انبوہ فوج ساتھ لیکر مسلمانوں کی تباہی کے لئے آگے بڑھا۔ اور دریائے تھدرہ کے کنارہ آکر خیمہ زن ہوا۔ احمد شاہ بھی سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا لب ساحل پہنچا اور دیورائے کے مقابلے میں مقیم ہوا۔ غنیم کے لشکر میں دو لاکھ توپچی اور کماندار تھے۔ یہہ لوگ ہر رات چوروں کی طرح بہمنی لشکر میں آتے اور گھوڑوں اور سپاہیوں کو قتل کرکے پھر اپنے لشکر کو واپس چلے جاتے تھے۔ بادشاہ نے رومیوں کی طرح دو ہزار آتش خانوں کے عوا بے لشکر کے چاروں طرف روشن کرا دئے اور چالیس روز اسی طرح میدان میں مقیم رہا۔ احمد شاہ نے اس دوران میں دیورائے کے اس نواح کے تمام ممالک کو جی کھول کر تاراج کیا اور شہر کے شہر تباہ اور ویران کر دئے۔ بادشاہ نے اس بات کی کوشش کی کہ تلنگانہ کی فوج دریا کو پار کرکے احمد شاہ کے مقابلے میں

صف آرا ہو۔ لیکن اس تدبیر کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ احمد شاہ نے تمام امیروں اور منصب داروں کو بلایا اور ان سے لڑائی اور پایاب دریا کے عبور کرنے کی تدبیریں پوچھیں تمام درباریوں نے بالاتفاق دریا کو پار کرنے اور غیر مسلموں کے مقابلہ میں جان دینے پر حلف اٹھایا اور بالآخر یہ قرار پایا کہ دوسرے دن سارا لشکر آراستہ کر کے خدا کے نام پر دریا کو عبور کریں اور خون کی ندیاں بہائیں۔ مسلمانوں کے اس مشورہ کی خبر ہندوؤں نے بھی سنی۔ اور راجہ تلنگانہ تو کچھ رات گزرنے پر اپنے ملک کو روانہ ہو گیا۔ لیکن دیورائے نے صبح کو اپنی فوج آراستہ کی اور میدان میں آیا۔ اسی دوران میں عالم خاں لودھی اور دلاور خاں افغان جو بہمنی خاندان کے پشتینی نمک خوار تھے دریا کو پار کر کے ہندوؤں کے جوار میں خیمہ زن ہوئے اتفاق سے دیورائے اپنے چند مخصوص درباریوں کے ساتھ اور لشکر سے دور نیشکر کے ایک باغ کے کنارے سو رہا تھا۔ مسلمان سپاہی اس باغ کی غارتگری کے لئے اس طرف چلے۔ دیورائے خواب سے جاگا۔ اور یہ سمجھا کہ مسلمان اسے راجہ سمجھکر گرفتاری کے لئے آرہے ہیں۔ اور پریشان ہو کر خیمہ کے اندر چلا گیا مسلمان سپاہی بھی باغ میں داخل ہوئے اور انہوں نے ایسا اس چمن کو تاراج کیا کہ سارے باغ میں سبزی کا نام و نشان تک نہ رہا۔ اتفاق سے چند مسلمان دیورائے سے دوچار ہوئے۔ بہمنی سپاہی راجہ کو باغبان سمجھے اور نیشکر کا ایک پشتارہ اس کے کاندھے پر رکھکر راجہ کو اپنے ہمراہ لیچلے۔ دیورائے نے اسی میں اپنی جان کی خیر دیکھی اور خاموش ان سپاہیوں کے ساتھ ہو لیا۔ راجہ تھوڑی دور چلا تھا کہ احمد شاہ کی آمد۔ آمد اور دیورائے کے گم ہو جانے کا شور بلند ہونے لگا۔ ابھی تھوڑی رات باقی تھی کہ دیورائے کی فوج راجہ کے گم ہونے کی خبر سنکر ادھر اُدھر منتشر ہو گئی اور شاہی لشکر غارتگری میں مشغول ہوا۔ دیورائے اس قتل و تاراج کو غنیمت سمجھا اور اپنے حواس باختہ سپاہیوں کے ساتھ خود بھی میدان سے فراری ہو گیا راجہ ظہر کے قریب اپنے ایک امیر سے ملا۔ ہندو امیر نے دیورائے کو پہچانا اور راجہ نے چتر حکومت سر پر رکھ کر اپنے کو ہندو فوج کے سامنے ظاہر کیا۔ دیورائے کی سلامتی کی خبر جلد سے جلد اس کے لشکر میں پھیل گئی

اور سارے ہندو امیر اور سپاہی راجہ کے گرد جمع ہو گئے۔ دیورائے اپنی گرفتاری کے واقعہ کو شگون بد سمجھا اور بلا معرکہ آرائی کئے بیجانگر واپس ہو کر قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔

احمد شاہ نے بیجانگر کا رخ کیا اور غیر مسلموں کی سرحد میں داخل ہوتے ہی بہمنی تلوار نیام سے نکل آئی۔ اور ہندوؤں کے زن و فرزند قتل و اسیر ہونے لگے۔ احمد شاہ نے سلطان محمد شاہ غازی کی قرارداد کے برخلاف رحم کو دل سے دور کیا اور ہندوؤں کو بیدریغ تہ تیغ کرنے لگا۔ احمد شاہ نے بتخانوں کو ویران اور تباہ کیا اور کنیسوں کو بالکل ڈھا کر گاؤ کشی کے انہماک میں ہر روز عید قرباں منانے لگا۔ احمد شاہ نے چار روئیں بت گلبرگہ بھیجے اور حکم دیا کہ یہ مورتیں حضرت بندہ نواز کے آستانہ کے روبرو پہناب کر دی جائیں، تاکہ مریدوں اور معتقدوں کے پاؤں کے نیچے پامال ہوں۔ بادشاہ پر ہندو کشی کا ایسا نشہ ہوا کہ جس مقام پر بیس ہزار مقتولین کی تعداد پوری ہو جاتی تھی احمد شاہ اسی جگہ قیام کر کے جشن عشرت منعقد کرتا اور خوشی کے شادیانے بجواتا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں احمد شاہ کے ہاتھوں بتخانے ویران اور قربانی کے سامان ہو رہے تھے۔ اسی وقت ایک دن بادشاہ شکار کے لئے لشکر سے باہر آیا۔ اور ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ اس تگ و دو میں احمد شاہ اپنے لشکر سے چھ کوس کے فاصلہ پر نکل گیا۔ ہندوؤں کی پانچ یا چھ ہزار سپاہیوں کی ایک جماعت جس نے فرصت اور موقع پا کر بادشاہ کا کام تمام کرنے کی قسم کھائی تھی۔ احمد شاہ کو بے یار و مددگار جان کر احمد شاہ کے عقب میں روانہ ہوئی۔ یہ گروہ بادشاہ کے پاس پہونچا۔ احمد شاہ کے دو سو مغل تیر انداز بھی اپنے مالک سے جدا ہو کر جانور کے پیچھے دور نکل گئے تھے۔ بادشاہ ہندو فدائیوں کی اس جماعت کو آتا دیکھکر بہت پریشان ہوا اسی درمیان میں احمد شاہ نے ایک چار دیواری دیکھکر (یہ چھوٹی سی عمارت کاشتکاروں کا باڑہ تھا جسے کسانوں نے شہر سے دور جانوروں کی آسائش کے لئے تیار کیا تھا) مجبوراً اس کی طرف بھاگا۔ ہندوؤں نے بھی اس کا پیچھا کیا۔ اور جوش انتقام میں بھرے ہوئے احمد شاہ کا گلا کاٹنے کے لئے چار دیواری کی طرف

بڑھے۔ ابھی صید و صیاد کوئی بھی چار دیواری کی طرف نہ پہونچا تھا کہ راستہ میں ایک ٹوٹا نالہ سامنے آیا۔ ہندوؤں نے بھی اس نالہ کو پار کرنا چاہا اور قریب دو سو سواروں کے حریف کے تیروں سے ہلاک ہوئے۔ قریب تھا کہ احمد شاہ خود بھی تیروں کا شکار ہو کہ وہ تیر انداز جو جانوروں کو ہنکانے کے لئے آگے گئے ہوئے تھے۔ وقت پر پہنچے اور انھوں نے ہندو سپاہیوں پر تیر کی بوچھار کرنی شروع کی۔ ہندوؤں کو اپنے سنبھالنے میں کچھ عرصہ لگا اور احمد شاہ نے ہزاروں دقت اور خرابی کے ساتھ اپنے کو اس نالہ سے باہر نکالا۔ اور چار دیواری تک پہنچ گیا۔ شاہی تیر انداز دیواروں پر چڑھ گئے۔ اور انھوں نے ہندوؤں پر تیر برسانے شروع کئے۔ ان جاں نثاروں نے موت کا کلمہ پڑھنا شروع کیا۔ اور ہندوؤں کے مقابلہ میں جان دینے لگے۔ سید حسن بدخشی۔ میر فرخ بدخشی۔ میر علی سیستانی۔ میر علی کرد۔ عبداللہ کابلی۔ خسرو۔ اور ایک خواجہ حسن اردستانی۔ خواجہ بیگ قلندر۔ اور خواجہ قاسم صف شکن نے اس روز ایسی داد مردانگی دی کہ بادشاہ برابر ان کی تعریف کرتا رہا۔ ہندوؤں نے تفنگ کی ضربوں سے چند تیر اندازوں کو ہلاک کیا۔ اور مسلمانوں کو دیوار سے اترنے پر مجبور کیا۔ پانچ یا چھ ہزار ہندو سپاہی۔ تلوار و نیزہ اور خنجر لیکر بڑھے۔ اور انھوں نے دیوار کو کھودنا شروع کیا۔ احمد شاہ چند خاص ہمراہیوں کے ساتھ دیوار کے اندر حیران و پریشان سر جھکائے کھڑا تھا چونکہ احمد شاہ پر خدا کی رحمت تھی۔ عبدالقادر سر سلحداراں نے جو دو صدی منصب دار تھا یہ خیال کیا کہ بادشاہ صرف تھوڑی ہی جماعت ہمراہ لیکر شکار کو گیا ہے۔ اور چاروں طرف دشمن موجود ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ حریف احمد شاہ کو بے یار و مددگار پاکر اسے کچھ نقصان پہونچائیں۔ عبدالقادر نے اسی وقت دو یا تین ہزار خاصہ کے سواروں کو اپنے ساتھ لیا۔ اور جلد سے جلد شکار گاہ کی طرف چلا عبدالقادر احمد شاہ کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ ہندوؤں نے پانچ یا چھ گز دیوار کھود ڈالی ہے اور جنگ میں مشغول ہیں۔ عبدالقادر نے اپنی فوج کو ترتیب دیکر ہندو فدائیوں پر شدید حملہ کیا۔ ہندوؤں نے بھی مردانگی سے مقابلہ کیا لیکن احمد شاہی اقبال غالب آیا اور قریب ایک ہزار ہندو جنھوں نے اپنے بدن پر زخم بھی نہ کھایا تھا۔ مسلمانوں کی تلوار کے نذر ہوئے۔ اور پانچ سو مسلمان بھی معرکہ کارزار میں کام آئے۔ احمد شاہ سر سلحداران کی احتیاط اور عاقبت اندیشی کے باعث اس بلا سے نجات پاکر گویا از سر نو بادشاہ ہوا۔ احمد شاہ جیسے عظیم الشان بادشاہ کا جس کے لاکھوں جاں نثار موجود

تھے۔ ایک ہی پرورش میں ایسی بلا میں گرفتار ہو جانا اور پھر ایسے ورطہ ہلاکت سے صحیح و سالم بچ کر نکل آنا دنیا کا ایک عجیب واقعہ ہے۔ جو شاید ہی کسی فرمانروا کے حالات زندگی میں پایا گیا ہو۔ احمد شاہ نے اس دن عبدالقادر سر سلحداراں کو برادر جاں بخشش و یار حق گذار اور خطاب خان جہاں سے سرفراز کر کے اسے منصب دو ہزاری عطا کیا اور سر لشکر برار مقرر کر کے خان جہاں کو دارالخلافہ سے رخصت عطا کی۔ عبدالقادر کا بھائی مسمی عبداللطیف بھی جس نے اس معرکہ میں بڑی جوانمردی سے کام کیا تھا۔ خان اعظم کے خطاب اور سر لشکر تلنگانہ مقرر ہو کر منصب دو ہزاری سے سرفراز کیا گیا۔

خان جہاں نے بڑی عمر پائی اور چالیس سال کامل برار پر حکومت کرتا رہا بالآخر فتح اللہ عمادی نے جو آخر میں برار کا مستقل فرمانروا ہوا۔ اس کو قتل کرایا۔ فتح اللہ خان جہاں کی اولاد کا غلام تھا۔ اس کی مفصل سوانح عمری بعد میں بیان کیجائیگی۔ اسی طرح احمد شاہ نے ہر تیرانداز کو خلعت فاخرہ اور اعلےٰ القاب و خطاب اور بلند مناصب سے سرفراز کیا۔ اور ان جاں نثاروں کے ساتھ قابل یادگار مالکانہ برتاؤ کیا۔ سید حسن بدخشی۔ میر فرخ بدخشی۔ میر علی سیستانی۔ حسن خاں۔ فرخ خاں خطابات سے سرفراز کر کے سہ صدی منصب دار بنائے گئے۔ قاسم بیگ پانچ صدی منصبدار مقرر ہو کر کلیر کا جاگیردار بنایا گیا۔ خواجہ بیگ قلندر خاں کے خطاب سے دو صدی منصب پر سرفراز ہو کر گلبرگہ کا داروغہ مقرر کیا گیا۔ میر علی کرد جس نے بیجانگر کے ایک زبردست پہلوان کو تفنگ سے ہلاک کیا تھا۔ کافر کش کے خطاب سے ایک ہزاری امرا کے گروہ میں داخل کیا گیا۔ عبداللہ کابلی یکصدی منصب دار ہو کر بلدہ جنیر کا حاکم مقرر ہوا۔ اور خواجہ حسن اردستانی اور خسرو بیگ اوزبک دونوں امیر صدہ مقرر کر کے شاہزادوں کے اُستاد متعین کئے گئے۔ ان دونوں کو حکم دیا گیا کہ شاہزادوں کو تیراندازی کی تعلیم روزانہ دیا کریں۔ خلف حسن بصری کو حکم ہوا کہ عراقی۔ خراسانی۔ ماوراالنہری۔ رومی۔ اور عربی تین ہزار تیرانداز ہر وقت سرکاری ملازمین کے زمرہ میں تیار رہیں۔ بادشاہ نے عام امیروں کو بھی ہدایت کی کہ تیراندازوں کی حوصلہ افزائی کر کے اپنے بیٹوں اور خاندان کے دوسرے لڑکوں کو اس فن کی تعلیم دلائیں۔ اس واقعہ کے بعد بادشاہ بیجانگر پہونچا اور قلعہ کا محاصرہ کر کے پناہ گیروں

پر سختیاں اور تشدد کرنے لگا۔ دیورائے نے اپنی نجات اسی میں دیکھی کہ عاجزانہ صلح کی درخواست کرے۔ احمد شاہ نے دیورائے کی درخواست اس شرط پر قبول کی کہ راجہ چند سالہ خراج اپنے خاصہ کے ہاتھیوں پر بار کر کے اپنے بیٹے کو نقارہ اور سرنا و نفیر وغیرہ کے ساتھ بہمنی بارگاہ میں روانہ کرے۔ دیورائے کو بجز شرط قبول کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ راجہ نے تیس ہاتھی جو محلات خاصہ کے اندر باندھے جاتے تھے اور جن کے چارہ و پانی کا انتظام خود راجہ کی زیر نگرانی ہوتا تھا منتخب کئے اور اُن ہاتھیوں کی پیٹھ پر بے شمار نقدی۔ دولت۔ نفیس اور گرانبہا ہدئے اور طرح طرح کے تحفے لاد کر اپنے چھوٹے بیٹے کے ہمراہ احمد شاہ کے پاس روانہ کیا۔ بادشاہ نے امیروں کو رائے زادہ کے استقبال کے لئے بھیجا۔ یہ امیر بازار سے نقارہ بجاتے ہوئے بڑی دھوم دھام سے رائے زادے کو بادشاہ کے پاس لائے۔ احمد شاہ رائے زادے سے بغلگیر ہوا اور اسے اپنے تخت کے قریب بٹھایا۔ بادشاہ نے دیورائے کے فرزند کو خلعت کمر اور خنجر مرصع عنایت کیا۔ اور بیس عربی و عراقی گھوڑے اور بیس راہوار ترکی و بدخشی۔ اور پانچ ہاتھی۔ پانچ چیتے۔ نو شکاری کتے اور تین شکاری باز جن کا مثل اہل کرناٹک نے اس وقت تک نہ دیکھا تھا۔ رائے زادے کو عنایت کئے۔ بادشاہ نے اپنی قیام گاہ سے کوچ کیا اور دریائے کرشنا کے کنارے پہونچکر رائے زادے کو رخصت کیا اور خود حسن آباد گلبرگہ واپس آیا۔ اسی سال ملک میں خشک سالی ہوئی اور بہت بڑا قحط پڑا۔ بہت سے جانور اور چوپائے جنگل میں پیاس کے مارے مر گئے۔ احمد شاہ نے خزانہ رعایا کے لئے وقف کر دیا اور شاہی منڈی آباد کر کے غریبوں اور محتاجوں کی خبر گیری کرنے لگا۔ ایک سال اسی مصیبت میں گذرا اور دوسرے برس بھی بارش کے آثار نمایاں نہ ہوئے۔ بادشاہ بیحد پریشان ہوا۔ اور احمد شاہ نے علماء اور مشائخ سے استدعا کی کہ استسقاء کی نماز پڑھی جاوے۔ یہ مذہبی رسم بھی ادا کی گئی۔ لیکن اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا اور خلق خدا نے احمد شاہ کے قدموں کو تخت سلطنت کے لئے منحوس سمجھکر بادشاہ کو برے الفاظ سے یاد کرنا شروع کیا۔ احمد شاہ پر اس واقعہ کا بڑا اثر ہوا اور

بادشاہ غمگین ہوکر ایک جنگل کو نکل گیا اور ایک اونچے مقام پر چڑھکر پہلے تو چند رکعتیں نماز کی ادا کیں اور اوسکے بعد سربسجدہ ہوکر خدا سے باران رحمت نازل کرنے کی دعا مانگنے لگا۔ بادشاہ نے اس قدر تضرع وزاری کی کہ رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آیا۔ آسمان پر دفعتاً کالی گھٹائیں چھاگئیں اور دیکھتے دیکھتے شدید بارش ہونے لگی۔ احمدشاہ نے کہا کہ میں فیض الٰہی سے بھاگ کر کسی جگہ پناہ نہ لونگا۔ بلکہ بارش تھمنے تک یہیں بیٹھا رہونگا۔ بادشاہ کے ہمراہی ہوا اور پانی کے زور سے کانپنے لگے اور یکبارگی چھوٹے اور بڑے سب چلا اٹھے کہ اے احمدشاہ ولی تیری ولایت ہم پر منکشف ہوگئی۔ خدا کے لئے اب مخلوق پر رحم کر۔ اور شہر کیطرف واپس ہو۔ احمدشاہ خود خستہ اور ماندہ ہورہا تھا اور صرف واپسی کا بہانہ ڈھونڈتا تھا۔ بادشاہ اپنے ہمراہیوں کی آواز سنکر بلندی سے نیچے اترا اور سبھوں کو ساتھ لیکر واپس آیا۔ اس واقعہ کے بعد سے آجتک یہ بادشاہ احمدشاہ ولی بہمنی کے نام سے عام طور پر مشہور ہے ۸۱۸ھ ہجری میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ ورنگل کا راجہ رائے بیجانگر سے کشیدہ ہے۔ احمدشاہ نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ ورنگل اور دوسرے تلنگانہ کے شہروں پر قبضہ کرنے کے لئے دارالخلافہ سے روانہ ہوا۔ احمدشاہ نلگنڈہ پہونچا۔ اور بادشاہ نے خان اعظم کو اس نواح کے دوسرے امیروں کے ہمراہ اپنے سے کچھ پہلے روانہ کردیا۔ اور خود خان اعظم روانگی کے ایک مہینہ بیس روز بعد نلگنڈہ سے روانہ ہوا خان اعظم ورنگل کے نواح میں پہونچا۔ راجہ نے بھی اطراف وجوانب سے اپنا لشکر مہیا کیا اور چاہا کہ بادشاہ کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھائے۔ راجہ نے خان اعظم سے لڑائی چھیڑدی۔ لیکن قضائے الٰہی سے راجہ مع سات ہزار تلنگی سپاہیوں کے میدان جنگ میں کام آیا۔ معرکہ ختم ہونے کے بعد احمدشاہ بھی ورنگل پہنچ گیا۔ بادشاہ نے اُن دفینوں اور خزانوں پر جنھیں راجہ ورنگل کے آباؤ اجداد نے محمد تغلق کی دست برد سے بچاکر ہزاروں دقتوں کے ساتھ اب تک محفوظ رکھا تھا۔ بلا کسی مشکل اور کوشش کے قبضہ کرلیا۔ احمدشاہ نے دس بڑے ہاتھی۔ بیس چھوٹے ہاتھی۔ اور ایک ہار جڑاؤ اور چار مروارید کی تسبیحیں اور چالیس ہزار دینار نقد خان اعظم عبداللطیف خاں کو عنایت کئے اور اس فاتح امیر کو تلنگانہ اور دوسرے مشہور شہروں

کی تسخیر کے لئے روانہ کر کے خود ورنگل میں مقیم ہوا۔ خان اعظم نے تین چار مہینے میں تمام مشہور ممالک پر قبضہ کر لیا اور جا بجا تھانے نصب کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا احمد شاہ نے اس مرتبہ بھی خان اعظم کو شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کر کے تلنگانہ کے بعض وارثوں کی تباہی کا جو جا بجا قلعوں میں پناہ گزیں اور احمد شاہ کی مدافعت میں کوشاں تھے حکم دیا۔ احمد شاہ خان اعظم کو اس مہم پر مقرر کر کے خود گلبرگہ واپس آیا اور جو کامیابی کہ بہمنی خاندان کے کسی فرمانروا کو نصیب نہ ہوئی وہ اپنی مدبرانہ تدبیر سے حاصل کر کے کار فرمائی میں مشغول ہوا ۸۲۸ ہجری میں احمد شاہ نے قلعہ ماہور پر لشکر کشی کی یہ قلعہ سوء اتفاق سے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلکر ایک زمیندار کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ احمد شاہ نے حصار پہ اگرچہ صلح اور امان کے ساتھ قبضہ کیا۔ لیکن پھر بھی اس زمیندار کو مع پانچ یا چھ ہزار ہندوؤں کے تہ تیغ کیا۔ بادشاہ نے مقتولوں کے زن و فرزند کو قید کر کے انھیں مسلمان کیا۔ احمد شاہ نے حصار کلم پر قبضہ کر کے الماس کی کان جو حاکم گوندواڑہ کے زیر نگیں تھی اپنی ملکیت میں داخل کیا۔ بادشاہ نے بہت سے بت خانے ڈھائے اور اُن کی جگہ مسجدیں تعمیر کرائیں اور اُن میں مؤذن اور قاری مقرر کر کے مساجد میں روشنی کا معقول انتظام کرایا۔ بادشاہ نے ایلچپور میں ایک سال قیام کر کے قلعہ گاویل تعمیر کرایا۔ اور ترناله کے حصار کی مرمت کرا کے واپس ہوا احمد شاہ کے اس فعل کا مقصد یہ تھا کہ خاندیس مالوہ اور گجرات پر جسے امیر تیمور صاحبقراں اپنے فرمان کے ذریعہ سے فیروز شاہ کو دے چکا ہے۔ پوری طرح پر قابض اور مالکانہ متصرف ہو جائے۔ اور ان شہروں میں بتدریج اپنی حکومت قائم کر کے بیجانگر کی تسخیر کی تیاریاں کرے۔ ہوشنگ شاہ والی شاہ آباد کو احمد شاہ کے ارادہ کی اطلاع ہو گئی۔ ہوشنگ نے نرسنگھ دیو حاکم قلعہ کھرلہ کو جو بہمنی حکومت کا باجگذار تھا اپنی دوستی اور اطاعت پر ابھارا۔ نرسنگھ نے ہوشنگ کی بات نہ مانی اور اس کی رائے پر چلنے سے صاف انکار کر دیا۔ ہوشنگ نے والی خاندیس کی راستے سے نرسنگھ پر دو دفعہ لشکر کشی کی۔ اور دونوں مرتبہ اس کی فوج شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگی۔ ہوشنگ اپنی پے در پے ناکامیوں سے بید غضبناک ہوا اور تیسری مرتبہ اس نے ایک بڑا جرار لشکر تیار کر کے اپنے معتمد امیروں کو نرسنگھ کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ خاندیسی امیر نے نرسنگھ کے ملک کو تباہ اور ویران کر کے

اس کے بہت سے پرگنوں اور قریوں پر مخالفانہ قبضہ بھی کرلیا۔ نرسنگھ نے اور زیادہ فوجی قوت بہم پہونچانے کی تدبیریں اختیار کیں اور ہوشنگ راجہ کے حال سے مطلع ہوتے ہی اپنی بقیہ فوج تیار کرکے نرسنگھ کی تباہی کا درپے ہوا۔ اور خود حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا سنہ ۸۳۲ ہجری میں نرسنگھ نے ایک عرضداشت احمد شاہ کی خدمت میں روانہ کی۔ اور اس سے مدد کا طلبگار ہوا۔ راجہ نے احمد شاہ کو لکھا کہ ہوشنگ ایک ہزار لشکر ساتھ لیکر بہمنی سلطنت کے ایک پرانے بہی خواہ کی تباہی کے لئے آرہا ہے۔ جب سے کہ میں نے سلطان فیروز شاہ کا غاشیۂ اطاعت کاندھے پر رکھا ہے اس اطراف کے حاکم مجھے بہمنی خاندان کا حلقہ بگوش سمجھکر میری جان کے دشمن ہوگئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ایسی نازک حالت میں مجھ جیسے بہی خواہ کی مدد کرنے میں کسی طرح کا پس وپیش نہ کیا جائیگا اور جلد سے جلد میری خبرگیری کیجائے گی۔ بادشاہ نے اسی وقت امیر عبدالقادر حاکم برار کے نام فرمان روانہ کیا کہ حکم کے پہونچتے ہی لشکر برار اپنے ہمراہ لیکر نرسنگھ کی مدد کو روانہ ہوجائے۔
خان جہاں کو فرمان روانہ کرکے احمد شاہ خود بھی چھ ہزار سواروں کو ساتھ لیکر شکار کھیلتا ہوا ایلچپور پہونچا۔ ہوشنگ ابتک اپنے ہی ملک میں تھا۔ اس لئے احمد شاہ دو مہینے کامل قمرغہ کے شکار میں مصروف رہا۔ ہوشنگ نے احمد شاہ کے اس توقف کو اسکی کمزوری پر محمول کیا۔ اور حشر انبوہ لشکر ساتھ لیکر جلد سے جلد حوالی کھترلہ میں پہنچ گیا۔ ہوشنگ شاہ نے قتل وغارتگری کا بازار گرم کرکے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور بڑھ بڑھ کے باتیں بنانے لگا۔ احمد شاہ یہ خبر سن کر ایلچپور سے کھترلہ پہونچا۔ اس درمیان میں ملا عبدالغنی صدر اور نجم الدین مفتی اور دیگر علماء نے بادشاہ سے کہا کہ آج تک کسی بہمنی فرمانروا نے مسلمانوں پر تلوار نہیں چلائی۔ بادشاہ کو بھی اس بدنامی سے بچنا چاہئے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ایک غیر مسلم راجہ مسلمان فرمانروا کے مقابلہ میں صف آرا ہے۔ اور بادشاہ اس ہندو کو اپنے ہم مذہب حکمران کی بیخ کنی میں مدد دینے کے لئے تیار ہے۔ احمد شاہ اور ہوشنگ کے لشکر میں بیس کوس کا فاصلہ باقی تھا۔ بادشاہ اس جگہ قیام پذیر ہوا۔ اور اس نے ایک ایلچی ہوشنگ کی خدمت میں روانہ کرکے اسے پیغام دیا کہ نرسنگھ بہمنی بارگاہ کا حلقہ بگوش

ہے۔ اتحاد اور یگانگت کا مقتضا یہی ہے کہ تمہارا لشکر اپنے ملک کو واپس جائے۔ میں بھی اپنے علمائے دربار کے التماس کے موافق تمہارے مقابلہ میں تلوار نہ اٹھاؤنگا۔ اور اپنے ملک کی راہ لونگا۔ قاصد مالوی دربار میں پہونچا بھی نہ تھا کہ دکھنیوں نے اپنے خیمے میدان سے اٹھائے۔ ہوشنگ شاہ بادشاہ کے اس پیغام سے برآشفتہ ہوا۔ ہوشنگ یہ سمجھکر کہ احمد شاہ کا لشکر پندرہ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ اور خود اس کے ہمراہ تیس ہزار سوار موجود ہیں۔ جلد سے جلد احمد شاہ کے نقش قدم پر روانہ ہو گیا۔ ہوشنگ اس طرح سفر کی راہ طے کرتا تھا کہ جس منزل سے احمد شاہ کوچ کرتا ہوشنگ وہاں مقیم ہوتا تھا۔ ہوشنگ کی کم ظرفیاں حد سے بڑھ گئیں اور احمد شاہ کی رگوں میں علاء الدین حسن کا خون جوش مارنے لگا۔ بادشاہ نے اسی وقت علماء کو بلایا اور کہا کہ میں نے آپ صاحبوں کے فتوائے شریعت پر جہاں تک ممکن تھا عمل کیا اور جو بے عزتی اب تک برداشت کی وہ بہت ہے۔ اب میرا ارادہ ہے کہ کل یہاں سے کوچ کرکے احمال و اثقال کو تو وطن روانہ کروں۔ اور خود قلاق دریا کے کنارے جو میری مملکت میں داخل ہے۔ اپنے خیمے نصب کروں اور جو شخص میرے مقابلہ میں آئے بلا امتیاز مذہب وملت اس کے خون سے اپنی تلوار لال کروں۔ ظاہر ہے کہ میں بھی مسلم فرمانروا ہوں کسی اسلامی حریف کا زبردستی میرے مقابلہ میں آنا خود اسی حریف سے خدائی بازپرس کا باعث ہوگا نہ کہ مجھسے۔ اور ایسے معرکہ میں مسلمانوں کے خون کا وبال اس کی گردن پر ہوگا۔ نہ کہ میری۔ علماء نے بادشاہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ احمد شاہ نے دوسرے دن فوجوں کو آراستہ کیا اور چار سو جنگی ہاتھی جن میں بہت سے جنگ آزما اور مست تھے جا بجا متعین کئے۔ احمد شاہ نے میمنہ پر خان جہاں عبد القادر کو مقرر کیا۔ اور میسرہ عبد اللہ خاں نبیرۂ اسمٰعیل فتح کے سپرد کیا۔ اور شاہزادہ علاء الدین کو چتر سیاہ دیکر قلب لشکر میں جگہ دی۔ اور خود دو ہزار سوار اور دس جنگی ہاتھیوں کو ساتھ لیکر بائیں جانب کمیں گاہ میں قیام کیا۔ ہوشنگ شاہ اس انتظام سے بے خبر تھا۔ وہ اس دن کو بھی دوسرے ایام کی طرح سمجھ کر بلا تامل احمد شاہ کے تعاقب میں روانہ ہو گیا تھا۔ روایت صحیح کے مطابق ہوشنگ کے ہمراہ ستر ہزار سوار تھے۔

ہوشنگ اور اس کا لشکر دکنی فوج سے ملا۔ مالوہ کا لشکر لڑائی کے لئے تیار نہ تھا لیکن ہوشنگ نے مجبوراً صفیں تیار کیں۔ اور احمد شاہ سے لڑنے پر آمادہ ہوا۔ طرفین ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ دکن اور مالوہ کے بہادر جو ایک دوسرے سے دست و گریباں ہونے کے عرصہ سے مشتاق تھے اپنے اپنے ہنر دکھلانے اور دادِ مردانگی دینے لگے۔ احمد شاہ نے دیکھا کہ فریقین ایک دوسرے پر تلوار چلانے میں ایسے منہمک ہیں کہ اُن کو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں ہے۔ بادشاہ کمین گاہ سے نکلا اور اس نے حریف کے لشکر پر شدید حملہ کیا۔ مالوی فوج بادشاہ کے دھاوے کو نہ سنبھال سکی اور ہوشنگ کے سپاہی معرکہ کارزار سے منہ موڑنے لگے۔ دکنی فوج نے غنیم کا تعاقب کیا اور دو ہزار مالوی سواروں اور پیادوں کو تلوار کے گھاٹ اتار کر ان کے اسباب اور سامان حرب کی غارتگری میں مشغول ہوئے۔ ہوشنگ شاہ کی بی بی اور اس کی دو بیٹیاں اور دو سو جنگی ہاتھی گرفتار ہوئے۔ نرسنگھ کو اپنے حریف کی شکست کی خبر ہوئی۔ راجہ محاصرہ کی مصیبت سے آزاد ہو کر قلعہ سے باہر نکلا اور مالوی فوج کے سر راہ آ کر کھڑا ہو گیا۔ نرسنگھ کے سپاہیوں نے بے شمار مالوی سواروں کو قتل کیا۔ احمد شاہ کو مسلمانوں کی اس خونریزی کا بیحد رنج ہوا۔ بادشاہ نے ہوشنگ شاہ کی بی بی اور اس کی بیٹیوں اور فرزندوں کی بیحد عزت اور خاطر داری کی۔ اور اپنے معتبر خادموں اور خواجہ سراؤں کے ساتھ انھیں مالوہ روانہ کیا۔ نرسنگھ اپنے بیٹوں کے ساتھ احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ راجہ احمد شاہ کو کتھرلہ لے گیا اور بڑی دھوم سے بادشاہ کی دعوت کر کے اس نے گرانبہا ہدیے اور تحفے احمد شاہ کی خدمت میں پیش کیے اس پیشکش میں ایک من الماس و یاقوت اور سچے موتی بھی داخل تھے۔ نرسنگھ نے امراء دربار کی بیحد خاطر و مدارات کی اور اُن کی تعظیم و تکریم میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ راجہ نرسنگھ قصبۂ ماہور تک بادشاہ کے ہمرکاب آیا اور ماہور سے شاہی خلعت سے سرفراز ہو کر مع اپنے بیٹوں کے کتھرلہ واپس گیا تاریخ مالوہ میں لکھا ہے کہ احمد شاہ نے کتھرلہ پر فوج کشی کی اور ہوشنگ نرسنگھ کی استدعا پر اس کی مدد کے لئے کتھرلہ آیا۔ احمد اور ہوشنگ میں معرکہ آرائی

ہوئی جس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں (واللہ اعلم بالصواب ۵)
احمد شاہ اس مہم سے فارغ ہو کر سیر کرتا ہوا حصار بیدر کے نواح میں پہونچا۔
بادشاہ اپنے بیٹوں اور چند مخصوص درباریوں کے ساتھ شکار کے لئے لشکر
سے جدا ہو کر اطراف وجوانب کے سیر و تماشہ میں مشغول ہوا۔ اثنائے سیر میں
احمد شاہ نے ایک وسیع میدان دیکھا جو وسعت اور سرسبزی میں آسمان آسا
اور لطافت اور صفائی میں آفتاب منظر اور زمین کی نشوونما میں بہشت بریں
تھا۔ تمام سرزمین انواع واقسام کے رنگارنگ پھولوں سے فردوس بریں کا نمونہ
تھی۔ میدان کی ہوا اور پھولوں کی خوشبو سے مردہ جسم میں تازہ جان آتی تھی۔ اس
جنگل میں ایک لومڑی نظر آئی جو مکاری میں شیطان کی خالہ اور شعبدہ بازی میں
سامری کی دایہ تھی۔ لاکھوں شکاریوں کو اپنے دام مکر میں گرفتار کر چکی تھی اور خود
اُن کے جال کا شکار نہ ہوتی تھی۔ غرضکہ یہ حیلہ ساز جنگل میں اچھلتی پھرتی تھی۔
ہوا کی نشاط اور پھولوں کی انبساط سے اپنے جامہ میں پھولی نہ سماتی تھی۔ لیکن اس
مسرت میں بھی اپنی چال سے ہوشیار تھی۔ اور ہزاروں حیلہ سازی سے اپنے کو شکاری
کتوں کی زد سے محفوظ رکھتی تھی۔ احمد شاہ کو اس جانور کی ادائیں بیحد پسند آئیں
اور بادشاہ نے بغرض سیر وتفریح حکم دیا کہ چند شکاری کتے اس پرفن لومڑی کے
پیچھے چھوڑے جائیں۔ شاہی میر شکاریوں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی اور چند خونخوار
کُتے اس لومڑی کے پیچھے چھوڑ دئے۔ مکار لومڑی نے کتوں کو دیکھتے ہی ہر چند کوشش
کی کہ تیز چنگال دشمنوں سے کسی سوراخ یا کھوہ میں گھسکر اپنی جان بچائے۔ لیکن شکاری
کتوں نے اسے اس کا موقع نہ دیا اور جلد سے جلد اس کے سر پر پہنچ گئے۔ لومڑی نے
موت کے فرشتوں کو سرہانے کھڑا دیکھا اور راہ گریز اختیار کی۔
اس پرفن جانور نے شکاری کتوں سے لڑائی کی ٹھانی اور اُن پر حملہ آور ہوئی بادشاہ
اس ضرب المثل بھگوڑے جانور کی یہ جرأت اور ہمت دیکھکر حیران ہوا اور فوراً اس کے
دل میں خیال گذرا کہ یہ اس سرزمین کی آب وہوا کی تاثیر ہے جس نے ایسے بزدل جانور
کو بھی شیر ہمت کرکے شکاری کتوں کا مدمقابل بنا دیا ہے۔ بادشاہ نے سوچا کہ بہتر یہ
ہے کہ میں خود اس سرزمین کو اپنا پائے تخت بناؤں۔ احمد شاہ نے اپنا مافی الضمیر درباریو

سے بیان کیا۔ امرا نے عرض کیا کہ بادشاہ کا خیال نہایت مبارک ہے اور گویا ایک الہام غیبی ہے جو قلب مبارک پر نازل ہوا ہے ظاہر ہے کہ یہ مقام مملکت دکن کے وسط میں واقع ہے اور آب و ہوا کے لحاظ سے یہ جگہ ہندوستان کا بہترین گوشہ ہے۔

مورخ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ میں نے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کی ہے۔ لیکن لطافت اور خوبی میں اس سرزمین کا نظیر میری نگاہوں سے نہیں گذرا۔ اس مقام کی خاک شنجرفی ہے۔ برسات کے موسم میں جو ہندوستان کی ایک عمدہ فصل ہے یہاں کیچڑ بالکل نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ شہر سے دس کوس کے جوار تک تمام زمین سرخ ہے اور اس میں لیسندہ مادہ موجود نہیں ہے۔ خراسان اور عراق کے اکثر میوے یہاں پیدا ہوتے ہیں خواجہ محمود گاوان نے اپنے زمانہ میں زعفران امرود اور ہر قسم کے انگور کے درخت بھی یہاں نصب کرائے۔ اس زمانے میں اس شہر کا کوئی سرپرست نہیں ہے اور عالیجاہ فرمانرواؤں کا یہ پائے تخت ہے۔

غرض کہ روشن ضمیر بزرگوں اور درباری امیروں نے بادشاہ کے خیال کی عمدہ تائید کی۔ احمد شاہ نے نجومیوں اور اختر شناسوں کو بلایا اور اُن سے دریافت کیا کہ حصار بیدر کے قریب ایک نیا شہر بسانا سیاروں کی گردش کے اعتبار سے مسعود و مبارک ہے یا نہیں۔ نجومیوں نے اس کو مبارک بتایا کامل مہندسوں نے شہر و عمارات کا نقشہ کھینچا اور اُسے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا۔ غرضکہ سیاروں کی رفتار اور قیام کی نیک ساعت میں شہر کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور چابکدست اور ہنرمند معمار تعمیر میں مصروف ہوئے۔ جس مقام پر کہ حصار بیدر تھا وہاں دارالامارۃ بنایا گیا اور قلیل عرصہ میں شاہی محل اور قصر تیار کر دیئے گئے امیروں اور افسران فوج نے بھی شاہی مکانات کے گرد اپنے محل تعمیر کرائے اور یہ شہر احمد آباد بیدر کے نام سے موسوم کیا گیا۔

ہندوؤں کی کتابوں میں جو آج سے پانچ ہزار سال پیشتر لکھی گئی ہیں درج ہے کہ پرانے زمانے میں دکن کے راجاؤں کا پائے تخت بیدر تھا اور جو فرمانروا بیدر میں حکومت کرتا تھا تلنگانہ اور مرہٹواڑی کا سارا حصۂ ملک اس کے قبضے میں ہوتا تھا۔ راجہ بھیم سین جو دکن کے راجاؤں میں انصاف پروری بہادری اور سخاوت میں اس

نواح کے تمام حکمرانوں میں سب سے بہتر سمجھا جاتا ہے بیدر ہی کا فرمانروا تھا۔ راجہ نل
حاکم مالوہ بھیم سین کی بیٹی دمن نام پر غائبانہ عاشق ہوا چنانچہ ان دونوں کے عشق و محبت
کی داستان مشہور ہے علامہ فیضی نے اکبر بادشاہ کے زمانے میں اس داستان کو فارسی میں
نظم کرکے مثنوی نل دمن نام رکھا ہے جسے ان کے حالات جاننا منظور ہوں اسی کتاب
کا مطالعہ کرے۔ مختصر یہ کہ شیخ آذری اسفرائینی نے جو بادشاہ کے ساتھ خود احمد شاہ کی مدح
اور شہر اور اس کی عمارتوں کی تعریف میں بیش بہا قصیدے نظم کئے اور اس کے صلے
میں معقول رقم بطور انعام حاصل کی۔ آذری نے بادشاہ کے حکم سے بہمن نامہ لکھنا شروع
کیا اور جب سلطان احمد شاہ کے حالات تک پہنچا تو اپنی تصنیف بادشاہ کے
ملاحظہ میں پیش کی اور اپنے وطن واپس جانے کی اجازت مانگی بادشاہ نے کہا کہ
مجھے حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے اس عالم سے تشریف لے جانے کا
جو صدمہ ہے وہ تمھاری موجودگی سے بہت کم محسوس ہوتا ہے برائے خدا مجھے
اپنی جدائی کے رنج میں مبتلا نہ کرو شیخ آذری نے جو بادشاہ کو اپنے اوپر اس قدر مہربان
دیکھا تو ہندوستان ہی میں قیام کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اپنے بیٹوں کو ولایت سے
اپنے پاس بلا لیا۔ اتفاق سے اسی اثناء میں دارالامارۃ کا محل تیار ہوا اور شیخ آذری
نے دو شعر اس قصر کی تعریف میں نظم کئے۔ ملا شرف الدین مازندرانی نے جو شاہ نعمت اللہ کا
مرید اور اپنے زمانے کا بے نظیر خوشنویس تھا اس قطعے کو جلی خط میں لکھا اور تلنگانہ کے
سنگتراشوں نے جو اپنے کام میں حقیقت یہ ہے کہ جادو نگاری کرتے ہیں اس قطعے کو
ایک بڑے پتھر پر کندہ کیا اور پتھر محل کے دروازے پر نصب کر دیا گیا۔ ایک روز
بادشاہ کی نگاہ اس پتھر پر پڑی اور اس نے شاہزادہ علاءالدین سے پوچھا کہ شعر کس کا
ہے شاہزادے نے جواب دیا کہ شعر مذکور علامہ آذری کا نظم کیا ہوا ہے بادشاہ کو شعر
بیحد پسند آیا شاہزادے نے اس وقت سے فائدہ اٹھایا اور بادشاہ سے عرض کیا کہ
شیخ آذری اپنے وطن کے دیدار کا بیحد مشتاق ہے اور عرض کرتا ہے کہ اگر بادشاہ اسے
سفر کی اجازت عطا فرمائیں تو اس کے شکریہ میں شیخ اپنے سابق حج اکبر کا ثواب بادشاہ
کے پیش کرے گا۔ احمد شاہ اس خبر سے اور زیادہ خوش ہوا اور شیخ آذری کو اپنے
حضور میں بلایا۔ شاہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ چالیس ہزار تنگہ سفید جس میں ہر تنگہ ایک تولہ

چاندی کا ہوتا ہے آذری کے لئے خزانے سے بے آئے آذری نے بادشاہ کے عطئے کو دیکھا اور احمد شاہ سے عرض کیا کہ جناب کے عطیوں کو خود آپ ہی کے باربرداری کے جانور اٹھا سکتے ہیں بادشاہ ہنسا اور اس نے حکم دیا کہ بیس ہزار تنگے اور خرچ راہ اور اجرت کرایہ کے لئے شیخ کو دئے جائیں۔ شیخ آذری کی تمام آرزوؤں کے برآنے کا وقت آچکا تھا بادشاہ نے اسی مجلس میں شیخ کو خلعت خاص اور پانچ ہندی غلام بھی عطا کئے۔ شیخ آذری نے وداع کے وقت بادشاہ سے پورا وعدہ کیا کہ جب تک زندہ رہیگا بہمن نامے کی تصنیف جاری رکھیگا چنانچہ موجودہ بہمن نامہ سلطان ہمایوں شاہ بہمنی کے عہد تک شیخ مذکور کی تصنیف ہے اور بعد کے حالات ملا نظیری وسماعی اور دیگر شاعروں کے نظم کئے ہوئے ہیں جو زوال دولت بہمنیہ تک موجود ہے۔ بعض خود پرست شعرا نے یہاں تک اس کتاب میں تصرف کر دیا ہے کہ خطبۂ کتاب کے چند شعروں میں رد و بدل کر کے تمام کتاب کو اپنی ہی تصنیف قرار دیدیا ہے لیکن ان اشعار کے حسن وخوبی میں جو باہم اختلاف ہے اس سے صاف یہ پتہ چلتا ہے کہ کتاب کے تمام اشعار ایک ہی شاعر کی فکر کا نتیجہ نہیں ہیں۔ چونکہ آذری کا حال اس قدر اس کتاب میں آچکا ہے مناسب یہ ہے کہ تھوڑے حالات ان کے تفصیل کے ساتھ لکھدئے جائیں شیخ آذری اپنے وقت کا مشہور شاعر اور فہم وفراست اور ذکاوت میں مشہور آفاق تھا ایک زمانے میں شیخ آذری شیخ صدرالدین اور اس کے ساتھ الغ بیگ مرزا کی ملاقات کو مشہد مقدس میں حاضر ہوئے مرزا نے شیخ صدرالدین سے پوچھا تمھارا تخلص رواس سین سے ہے یا ثے سے شیخ نے جواب دیا کہ وہ رواص ہوں جس کا املا صاد سے ہے مرزا نے جواب دیا کہ تم وہ نہیں ہو اس لئے کہ یہ لفظ صاد سے کلام عرب میں منقول نہیں ہے الغ بیگ نے اس کے بعد شیخ آذری سے پوچھا کہ تمھارا تخلص آذری کس مناسبت سے ہے شیخ نے جواب دیا کہ فقیر ماہ آذر میں پیدا ہوا ہے اس سے اس کا تخلص آذری ہے مرزا نے جواب دیا کہ تم شاعر پیشہ نہیں ہو جس آذر کا تم ذکر کرتے ہو اس کے اول حرف کو ضمہ ہے نہ کہ فتحہ شیخ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ ماہ آذر کی ذال عرصے تک ذلت وخواری کے عالم میں رہی یہاں تک کہ اس کی پیٹھ دوتا ہو گئی لیکن پھر اسے ادراک و شعور حاصل ہوا اور سیدھی قائم ہو گئی مرزا شیخ کے جواب سے بیحد خوش ہوا اور اس کو اپنے مصاحبوں

میں داخل کر کے ان کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا کرتا تھا شیخ پر بڑھاپے میں تصوف غالب آیا اور اسفراین سے حجاز چلے گئے۔ حج اکبر اور زیارت آستانۂ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے فیضیاب ہو کر ہندوستان تشریف لائے اور سلطان احمد شاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے بادشاہ کی مدح میں بہت سے قصیدے نظم کئے اور انعام و اکرام سے فیضیاب ہوئے بادشاہ نے شیخ کو ملک الشعرا کا خطاب دیا۔ عرصے کے بعد شیخ پر وطن کی محبت غالب آئی اور جیسا کہ مذکور ہوا شاہزادۂ علاؤ الدین کی کوشش سے پھر ہندوستان سے اسفراین روانہ ہوئے۔ شیخ اپنے وطن پہنچے اور انھوں نے اسفرائن میں بہت زیادہ خیرات کی اپنے وطن میں بہت سی سرائیں تعمیر کرائیں اور عبادت الٰہی میں مشغول رہے یہاں تک کہ ۸۶۶ھ میں فوت ہوئے۔

احمد شاہ بہمنی نے عاقبت اندیشی سے کام لیا اور حاکمان مالوہ کے ارادوں اور خواہشوں کے خلاف اس نے قصد کیا کہ نصیر خاں فاروقی حاکم اسیر سے قرابت کا سلسلہ پیدا کرے اور اس کی دختر کو اپنے فرزند شاہزادۂ علاؤ الدین کے عقد میں لائے۔ بادشاہ نے عزیز خاں نامی اپنے ایک مقرب درباری کو نصیر خاں کے پاس روانہ کیا اور اس سے نسبت کی درخواست کی نصیر خاں شاہان مالوہ سے ہر طرف خائف اور اپنے ملک خاندیس کی طرف سے ہمیشہ غیر مطمئن رہتا تھا۔ بادشاہ کے اس پیغام کو بہت بڑی نعمت سمجھا اور جشن عروسی منعقد کر کے شاہانہ طریقے پر دختر کو احمد آباد بیدر روانہ کیا۔ سلطان احمد شاہ نے عروس کو بیرون شہر ایک باغ میں اتارا اور شہر میں آئین بندی کر کے دو مہینے کامل جشن عشرت میں بسر کئے اس مدت کے بعد بادشاہ نے نجومیوں کی مقرر کردہ نیک ساعت میں عروس کو شاہزادے کے حوالہ کیا۔ اس جشن کے اختتام کے بعد بادشاہ نے ایک دوسری مجلس عشرت منعقد کی اور ملک کو اپنی اولاد پر اس طرح تقسیم کیا کہ رام گر۔ ماہور۔ کلمبر اور برار کے بہت سے حصے شاہزادۂ محمود خاں کو عنایت کر کے شہزادہ کو اس طرف روانہ کیا شہزادۂ داؤد خاں کو اٹاثۂ شاہی عنایت کر کے تلنگانہ کا ملک اسے عطا کیا اور اپنے قدیم امرا کے ایک گروہ کو اس کے ساتھ کیا اور شاہزادۂ علاؤ الدین فرزند اکبر کو اپنا ولیعہد مقرر کیا اور سب سے چھوٹے فرزند شاہزادۂ محمد خاں کو بڑے بھائی کے ساتھ شریک شاہی بنایا بیٹوں کے آپس میں متفق رہنے اور ایک دوسرے سے مخالفت نہ کرنے کی

سخت قسمیں لیں اور اس کام کو ہر ممکن طریقے سے بہترین طور پر انجام دیا۔ احمد شاہ نے
خلف حسن بصری ملک التجار کو دو ہزاری منصبدار بنایا اور اسے سپہ سالار دولت آباد
مقرر کر کے ۸۳۳ھ ہجری کے آخر میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ اس طرف روانہ
کیا اور حکم دیا کہ کوکن کے حصۂ ملک کو باغیوں اور سرکشوں کے وجود سے پاک کر دے
کوکن دریائے عمان کے ساحل پر واقع ہے بادشاہ کا حکم تھا کہ اس سرزمین کے راجہ
جو اپنی بساط سے قدم آگے بڑھا کر فتنہ و فساد کے بانی ہو رہے ہیں ایکدم تباہ و برباد
کر دئے جائیں۔ خلف حسن بصری نے احکام شاہی کے مطابق کمرِ ہمت باندھی اور تھوڑے
ہی زمانے میں تمام سرکشوں اور باغیوں کا بہترین طریقے پر علاج کر کے ملک کو
خاشاک فساد سے پاک و صاف کر دیا روپئے اشرفیاں ہاتھیوں پر لاد کر بادشاہ کی
بارگاہ میں روانہ کیں احمد شاہ بہمنی خلف حسن بصری کی کارگزاری سے بیحد خوش
ہوا اور اسے خلعت خاص کمر بند اور شمشیر مرصع مع دیگر عنایات شاہی کے
جو اس سے قبل کسی بہمنی فرمانروا نے اپنے کسی ملازم پر نہ فرمائے تھے سرفراز کیا۔
خلف حسن بصری نے اخلاص اور اعتقاد کو اور زیادہ ظاہر کرنے کے لئے جزیرۂ مہائم
کو جو شاہان گجرات کے قبضے میں تھا فتح کیا سلطان احمد شاہ گجراتی نے یہ خبر سنی اور
اپنے فرزند ظفر خاں کو گجراتی فوج کے ساتھ جزیرہ مہائم کی واپسی کے لئے روانہ کیا
احمد شاہ نے بھی اپنے فرزند شاہزادۂ علاؤالدین کو خلف حسن بصری کی مدد کے لئے
روانہ کیا۔ دونوں شاہزادے اس خلیج کے کنارے جو جزیرۂ مہائم میں واقع ہے
فروکش ہوئے اور ان میں سے کسی کو بھی خلیج کے عبور کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی
اس مقابلے کو زیادہ مدت گزر گئی اور شاہزادۂ علاؤالدین کوکن کی خراب آب و ہوا
سے بیمار ہو گیا شاہزادہ چند منزل پیچھے واپس ہوا شاہزادہ ظفر خاں کو موقع مل گیا
اور وہ خلف حسن بصری کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔ طرفین کے مشاق اور
صف شکن سپاہی جو قریب قریب آباد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو
ہیچ سمجھتے تھے آپس میں گتھ گئے اور تقریباً دو ہزار جوان نذر اجل ہوئے جنگ کے
دوران میں خلف حسن بصری کا بھائی حسین بن حسن گجراتیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا
اور دو دکنی سردار تیر سے مارے گئے ان واقعات کی بنا پر دکنیوں کو فاش شکست

ہوئی اور ان کا بیشمار مال واسباب گجراتیوں کے ہاتھ آیا تاریخ محمود شاہی میں میں نے دیکھا ہے کہ شاہزادۂ علاؤ الدین بھی اس مہم میں حملۂ مردانہ کر رہا تھا لیکن چونکہ فتح کا ہونا خود اپنی سعی اور کوشش پر موقوف نہیں ہے شاہزادہ بھی خستہ و مجروح ہوکر خلف حسن بصری کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگا بہر کیف سلطان احمد شاہ نے یہ خبر سنیں اور اپنی فوج جمع کر کے گجرات پر حملہ آور ہوا اسی طرح سلطان احمد شاہ گجراتی بھی بڑی عظمت و شان کے ساتھ حریف سے مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوا سلطان بہمن نژاد نے محاصرے سے ہاتھ اٹھایا اور دشمن کی طرف آگے بڑھا دونوں فرمانروا ایک دوسرے کے مقابلہ میں مدت تک فروکش رہے اور ان میں سے کوئی بھی جنگ پر سبقت نہیں کرتا تھا یہانتک علما اور فضلا درمیان میں آئے اور انھوں نے اپنے وعظ و پند سے دونوں فرمانرواؤں کی آتش غضب کو ٹھنڈا کیا اور یہ طے پایا کہ جو پرگنات قدیم زمانے سے دونوں کے قبضہ میں ہیں ہر ایک انھیں پر اکتفا کرے اور دوسرے کے ملک پر طمع نہ کرے تاریخ الفی میں مذکور ہے کہ سلطان احمد شاہ بہمنی ہمیشہ گجراتیوں کی فکر میں رہتا تھا اور جو شکست اس کے لشکر کو جزیرۂ مہائم میں ہوی تھی اس کی وجہ سے اپنے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا تھا یہاں تک کہ ۸۳۵ھ ہجری میں اسے معلوم ہوا کہ فاتح گجرات کا فرزند محمود خاں کسی وجہ سے ملک ندربار میں مقیم ہے احمد شاہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اس پر لشکر کشی کی اور جلد سے جلد اس حد میں پہنچ گیا سلطان احمد شاہ گجراتی بھی دھاوا کر کے اس طرف روانہ ہوا اہل دکن نے واپسی کو بہتر جانا اور چار منزل واپس آئے۔ گجراتیوں نے بھی معاودت کا ارادہ کیا اور دریائے تاپتی کے کنارے خیمہ زن ہوے جاسوس دوبارہ آئے اور انھوں نے خبر دی کہ دکھنیوں نے پلٹ کر پھر قلعۂ تنبولہ کا محاصرہ کر لیا ہے۔ گجرات کے باشندے بھی حصار ندکور کی طرف بڑھے دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہوے۔ اور ایک دن صبح سے شام تک لڑائی کا بازار گرم رہا اسی درمیان میں رات ہوگئی اور چونکہ دونوں حاکم صلح پسند تھے بغیر اس کے کہ حرف صلح درمیان میں آئے اپنے اپنے ملک کو واپس گئے محاصرہ تنبولہ کو دیگر مورخین نے دوسری طرز سے بیان کیا ہے میں نے اختصار کو مدنظر رکھ کر طول سے پرہیز کیا اور اسی قدر بیان پر اکتفا کی اسی سال احمد آباد بیدر کا قلعہ جو چونے اور

پتھر سے تعمیر ہو رہا تھا تیار ہوا سلطان احمد شاہ لوازم شکر بجالایا اور اسی سال اپنے بھانجے شیر خاں کو جس نے خود احمد شاہ کے حکم سے سلطان فیروز شاہ کا گلا گھونٹ دیا تھا ایک جرم میں گرفتار کر کے قتل کیا ۸۳۷ھ ہجری میں ہوشنگ شاہ مالوی نے اہل دکن اور گجراتیوں کے اختلاف سے فائدہ اٹھایا اور نرسنگھ کے ملک پر لشکر کشی کی نرسنگھ لڑائی میں کام آیا اور کترلہ کا ملک ہوشنگ شاہ کے قبضے میں آگیا سلطان احمد شاہ نے اس نواح پر لشکر کشی کی نصیر خاں درمیان میں واسطہ ہوا اور اس نے دونوں فرمانرواؤں میں جنگ نہ ہونے دی بڑی گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ کھترلہ پر ہوشنگ کا اور برار پر سلطان احمد شاہ کا قبضہ رہے اور اس طریقے پر ان میں عہد و پیمان ہوا جس کی پابندی پر دونوں نے شدید قسمیں کھائیں اور اپنے ملک کو واپس ہوئے اسی درمیان میں سلطان احمد شاہ نے تلنگانہ کا سفر کیا اور بہت سے زمینداروں کو جو شاہزادہ داؤد سے سرکشی کر رہے تھے قتل کیا اور اپنے ملک کو واپس آیا بادشاہ نے احمد آباد بیدر سے ایک منزل پر ناصر الدین کربلائی کو جس کی صورت میں بادشاہ نے حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا پانچ ہزار تنگے نقرئی خاص ان کی مصارف کے لئے اور بیس ہزار تنگے دوسرے کربلائی سادات کے لئے عنایت کئے۔ سید ناصر الدین کا گذر اسی دن ایک ایسے مقام پر ہوا جہاں شیر ملک بیٹھا ہوا تھا سید نے چاہا کہ اسی طرح سوار اسکے سامنے سے گزر جائیں شیر ملک کو ناصر الدین کی یہ ادا پسند نہ آئی اور اس نے حکم دیا کہ سید کو گھوڑے سے اُتار لیا جائے سید ناصر الدین کو غصہ آیا اور انھوں نے بادشاہ سے شیر ملک کی بے ادبی کی شکایت کی بادشاہ نے ناصر الدین سے کہا کہ اس معاملے کو خدا اور اسکے رسول کے حوالہ کرو۔ بادشاہ احمد آباد بیدر پہنچا ایک روز احمد شاہ تخت حکومت پر بیٹھا تھا اور اپنے امرا کو خلعت دیکر انھیں ان کی جاگیروں پر جانے کی اجازت دے رہا تھا کہ شیر ملک بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ بادشاہ کو اس کی بے ادبی جو اس نے سید کربلائی سے کی تھی یاد آئی۔ اور اس نے شیر ملک کو قصاب نامی ایک ہاتھی کے پاؤں کے نیچے پامال کرایا۔ احمد شاہ بہمنی کی حکمرانی کو بارہ سال دو مہینے کی مدت گزری بادشاہ بیمار ہوا اور ۸۳۸ھ ہجری میں فوت ہوا کہتے ہیں کہ احمد شاہ اپنے زمانے میں مشائخ اور درویشوں سے بہت اچھا سلوک کرتا تھا اور ہمیشہ اس گروہ کا

مشتاق رہتا تھا اسی زمانے میں شاہ نعمت اللہ ولی کے ارشاد اور ان کی کرامتوں کی دھوم تھی۔ بادشاہ نے شیخ حبیب اللہ جنیدی کو جو شاہ نعمت اللہ کے خاص مریدوں میں تھے میر شمس الدین قمی کے ہمراہ بہت سے تحائف ساتھ کر کے کرمان روانہ کیا تاکہ سلطان کے وکیل ہو کر شاہ صاحب سے ملاقات کریں اور ان سے امداد کے خواہاں ہو کر ان سے ہندوستان تشریف لانے کی درخواست کریں شاہ نعمت اللہ نے بادشاہ کی فرستادہ جماعت کی تعظیم و تکریم کی اور ملا قطب الدین کو جو شیخ کے مرید تھے دکن روانہ کیا اور ایک تاج سبز دوازدہ گوشہ صندوق میں رکھ کر ملا قطب الدین کے سپرد کیا کہ یہ بادشاہ کی امانت ہے اس کے حوالہ کر دیں ملا قطب الدین دکن کے قریب پہنچے اور بادشاہ کی نظر ان پر پڑی احمد شاہ ان کو دیکھکر چلایا اور کہا کہ یہ وہی فقیر ہے جس کو میں نے سلطان فیروز شاہ سے جنگ کرنے کے زمانے میں فلاں درخت کے نیچے فلاں وقت خواب میں دیکھا تھا اور اس نے مجھے تاج سبز عنایت کیا تھا میں نے اس تاج کی نوعیت کا حال آج تک کسی سے نہیں بیان کیا اگر اس قسم کا تاج اس شخص کے ہمراہ آیا ہے تو میرے خواب کی تعبیر مل جائے گی ملا قطب الدین بادشاہ کے قریب پہنچے اور انھوں نے سلام کیا اور شاہ نعمت اللہ ولی کی دعا کہی اور کہا کہ شیخ نے فرمایا کہ فلاں تاریخ سے اس وقت تک میرے پاس تمہاری امانت موجود تھی اس کو تم تک پہنچانے کا موقع نہیں ملا اب شیخ حبیب اللہ کے آنے سے ایک صورت پیدا ہوئی اور مجھ پر واجب ہو گیا کہ تمہاری امانت تم تک پہنچا دوں سلطان احمد شاہ سے منقول ہے کہ یہ تقریر سن کر مجھ پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی اور بالکل متحیر ہو کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ تاج سبز دوازدہ ترک ہے تو اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے ملا قطب الدین نے قوت باطنی سے دریافت کیا اور کہا کہ اے بادشاہ اپنے دل میں خطرہ نہ لا یہ تاج سبز دوازدہ ترک ہے اور میں وہی شخص ہوں جس نے ولایت پناہ کے حکم سے فلاں تاریخ عالم خواب میں تجھکو یہ تاج دیا تھا جو کہا مناسب ہے اس کے بعد مولانا سے بغلگیر ہوا اور ان کو اپنے پہلو میں بٹھا کر صندوق کو کھولا اور تاج کو اسی صفت کا پا کر اسے اپنے سر پر رکھ لیا شاہ نعمت اللہ ولی نے بادشاہ کو اپنے ہاتھ سے اس خط میں عظیم الشان شہاب الدین احمد شاہ ولی کے نام سے یاد کیا تھا بادشاہ نے حکم دیا کہ منبروں پر اور فرامین میں ولی کے نام سے پکارا اور لکھا جائے

احمد شاہ نے اسی سال خواجہ عماد الدین سمنانی اور سیف اللہ حسن آبادی کو شاہ نعمت اللہ کی خدمت میں روانہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ اپنے کسی فرزند کو دکن روانہ فرمائیں۔ حضرت شیخ کے صرف ایک صاحبزادے شاہ خلیل اللہ نامی تھے شیخ کو اپنے فرزند کی مفارقت گوارا نہ ہوئی اور اپنے پوتے میر نور اللہ بن شاہ خلیل اللہ کو دکن روانہ کیا۔ سید صاحب کے ورود کی خبر پہنچی اور بادشاہ نے خاصے کی پالکی میر ابوالقاسم جرجانی کے ہمراہ روانہ کی میر نور اللہ حوالی بیدر میں پہنچے اور بادشاہ نے تمام شاہزادوں اور امیروں کے ساتھ شاہ صاحب کا استقبال کیا اور ان کو تنظیم و تکریم کے ساتھ شہر میں لے آیا اور جس جگہ کہ شاہ صاحب سے ملاقات کی وہاں ایک مسجد بنائی ایک قریہ موسوم بہ نعمت آباد آباد کیا میر نور اللہ کو ملک المشائخ کا خطاب دے کر ان کو تمام مشائخ اور پیرزادوں حتی کہ سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد پر بھی ترجیح دی احمد شاہ نے اپنی بیٹی کا میر نور اللہ سے عقد کیا ۸۳۴ھ میں شاہ نعمت اللہ ولی نے ماہان ضلع فرغون میں وفات پائی شاہ خلیل اللہ بھی دیگر مخدوم زادگان شاہ حبیب اللہ و شاہ محب اللہ کے دکن میں تشریف لائے شاہ حبیب اللہ سلطان احمد شاہ کے اور شاہ محب اللہ شاہزادہ علاؤ الدین کے داماد ہوئے شاہ خلیل اللہ بیحد انعام و اکرام سے فیضیاب ہو کر اپنے وطن روانہ ہوئے بعض مورخین لکھتے ہیں کہ شاہ صاحب مذکور دکن سے اپنے وطن نہ روانہ ہوئے اور ہندوستان ہی میں فوت ہوئے بہرحال اس قرابت کی وجہ سے شاہ خلیل اللہ کی اولاد دنیا کے اعلیٰ مرتبوں پر فائز ہوئی شاہ حبیب اللہ امرا کے گروہ میں داخل ہو کر قصبہ بیر کے جاگیردار ہوئے چنانچہ جو خانقاہ کہ قصبے کے باہر اس وقت موجود ہے وہ بعضوں کے نزدیک ان کے بھائی شاہ محب اللہ کے لئے تعمیر کی گئی تھی شاہ محب اللہ نے بارہا غیر مسلموں سے جہاد کیا تھا اس لئے احمد شاہ نے ان کو خطاب و لقب سے سرفراز کیا۔

احمد شاہ بہمنی کے زمانے میں بیدر کے ایک باشندے کے پاس ایک کُتا تھا جو وفادار اور حق شناس مشہور تھا اتفاق سے اُس شخص کو ایک واقعہ پیش آیا اور وہ روپیہ کا محتاج ہوا مالک نے کتّے کو ایک دوسرے شخص کے پاس رہن رکھا اور یہ شخص کتے کو ہمراہ لے کر قصبہ گنجوٹی روانہ ہوا اتفاق سے راستے میں

اس کا دشمن ملا اور فرصت پا کر اس نے اس پر شمشیر کے وار کئے اور چند زخم لگا کر اپنے
نزدیک دشمن کو مردہ کر دیا اور خوش خوش روانہ ہوا کتے نے دور سے یہ تمام ماجرا دیکھا
اور دوڑا اور دشمن کے قریب پہنچا اور اس کی تلوار کے واروں کو رد کر کے جس طرح سے
بھی ممکن ہوا پنجوں اور دانتوں کے زخم سے اس شخص کو ہلاک کر دیا اور واپس آ کر مہاجن
کے قریب آیا اور اس میں تھوڑی جان پائی کتے نے سر اس کے پاؤں پر ملا اور غم و الم
کے حرکات کا اظہار کرنے لگا اس شخص کو معلوم ہو گیا کہ اس کا دشمن مر گیا ہے اس نے
کتے پر بڑی مہربانی کی اور ایک قریب کے گاؤں میں اپنا علاج کرنے اور زخموں کو باندھنے
میں مصروف ہوا چند دنوں کے بعد اسے معلوم ہوا کہ وہ اس زخم سے جانبر ہونے والا
نہیں ہے اور روز بروز اس کا حال بدتر ہوتا جاتا ہے چنانچہ اس نے خود اپنے قلم
سے ایک رقعہ لکھا کہ اس کتے نے میرے ساتھ اس طرح کی وفاداری کی ہے اور
میرے دشمن کو اس طرح ہلاک کیا ہے جو حق کہ تمھارے ذمے تھا وہ ادا ہو گیا اور
اب مجھے اپنے روپیہ کا دعویٰ نہیں ہے میں نے کتے کو بیحد رضامندی کے ساتھ
رخصت کیا چاہئیے کہ اس کو ہزار دوستوں سے بہتر سمجھو اور اس سے غافل نہ رہو
اس شخص نے رقعہ اپنے قلم سے لکھ کر کتے کی گردن میں آویزاں کر دیا اور جانور کو اس کے
مالک کے پاس روانہ کر دیا مالک نے جیسے ہی کتے کو دیکھا غصے اور غضب کے آثار
ظاہر ہوئے کتے کو جوتہ سے مارا اور کہا کہ تو نے مجھکو لوگوں میں بے اعتبار کر دیا کتا اسی
وقت بے تاب ہو کر زمین پر گر پڑا اور مر گیا مالک نے اس کی گردن میں کاغذ آویزاں دیکھا
اور اسے کھول کر پڑھا اور حقیقت واقعی سے مطلع ہوا اور اس کی موت پر اس نے
تاسف کیا اور شہر کے باہر اسے دفن کر دیا قرض کے روپئے اور نیز اپنے پاس سے
دولت خرچ کر کے اس کی قبر پر ایک گنبد بنوایا جو ابتک موجود ہے۔

سلطان علاؤالدین بن احمد شاہ بہمنی۔

علاؤالدین نے باپ کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق
تخت حکومت پر قدم رکھا اور اپنے بھائی محمد خان کی بہت زیادہ
خاطرداری کی اور اسے گھوڑے ہاتھی اور عمدہ جاگیر عنایت کی
دلاور خاں افغان جو اس خاندان کا نامی امیر وکیل شاہی اور خواجہ جہاں استرآبادی وزیر کل
مقرر ہوئے بادشاہ نے خواجہ جہاں کو امور سلطنت میں بہت طاقتور بنا دیا۔

بادشاہ نے عماد الملک غوری کو جو کہن سال اور خاندان بہمنی کا بڑا معزز قدیم نمکخوار تھا امیر الامرا مقرر کیا اور اسے شاہزادہ محمد خاں اور خواجہ جہاں کے ہمراہ بیجانگر کے غیر مسلم باشندوں کی سرکوبی کے لئے جنھوں نے پانچ سال سے خراج نہ ادا کیا تھا روانہ کیا یہ لوگ کہتر کے جنگ میں پہنچکر تاخت و تاراج میں مشغول ہوئے بیجانگر کا راجہ اس فوج کے آنے سے بیحد پریشان ہوا اور بیس ہاتھی اور آٹھ لاکھ ہون اور دو سو رقاصہ لونڈیاں اور دیگر تحائف شاہزادہ محمد خاں کی خدمت میں روانہ کئے اور اسے واپس کردیا۔ شاہزادہ حوالی مدگل میں پہنچا اور دکن کے بعض فتنہ پردازوں نے شاہزادے سے کہا کہ سلطان مرحوم نے تمھیں شریک سلطنت کیا ہے بہتر ہے کہ سلطان علاءالدین ان دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرے یا تو تمھیں سند شاہی پر اپنے پہلو میں بٹھا کر تمھارے مشورے سے کاروبار سلطنت کو انجام دے یا ملک کے دو حصے کرکے ایک حصے پر خود حکومت کرے اور دوسرا حصہ تمھارے سپرد کردے اب بہتر یہ ہے کہ یہیں قیام کرو اور نصف ملک پر قبضہ کرنے کی کوشش کرو شاہزادہ محمد خاں ان مکاروں کے فریب میں آگیا اور اس نے عماد الملک غوری اور خواجہ جہاں کو اپنا ہمخیال بنانا چاہا ان دونوں امیروں نے شاہزادے کی رائے سے اختلاف کیا محمد خاں نے پختہ کار امیروں کو فتنہ پردازوں کے مشورے سے قتل کیا اور بیجانگر کی دولت سے لشکر فراہم کرنے کی تدبیریں کرنے لگا۔ شاہزادے نے فوج جمع کرلی اور مدگل رائچور۔ شولاپور اور نلدرک پر اپنا قبضہ کرلیا۔ سلطان علاءالدین عماد الملک غوری کے قتل سے بیحد رنجیدہ ہوا اور کہا کہ اس نے ہمارے اسلاف کی خدمت کی تھی اور مثل ہمارے باپ دادا کے تھا ایسے شخص کو ہلاک کرنا مبارک نہ ہوگا بادشاہ نے خزانے کا دروازہ کھولا اور لشکر درست کرکے بھائی سے لڑنے کے لئے اپنے پایۂ تخت سے روانہ ہوا دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور ان بھائیوں میں ایسی خونریز لڑائی ہوی جس کی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے آخر کار فتح سلطان علاءالدین کو نصیب ہوی اور بہت سے وہ امیر جو اس فتنہ کا باعث ہونے کی حیثیت سے گرفتار ہوئے شاہزادہ محمد خاں اپنے چند رازداروں کے ساتھ جنگل اور پہاڑوں میں آوارہ ہوا بادشاہ بیدر واپس آیا اور باقی فساد امیروں کے قصور معاف کرکے ان کو آزاد کیا اور بھائی کو نصیحت آمیز خط لکھا اور تسلی اور دلاسا

دیکر اسے اپنے پاس بلایا اور بڑی مہربانی کی بادشاہ کے دوسرے بھائی شاہزادہ
داؤد خاں جاگیردار تلنگانہ نے وفات پائی اور علاؤالدین نے ممالک تلنگ کی حکومت
شاہزادہ محمد خاں کو عنایت کر کے اس کو اثاثۂ شاہی کے ساتھ تلنگانہ روانہ کیا شاہزادہ
محمد خاں اپنی تمام عمر یہیں رہا اور عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کر کے فوت ہوا بادشاہ
نے نوروز کے دن ۸۴۰ھ ہجری میں دلاور خاں کو خلعت عنایت کیا اور اسے ملک کی
بیحد سرکش جماعت یعنی راجگان کوکن کے مقابلے میں روانہ کیا۔ راہیل اور سنگیشر کے
راجاؤں نے تسلیم خم کر دیا اور جزیہ اور خراج ادا کرنے پر راضی ہو گئے دلاور خاں نے
راجہ سنگیشر کی بیٹی کو جو حسن و جمال اور فن موسیقی میں یکتائے روزگار تھی بادشاہ کے لئے
پسند کیا علاؤالدین نے اس عورت کو "زیبا چہرہ" کے نام سے موسوم کیا ان دونوں کے
عشق کی داستان تمام ملک میں مشہور ہوئی لیکن آخر کار دلاور خاں پر یہ الزام قایم
کیا گیا کہ اس نے کوکن کے راجاؤں سے بہت زیادہ رشوت لی ہے اور اسی وجہ سے
قلعہ کے فتح کرنے میں تساہل کرتا رہا بادشاہ کا دل دلاور سے منحرف ہوا اور اس امیر نے
اس بات کو سمجھ کر وکالت کی انگوٹھی بادشاہ کے سپرد کر دی اور بیحد تضرع اور زاری
کے ساتھ اس خدمت سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشین ہو گیا اور اس طرح غضب سے نجات
پائی۔ وکالت کا منصب ایک خواجہ سرا دستور الملک نام کے سپرد کیا گیا لوگ اس
خواجہ سرا کی بدخلقی سے تنگ آ گئے بادشاہ کے حضور میں بارہا اس کی شکایت کی جاتی
تھی لیکن وہ اس کو خودغرضی پر محمول کر کے شکایتوں کا اعتبار نہ کرتا تھا اور دستور الملک کا
اعزاز روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا ایک دن علاالدین کے فرزند اکبر شاہزادہ ہمایوں
نے دستور الملک سے کہا کہ فلاں معاملے پر توجہ کر کے اس کو انجام دو دستور الملک
نے جواب دیا کہ اس کا علاج آج ممکن نہیں ہے پھر کسی دن اس پر توجہ کرونگا دو تین
روز کے بعد شاہزادہ نے پھر دستور الملک سے دریافت کیا کہ اس معاملے کا کیا ہوا
اگر تم اس پر توجہ کر کے اس کو انجام دے دو تو بہتر ہے خواجہ سرا اجل گرفتہ نے جواب
دیا کہ یہ تمام باتیں مجھ سے متعلق ہیں شاہزادہ کو ان معاملات میں کیا دخل ہے
شاہزادہ غصہ ور تھا اور سختی مزاج میں مشہور اس نے ایک سلاح دار کو بلایا اور
اس سے کہا کہ دستور الملک جس وقت دیوانخانے سے نکلے اس کو فوراً قتل کر کے

میرے خاصے کے گروہ میں شامل ہو جانا میرے ملازم تیری حفاظت پورے طور پر کرینگے یہ
سلاحدار خود بھی دستور الملک سے آزردہ خاطر تھا اسی دن عرض حال کرنے کا بہانہ کرکے
اس کے پاس بھاگا اور ایک ہی ضرب خنجر سے اس کا کام تمام کر دیا شاہزادے کے ملازم
جو وہاں موجود تھے حسب اشارہ اس کی حمایت کے لئے تیار ہو گئے اور اسے کوئی نقصان
نہ پہنچا شاہی بارگاہ میں شور بلند ہوا شاہزادہ ہمایوں باپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا بادشاہ
کے حکم کے موافق تحقیق حال کے لئے باہر نکلا اور واپس آکر بادشاہ سے کہا کہ فلاں سلاحدار
نے جو قدیم نمکخوار ہے دستور الملک کو جو اس کے حال پر توجہ نہیں کرتا تھا اور آج اسے گالی
بھی دی تھی قتل کر ڈالا ہے میرے ملازمین نے سلاحدار کو گرفتار کر لیا ہے اس کے بارے
میں کیا حکم ہوتا ہے سلطان علاؤ الدین کسی کو قتل نہ کرتا تھا اور پھر یہ کہ شاہزادے کی
گفتگو سے بھی بوئے سفارش آتی تھی بادشاہ سے سلاحدار کے نظر بند کرنے کا حکم دیا
اور مقتول کا منصب میاں من اللہ دکنی کے جو اس عہد اور پھر عہد فیروز شاہی کے
مشہور دانشمند تھے سپرد کیا گیا ۸۴۱ھ ہجری میں بادشاہ کی بیگم زینب المخاطب بہ ملکہ جہاں
نے اپنے باپ نصیر خاں سے شوہر کی کم توجہی اور زیبا چہرہ کا حال بیان کیا اور شکایت
کی نصیر خاں سلطان علاؤ الدین سے رنجیدہ ہوا اور احمد شاہ گجراتی کی رائے کے موافق برار کو
فتح کرنے کا ارادہ کر لیا اور برار کے امیروں کے پاس خفیہ طور پر قاصد روانہ کئے اور ان کو
مال و ملک کی طمع دیکر اپنی موافقت کی ترغیب دی۔ ان امیروں نے بالاتفاق یہ طے
کیا کہ چونکہ نصیر خاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہے اگر ہم اس کے دشمنوں
کے مقابلے میں تلوار اٹھائیں گے تو شہید یا غازی ہوں گے ان لوگوں نے نہایت
اخلاص و عقیدت آمیز عریضہ نصیر خاں کے پاس روانہ کیا نصیر خاں بلاتوقف خاندیس کے
لشکر اور دو ہزار سوار اور پیادوں کو جو ان کی مدد کے لئے راجہ گونڈواڑہ کے پاس سے
آئے ہوئے تھے ہمراہ لیکر برار پر حملہ آور ہوا برار کے نمکحرام امیروں نے ارادہ کیا کہ
سر لشکر برار خواجہ جہاں کو گرفتار کرکے نصیر خاں کے پاس روانہ کر دیں خان جہاں ان کے
ارادوں سے مطلع ہو گیا اور وہاں سے فرار ہو کر قلعہ ترنالہ میں پناہ گزیں ہوا۔ خان جہاں نے
ساری حقیقت سے بادشاہ کو اطلاع دی اور کہا کہ یہاں کے امیر نصیر خاں سے مل گئے
ہیں اور شہر میں اس کا خطبہ و سکہ جاری ہو گیا ہے اور قلعہ ترنالہ کا دشمنوں نے محاصرہ کر لیا ہے

سلطان علاء الدین نے مجلس شوری منعقد کی اور امیروں سے رائے طلب کی دکنی اور حبشی امیروں کے معتبر گروہ نے کہا کہ اس مہم کا سر انجام دینا خود بادشاہ کی توجہ پر منحصر ہے اس لئے کہ ہم جس وقت اس ملک پر لشکر کشی کریں گے تو گجرات اور مندو کے فرمانروا اور گونڈوارہ کا راجہ یہ سب نصیر خاں کی مدد پر تیار ہو جائیں گے بادشاہ کو ان کی تقریر سے ان کے نفاق کا پتہ چل گیا اور اس نے اس مجلس میں خلف حسن بصری ملک التجار کو دس لشکر دولت آباد کو اس مہم پر نامزد کیا خلف حسن بصری نے جو اس خدمت کو قبول کیا اور عرض کیا کہ ہم نمکخواروں کو شاہی اطاعت اور جاں نثاری کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے لیکن تمام ارکین جانتے ہیں کہ جزیرہ چھائم کی شکست کا اصلی سبب دکنی اور حبشی امیروں کا رشک و حسد ہے یہ لوگ نہیں چاہتے کہ ہمارے بھائیوں کے ہاتھ سے جن کو یہ لوگ غریب کہتے ہیں کوئی نمایاں کام انجام پائے اگر بادشاہ مغل امیروں کو خاصہ خیل کے ساتھ میرے ہمراہ روانہ فرمائے اور کوئی حبشی اور دکنی امیر ساتھ نہ چلے تو خدا کی مدد اور شاہی اقبال سے امید ہے کہ یہ مہم کامیاب رہے گی بادشاہ نے دکنی اور حبشی امیروں سے مشورہ کیا میاں من اللہ نے جو اس جماعت کے سرگروہ تھے خیال کیا کہ یہ بہت بڑی مصلحت ہے بہتر یہ ہے کہ سب سے پہلے غریبوں کی جماعت بطور مقدمہ روانہ کیجائے اگر یہ لوگ کچھ کام کر سکیں تو نہو المراد ورنہ خود بادشاہ ان کے عقب میں روانہ ہو سلطان علاؤ الدین نے تین ہزار مغل تیر اندازوں کو جو سب خاصہ خیل میں شامل تھے خلف حسن بصری کے ساتھ روانہ کیا۔ ان کے علاوہ عربی امیروں کو بھی جن میں سے بعض سلطان فیروز شاہ کے اور اکثر احمد شاہ بہمنی کے تربیت یافتہ تھے اس خدمت پر مامور کیا القصہ خلف حسن بصری پہلے اس جماعت کے ساتھ دولت آباد آیا اور اس نواح کے تمام دکنی اور حبشی امیروں کو جابجا سرحد کی محافظت خصوصاً گجرات اور مندو کی سرحدوں پر مقرر کر کے سات ہزار عربوں کے ہمراہ بڑی شان و شوکت سے برار روانہ ہوا خان جہاں بھی موقع پا کر قلعہ ترنالہ سے نکلا اور خلف حسن بصری کے استقبال کے لئے روانہ ہوا قصبہ ہتکر میں ان دونوں امیروں نے ملاقات کی خلف حسن بصری نے بعض دکنی امیروں کو جو اس کے ہمراہ تھے ایلچپور اور مالاپور روانہ کیا۔ خلف حسن بصری نے دکنیوں اور حبشیوں کو اس طرف مقرر کر کے خود پرگنہ روہنکھیڑ کا جو نصیر خاں کا لشکر گاہ تھا رخ کیا اور روہنکھیڑ کے گھاٹ پر اہل خاندیس سے

جنگ ہوی غریبوں کو فتح ہوی اور نصیر خاں نے اس شکست کو اپنے لئے مبارک نہ سمجھکر روہینگر سے کوچ کیا اور جلد سے جلد برہان پور چلا گیا اور لشکر جمع کرنے میں مشغول ہوا خلف حسن بصری نے اس نواح کو نصیر خاں کے قبضہ سے نکال لیا اور خود بھی برہانپور گیا نصیر خاں حملے کی تاب نہ لاسکا اور قلعۂ تلنگ میں پناہ گزیں ہوا خلف حسن بصری نے لشکر کو غارت کیا اور اس شہر کے دولتمندوں سے بے شمار زر و جواہر اور قیمتی کپڑے حاصل کئے اور ملک خاندیس کی غارتگری اور تباہی کے لئے روانہ ہوا خلف حسن بصری اپنا کام انجام دے کر پھر برہانپور واپس آیا اور شاہی عمارتوں کو جلاکر اپنے دکن واپس جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ لیکن رات کا ایک حصہ گزرا تھا کہ کوچ کر کے اس نے دفعۃً تلنگ کی طرف حملہ کیا اور چار ہزار سواروں کے ساتھ اس نواح میں پہنچ گیا نصیر خاں دشمن کی کمی اور ان کی خستگی اور ماندگی کا خیال کر کے بارہ ہزار سواروں اور بے شمار پیادوں کے ہمراہ حریف سے نبرد آزما ہونے کے لئے آگے بڑھا قلعے سے دو کوس کے فاصلہ پر دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوا اہل خاندیس کو شکست ہوی اور نصیر خاں کے بہت سے معتبر امیر اور برار کے باغی امرا معرکۂ جنگ میں کام آئے خلف حسن بصری ستر ہاتھی اور بہت بڑا توپخانہ ساتھ لیکر کامیاب و بامراد احمدآباد بیدر روانہ ہوا بادشاہ قدر شناس نے شاہزادۂ ہمایوں کو تمام امیروں اور ارکان دولت کے ہمراہ چار کوس استقبال کے لئے روانہ کیا اور شہر میں لے آیا بادشاہ نے خلف حسن بصری کو خلعت خاص اور چند زنجیر فیل اور شمشیر اور کمر بند مرصع عنایت کر کے اسے دولت آباد واپس جانے کا حکم دیا سلطان علاؤالدین نے اسی طرح دوسرے غریبوں کو زیادتی منصب اور جاگیر سے سرفراز فرمایا اور شاہ قلی کو جس نے اس معرکہ میں پوری مردانگی دکھائی تھی اپنی بیٹی دی اور اسے دامادی میں قبول کیا اور یہ حکم دیا کہ مجلس شاہی اور حالت سواری میں بادشاہ کے داہنے جانب غریب رہیں اور بائیں طرف دکنیوں اور حبشیوں کا گروہ بیٹھے۔ سلطان علاؤالدین کی اس عنایت سے دکنیوں اور غریبوں کے درمیان فتنہ خیز عداوت پیدا ہوی جو آج تک قائم ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کبھی دکنیوں کو موقع ملا ہے انھوں نے جی کھولکر غریب کشی کی ہے جس کا تفصیلی بیان اپنی اپنی جگہ آئے گا اسی زمانہ میں دیو رائے حاکم بیجانگر نے اپنے اپنے ارکان دولت اور برہمنوں کے ایک گروہ کو

مجلس شوریٰ میں جمع کیا اور ان سے کہا کہ تمہارا کرناٹک کا ملک طول اور عرض میں شاہان بہمنیہ کے ملک سے بڑا ہے اور ہماری فوج بھی ان کے لشکر سے اور ہماری آمدنی بھی ان کے محاصل سے کہیں زیادہ ہے اس کا کیا سبب ہے کہ لڑائی میں غلبہ اکثر انھیں کو ہوتا ہے اور ہم ان کے باجگذار ہو جاتے ہیں ارکان دولت میں سے بعض نے کہا کہ ہماری مقدس کتابوں میں درج ہے کہ خدا نے تیس ہزار برس مسلمانوں کو ہم ہندؤں پر غالب اور حکمراں کیا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندو اکثر اوقات مغلوب ہو جاتے ہیں بعضوں نے اپنی رائے ظاہر کی کہ مسلمانوں کی فتح کے دو سبب ہیں اول یہ کہ ان کے گھوڑے جاندار اور بڑے ہوتے ہیں ہمارے گھوڑے چھوٹے کم قوت اور ٹانگن ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ لشکر بہمنیہ میں تیر انداز بہت ہیں اور ہمارے لشکر میں ایسے لوگ کم ہیں لہٰذا دیو رائے نے حکم دیا کہ مسلمان کثرت سے نوکر رکھے جائیں اور ان کو اچھی طرح منصب اور جاگیر ملے راجہ نے بیجانگر میں مسجد بنوائیں اور شعار اسلام میں ہر طرح کی آزادی عنایت کی راجہ کا حکم تھا کہ قرآن شریف رحل پر میرے سامنے روزانہ رکھا جائے تاکہ مسلمان روزانہ اسے سلام کریں اور اور ہندؤں کو حکم ہوا کہ تیر اندازی خوب سیکھیں راجہ کے اعیان دولت نے مدت تک غور و فکر کرکے یہ طے کیا کہ اس وقت دو لاکھ سوار اور اسّی ہزار پیادے موجود ہیں ان کے علاوہ اور ستر ہزار سوار اور تین لاکھ پیادے نوکر رکھے جائیں اور ایسی تدبیر کی جائے کہ سپاہیوں کی تنخواہوں میں اضافہ ہو جائے تاکہ سواروں کو گھوڑے اور سامان اچھی طرح دستیاب ہوں اس قرارداد کے موافق اہل دیوانی نے دس ہزار مسلمان سوار اور ساٹھ ہزار ہندو سوار جو سب کے سب تیر اندازی جانتے تھے تیار کئے اور تین لاکھ جدید پیادے بھی مہیا کرکے دیو رائے کے ملاحظہ میں پیش کئے راجہ کو اب یہ ہوس پیدا ہوئی کہ شاہان بہمنیہ کے ممالک فتح کرے ۸۴۷ھ میں راجہ نے بڑے کروفر کے ساتھ بہمنی ممالک پر لشکر کشی کی راجہ نے دریائے تہمندرا کو عبور کیا اور تھوڑے ہی زمانے میں قلعۂ مدگل فتح کر لیا اور اپنے فرزندوں کو رائچور اور بنکاپور کے قلعوں کے محاصرہ کے لئے مقرر کیا اور خود دریائے کرشنا کے کنارے مقیم ہوا راجہ کے سپاہیوں نے ساغر اور بیجاپور تک سارا ملک تاخت و تاراج کرکے ظلم و بیداد کی

آگ روشن کردی۔ سلطان علاؤالدین نے یہ خبریں سنیں اور مقابلے کا ارادہ کر کے
تلنگانہ برار دولت آباد اور بیجاپور کی افواج کو حاضر ہونے کا حکم دیا چاروں طرفدار
احمد آباد بیدر پہنچ گئے اور پچاس ہزار سواروں اور ساٹھ ہزار پیادوں کا لشکر تیار ہو گیا
سلطان علاؤالدین نے خوش و خرم توپخانہ اور دوسرے آلات حرب کے ساتھ حریف
کی طرف کوچ کیا دیورائے اس نواح سے کوچ کر کے مدگل کے قلعے میں پناہ گزیں ہوا اور
بادشاہ کے مقابلے کے لئے فوج کو مقرر کیا۔ بادشاہ نے مدگل سے چھ کوس کے فاصلے پر
قیام کیا اور خلف حسن بصری کو دیورائے کے فرزندوں کی تادیب کے لئے خان زماں
سرلشکر بیجاپور اور خان اعظم سرلشکر برار کو دیورائے کے مقابلے کے لئے مقرر کیا
خلف حسن بصری نے پہلے قلعہ رائچور پر دھاوا کر کے دیورائے کے فرزند اکبر سے
معرکہ آرائی کی اور دشمن کو زخمی کر کے معرکۂ جنگ سے بھگا دیا خواجہ نے اب بنکاپور کا
رخ کیا لیکن ابھی یہاں پہنچا بھی نہ تھا کہ دیورائے کے فرزند کوچک نے محاصرہ ترک کر کے
باپ کے دامن میں پناہ لی۔ دو مہینے میں تین لڑائیاں قلعۂ مدگل کے حوالی میں ہوئیں جن میں
طرفین سے بہت سے آدمی کام آئے پہلی مرتبہ ہندوؤں کو غلبہ ہوا اور مسلمانوں کو سخت
تکلیف ہوئی لیکن دوسری مرتبہ مسلمان غالب آئے اور ہندوؤں کو اچھی طرح شکست
ہوئی اس لئے کہ آخر مرتبہ راجہ کا بڑا بیٹا جو خلف حسن بصری کے مقابلے میں زخمی ہو کر بھاگا
تھا اس مرتبہ خان زماں کے تیر سے راہی عدم ہوا ہندو پریشان ہو کر اس کا لاشہ لیکر
قلعے کی طرف بھاگے فخر الملک دہلوی اور اس کا بھائی جو دونوں امیروں میں داخل تھے
ہندوؤں کے تعاقب میں دوڑے چونکہ لڑائی میں بالکل منہمک تھے اسی طرح تلوار مارتے
ہوئے ہندوؤں کے پیچھے قلعہ میں گھس آئے ہندوؤں نے چونکہ اس قدر جراءت ان
دونوں میں دیکھی تھی ان کو زندہ گرفتار کر لیا اور دیورائے کے پاس لے گئے دیورائے
نے ان دونوں کو نظر بند کیا اور بیٹے کے غم میں جامۂ ماتم پہنا سلطان علاؤالدین
نے دیورائے کے پاس پیغام بھیجا کہ یہ دونوں جوان جو قلعہ میں داخل ہوئے ہیں
ان کو معرکۂ کارزار میں میں ہزار ہزار سواروں کے برابر جانتا ہوں تمھیں معلوم
ہے کہ رایان بیجانگر اور بہمنی فرمانرواؤں کے درمیان یہ طے ہو چکا ہے کہ ایک
مسلمان کے عوض لاکھ ہندوؤں کا خون بہانا ضروری ہے اگر تم نے ہمارے

قیدیوں کو کوئی جانی نقصان پہنچایا تو ہم ان میں سے ہر ایک کے عوض لاکھ لاکھ
ہندؤں کو قتل کریں گے اور تمھارے ملک کا کبھی پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ دیورائے کو
اکثر شاہان بہمنیہ سے واسطہ پڑ چکا تھا اور وہ ان کے تعصب کو بخوبی جانتا تھا راجہ
نے اپنے معتبر امیروں کے ایک گروہ کو بادشاہ کے پاس روانہ کیا اور اسے پیغام دیا کہ
اگر بادشاہ اس بات کا اقرار کرے کہ پھر کبھی ہمارے ملک پر حملہ نہ کریگا تو میں عہد
کرتا ہوں کہ ہر سال بہترین تحفہ شاہی ملاحظہ میں پیش کرتا رہونگا اور فخر الملک اور اس کے
بھائی کو بادشاہ کے سپرد کردونگا اور میں خود بھی بادشاہ کی اطاعت کے دائرے سے
قدم باہر نہ رکھونگا۔ سلطان نے راجہ کی التماس کے موافق عہدنامہ لکھکر اس کے پاس
روانہ کردیا اور راجہ نے بھی فخر الملک اور اس کے بھائی کو مع چالیس جنگی ہاتھیوں
اور طرح طرح کے بیش قیمت تحفوں اور چندسال کے واجب الاداخراج کے بادشاہ کی
خدمت میں روانہ کیا سلطان علاءالدین نے بھی خلعت شاہانہ اور اسپان تازی
اور مرصع نجام دیورائے کے لیے بھیجا غرضکہ جب تک سلطان علاءالدین بادشاہ رہا
دیورائے ہر سال پیشکش روانہ کرکے اظہار وفاداری کرتا تھا بادشاہ نے بھی اپنے عہد کو
پورا کیا اور بدۃ العمر کرناٹک پر حملہ آور نہیں ہوا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان علاءالدین نے اپنی حکومت کے زمانے میں بہت
نفیس اور عمدہ شفاخانہ تعمیر کرایا تھا اور چند گاؤں اس کے اخراجات کے لئے وقف
کردئیے تھے تاکہ ان کی آمدنی سے بیماروں کو دوا اور غذا اور ہندو اور مسلمان طبیبونکی
تنخواہ اور دیگر انتظامات کئے جائیں۔ بادشاہ نے قاضی۔ اور امین خداشناس محتسب ملک
میں مقرر کئے اور باوجود اس کے کہ خود شراب نوشی کرتا تھا عام حکم جاری کردیا کہ رعایا میں
ہر شخص شراب وقمار سے پرہیز کرے بادشاہ نے فقیروں اور دریوزہ گروں کے گلے
میں لوہے کا طوق ڈالا اور انھیں غلیظ صاف کرنے اور مٹی اٹھانے اور دوسرے
شدید محنت کے کاموں پر مقرر کیا اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ اس محنت کی وجہ سے
بیکاری کے پیشے سے باز آکر یا کسب معاش کریں یا بہمنی دائرۂ حکومت سے نکلجائیں
اگر ان قواعد اور سختی کے باوجود بھی کوئی شخص کبھی شراب پیتا تھا یا کسی اور نشہ آور
چیز کے گرد پھٹکتا تو سیسہ گلا کر اس کے حلق میں ڈالا جاتا تھا اس قسم کی سزاؤں سے

کوئی شخص مستثنیٰ نہ تھا (اس مقام سے کچھ عبارت پاس ادب کی وجہ سے حذف کی گئی ہے)
بادشاہ نے ملک اور رعایا کی اس خوبی کے ساتھ خبر گیری کی کہ فریدوں اور نوشیرواں کے
حالات محض افسانہ سمجھے جانے لگے علاؤ الدین کا دستور تھا کہ جمعے اور عیدین کے مواقع پر
مسجد میں حاضر ہوتا تھا اور منبر کے پاس بیٹھکر وعظ سنتا اور خلق خدا کو آزار دینے اور بیگناہوں
کا خون بہانے پر کبھی راضی نہ ہوتا تھا بادشاہ نے کنائس اور بتخانے ڈھائے اور بہت سی
نئی مسجدیں تعمیر کرائیں سلطان علاؤ الدین کا دستور تھا کہ نصارا ہندوؤں اور برہمنوں سے
بات نہ کرتا اور نہ انھیں معاملات ملکی میں کوئی دخل تھا لیکن علاؤ الدین شاہ کا بیجانگر کی یورش
سے واپس ہونا تھا کہ عیش و عشرت نے اس پر غلبہ کیا اور تمام مہمات سلطنت شاہی بارگاہ
کے نااہلوں کے ہاتھ میں آ گئے بادشاہ نے ایک ہزار حسین عورتیں محل شاہی میں جمع کیں
اور دریائے نعمت آباد کے کنارے ایک بے نظیر باغ لگایا اور اسی عمارت میں شراب
وساقی کے عشق کا متوالا ہوا۔ اس عیش و عشرت کے زمانے میں چار یا پانچ مہینے کے بعد
ایک مرتبہ سلام عام کی اجازت ہوتی تھی دکنیوں کو پورا غلبہ حاصل ہو گیا اور من اللہ دکنی
مستقل وکیل شاہی بن گئے۔

اسی دوران میں بادشاہ کو سواحل دریا کے قلعوں کی فتح کا خیال آیا اور اس نے
خلف حسن بصری کو سات ہزار دکینوں اور تین ہزار عرب سواروں کے ساتھ اس مہم پر
نامزد کیا خلف حسن بصری نے بلدہ جنیر کے قریب قصبۂ جالنہ کو اپنا قیام گاہ بنایا اور وہاں
قلعہ تعمیر کر کے باری باری لشکر کو کن روانہ کرنے اور اس نواح کے راجاؤں کو زیر کرنے لگا
یہاں تک کہ قضا نے اسے پکارا اور خود اس طرف روانہ ہوا۔ حسن بصری نے ایک حصار
جو سرکہ نام ایک غیر مسلم کے قبضہ میں تھا ہر طرح کی کوششوں سے فتح کیا اور سرکہ کو اختیار
دیا کہ خواہ وہ مسلمان ہو اور خواہ اپنا سر فاتح کے نذر کرے اس مکار نے خواجہ سے کہا کہ
میں اور راجہ سنگیسر والی کندھانہ کا حکمراں دونوں ہم سر اور ہم مرتبہ ہیں اگر میں مسلمان ہو جاؤنگا
اور وہ اپنی موجودہ حالت پر باقی رہے گا تو آپ کی مراجعت کے بعد مجھ پر طعنہ زنی کر کے
میرے اعزہ اور اقارب کو مجھ سے برگشتہ کر دے گا اور میرے قدیم موروثی ملک پر خود
قابض ہو جائیگا اگر آپ تھوڑی تکلیف گوارا کریں اور اس نواح کو بھی فتح کر کے وہاں کی حکومت بھی
میرے سپرد کر دیں یا اپنے کسی امیر کو وہاں کا حکمراں بنا دیں تو میں بخوشی خاطر مسلمان ہو کر بادشاہ اسلام کا

حلقہ بگوش ہو جاؤں گا اور ہر سال اس قدر مال اور دولت خزانہ شاہی میں داخل کرتا رہوں گا اور ان واقعات کے بعد اس نواح میں اگر کوئی سرکش فتنہ و فساد برپا کرے تو اس کا جواب دہ میں ہونگا۔ خلف حسن بصری نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ وہاں جانے کا راستہ بیحد تنگ و تاریک ہے اور منزل مقصود تک پہنچنا دشوار ہے۔ سرکہ نے کہا کہ جب میرا سپاہی خواہ مقدمۃ لشکر بن کر ساتھ چلے گا تو یقین کامل ہے کہ کسی سوار کو بھی کوئی گزند اور نقصان نہ پہنچے گا اور اطمینان کے ساتھ کاربراری ہو جائے گی چونکہ ملک التجار کا وقت آچکا تھا اس نے دشمن کے قول پر بھروسہ کرلیا اور ۸۵۰ھ ہجری میں اس طرف روانہ ہوا اکثر دکنیوں اور حبشیوں نے نفاق سے کام لیا اور ملک التجار کے ہمراہ سفر نہ کیا خلف حسن بصری خود روانہ ہوا اور سرکہ نے دو روز تو نہایت کشادہ اور عمدہ راستہ طے کیا کہ تمام اہل لشکر اس سے بیحد راضی اور خوش ہوئے لیکن تیسرے دن ایک ایسی راہ اختیار کی جو بیحد تنگ و تاریک اور خوفناک تھی۔ اہل لشکر بحال خراب راستہ طے کر کے ایک ایسے جنگل میں پہنچے جہاں درختوں کے جھنڈ اور جھاڑیوں کی کثرت سے ہوا کا بھی مشکل سے گزر ہوتا تھا۔ اس جنگل کے تین طرف سربفلک پہاڑ تھے اور ایک طرف ایک خلیج تھی جو جنگل کے ساحل تک پھیلی ہوئی تھی پہاڑوں میں ایسے غار اور درے تھے کہ اُن کی تہہ کا پتہ نہ تھا اور جس راستے سے کہ جنگل میں داخل ہوئے تھے اُس کے سوا کسی دوسری راہ کا نشان تک نہ ملتا تھا خلف حسن بصری اس زمانے میں اسہال خونی کے مرض میں مبتلا تھا اور دن رات میں چالیس مرتبہ سے زیادہ قضائے حاجت کے لئے بستر مرض سے اُٹھنا پڑتا تھا۔ ملک التجار نے ہر چند کوشش کی کہ اہل لشکر ترتیب اور قاعدے کے ساتھ ایک دوسرے کے قریب رہیں لیکن تدبیر کارگر نہوی جس کے دو سبب تھے اول یہ کہ صبح سے شام تک سفر کرنے کے بعد سپاہی اس قدر خستہ اور ماندہ ہو جاتے تھے کہ شام کو جہاں جو پہنچ گیا وہیں اُس نے رات بسر کرنیکا سامان کرلیا دوسرے یہ کہ اس جنگل میں اتنی بھی جگہ نہ تھی کہ دو خیمے ایک دوسرے سے متصل نصب کر کے ایک رات بسر کرنیکا بھی انتظام کیا جاسکے۔ اس زمانے میں جبکہ لوگ اس حال بد میں گرفتار تھے سرکہ دغا پیشہ خود اس جنگل میں غائب ہو گیا اور اس نے رائے سنگیسر سے کہلا بھیجا کہ میں ایک

ایسا عمدہ شکار تمھارے لئے لایا ہوں اور اس منصوبے سے بہتر دوسرا خیال اب
تصور میں نہیں آسکتا جو کچھ تم سے ممکن ہو کرو رائے سنگیسر نے تیس ہزار پیادہ توپچی
اور کماندار اور خنجر باز جمع کئے سرکہ بھی اپنا لشکر فراہم کرکے اس کے ساتھ ہوا۔
آدھی رات گزرنے کے بعد یہ لوگ دروں اور غاروں سے گھس کر جنگل میں
آئے اور انھوں نے سات آٹھ ہزار مسلمانوں کو درختوں کے نیچے بکریوں
کی طرح ذبح کیا اس لئے کہ ہوائے تیز کے شور سے مقتولوں کی آواز دوسروں کے
کان تک نہ آسکتی تھی اور ایک ہمسایہ کو دوسرے کی خبر نہ ہوتی تھی رات اس قدر
تاریک تھی کہ لوگوں کو اپنا ہاتھ تک نظر نہ آتا تھا جب ان ظالموں نے دیکھا کہ
مقتول لشکر میں ایک دوسرے کی خبر نہیں ہے اور اطراف وجوانب کے لوگ
بمد تیغ ہو چکے تو یہ لشکر خلف حسن بصری کی طرف بڑھا اور ملک التجار مع پانچ سو
کربلائی نجفی اور مدنی سادات حسنی کے شہید ہوگیا۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کا بقیہ
لشکر جو زندہ رہ گیا بڑی دقت اور خرابی کے ساتھ اس جنگل سے باہر نکلا دکنی امیروں
نے اس گروہ سے جس نے ملک التجار کے ساتھ منافقانہ سلوک کیا تھا اور
اس کے ساتھ نہ آیا تھا حال کہا۔ ان امیروں نے پریشان حال سپاہیوں سے کہا
کہ تمھاری حالت بہت خراب ہے مناسب یہ ہے کہ تم لوگ اپنی جاگیروں پر
جاکر اپنا سامان درست کرکے جلد سے جلد آؤ دکنی اور حبشی سپاہی تو اسی تباہی
کی حالت میں اپنے ملک کو واپس گئے اور مغلوں نے کہا ہماری جاگیر دور ہے
ہم بلا حکم شاہی یہاں سے سفر نہ کریں گے بلکہ ہم خلف حسن بصری کے قیام گاہ
قصبہ چاکنہ میں مقیم ہوکر روپیہ قرض لیں گے اور اس طرح اپنا سامان درست کرکے
جلد واپس آئیں گے امیروں نے ان کے ارادے سے اتفاق کیا اور مغل سپاہی
قصبۂ مذکور کی طرف روانہ ہوے لیکن چند نا عاقبت اندیش مغل سپاہیوں نے
یہ کہا کہ ان دکنی امیروں کے نفاق نے خلف حسن بصری اور دیگر سادات کو
شہید کروایا ہم قصبہ چاکنہ پہنچکر بارگاہ شاہی میں عریضہ ارسال کریں گے اور حقیقت حال
سے بادشاہ کو مطلع کریں گے یہ خبر دکنیوں تک پہنچی اور وہ اپنے مآل کار سے ڈرے اور خود پیش دستی
کرکے مکاری سے بادشاہ کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ خلف حسن بصری اپنی ناعاقبت اندیشی سے

سر کہ نام ایک غیر مسلم دغاباز کے قول پر اعتماد کر کے سادات اور مغل لشکر کے ساتھ فلاں
جنگل میں داخل ہوا ہر چند ہم بہی خواہان سلطنت نے ہزار حیلوں اور بہانوں سے
اس سفر کی خرابیاں اس کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ ان کی
آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے تھے انھوں نے ہماری ایک نہ سنی اور جو کچھ اُن پر
گزری وہ عیاں ہے خلف حسن بصری کے واقعے کے بعد ہر چند ہم جانثاروں نے مغل امیروں
سیدوں اور خاصہ خیل سے کہا کہ نمک حلالی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم بادشاہ سے کوئی
دوسرا افسر طلب کریں اور باہم متفق ہو کر سر کہ اور رائے سنگیسر سے انتقام لیں
لیکن انھوں نے ہماری ایک نہ سنی بلکہ جواب میں دشنام اور نا ملائم الفاظ سے ہم کو
یاد کیا اور قصبۂ جاگنہ چلے گئے اب ان لوگوں کے تیور یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ سر کش قلعۂ جاگنہ
میں مقیم ہو کر راجگان کوکن سے اتحاد قائم کریں اور اس طرح علانیہ مخالفت کر کے سخت ترین
فتنہ وفساد برپا کریں۔ دکنی امیروں نے یہ عریضہ مشیر الملک دکنی کے پاس روانہ کیا
مشیر الملک مغلوں کا سب سے بڑا دشمن اور ان دنوں بادشاہ کی ناک کا بال ہو رہا تھا
اس امیر نے یہ عریضہ اس وقت بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا جبکہ اس کا دماغ نشۂ شراب
سے سرشار تھا اور خلف حسن بصری کا قصہ اور غریبوں کا تمرد ایسے الفاظ میں بیان کیا کہ
بادشاہ کا مزاج فوراً بگڑ گیا اور انتہائی غیظ میں اس کو حق و باطل کی تمیز نہ رہی۔
علاء الدین شاہ نے مشیر الملک دکنی اور نظام الملک دکنی کو جو غریبوں کے خون کے پیاسے
اور ان کے غلبے سے بیحد ناراض تھے جاگنہ کے امیروں کے قتل اور ان کی تباہی پر
متعین کیا۔ مذکورۂ بالا امیر سنگدل اور جفا پیشہ بن کر سیدوں کا خون بہانے کے لئے
اس طرف روانہ ہوئے سادات عرب و عجم نے امیروں سے لیکر غربا تک یہ واقعہ سنا
اور قلعۂ جاگنہ میں پناہ گزیں ہو کر اور قصبے کو محفوظ اور مضبوط بنا کر قیام پذیر ہوئے ان
لوگوں نے ایک عریضہ بادشاہ کے حضور میں روانہ کیا جس میں اخلاص اور یک جہتی کا
اظہار کر کے اصل واقعہ سے اطلاع دی۔ ان کا معروضہ اثنائے راہ میں مشیر الملک کے ہاتھ لگا اور
اس نے خط کو احمد آباد بیدر نہ جانے دیا بلکہ پارہ پارہ کر کے پھینکدیا غریبوں کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی
اور انھوں نے دو معروضے جدید لکھے اور چونکہ ان ناموں کا اپنے ہم قوم قاصدوں کے ہاتھ روانہ کرنا
محال تھا یہ خط دو ہندوستانیوں کو دیئے اور ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ راستے سے

احمد آباد بیدر روانہ کیا۔ ان بدبخت نامہ بروں نے بھی عداوت سے کام لیا اور دونوں خط مشیر الملک دکنی کے سپرد کر دئے۔ مشیر الملک نے قاصدوں کو گھوڑے اور خلعت اور روپیہ دے کر دل شاد کیا اور حسب دستور سابق ان خطوں کو بھی پارہ پارہ کر دیا اور پہلے سے بھی زیادہ راستوں کا انتظام کر دیا۔

ان واقعات سے سادات کا گروہ اپنے جد امجد حضرت حسین علیہ السلام کی طرح اپنے مآل کار سے پریشان ہو کر راضی بہ قضائے الٰہی ہو گیا۔ غریبوں نے بالاتفاق غلہ اور آذوقہ جس قدر کہ ممکن ہوا جمع کیا اور حریف کی مدافعت پر تیار ہو گئے یہ خبر مشیر الملک دکنی کو پہنچی اور اس نے دکنی امیروں کو جو کوکن میں مقیم اور بانی فساد تھے اپنی مدد کے لئے بلایا اور چتر اور اس کے نواح سے بیشمار پیادے جمع کر کے قصبہ جاگنہ پر دھاوا کیا اور اس کا محاصرہ کر کے اہل قلعہ کو تنگ کرنے لگا۔ دو مہینے کے قریب لڑائی کا بازار گرم رہا اور اس درمیان میں دکنیوں کے عریضے برابر اسی مضمون کے بادشاہ کے حضور میں پہنچتے رہے کہ غریب ابتک بغاوت اور سرکشی پر آمادہ اور اپنے ارادوں میں پختہ ہیں ان لوگوں نے سلطان گجرات سے مدد طلب کی ہے اور اب یہ چاہتے ہیں کہ قصبہ کو اس کے سپرد کر دیں درباری دکنی امیر مناسب وقتوں میں ان عرایض کو بادشاہ کے حضور میں پیش کرتے اور ان ناموں کے جواب میں شاہی فرامین اس مضمون کے صادر ہوتے تھے کہ باغیوں کے قتل اور ان کے تباہ کرنے میں ایسی عمدہ کوشش کرو کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو اگر محنت اور مشقت سے غریبوں کا کوئی خط بیدر پہنچ بھی جاتا تھا تو اہل دکن اس خط کو لے کر انھیں واپس نہیں دیتے تھے اور یہ جواب دیتے تھے کہ ہم عریضوں کو بادشاہ تک پہنچا دیتے ہیں، اور چونکہ سلطان انتہا سے زیادہ غضب ناک ہے وہ ان کے جواب کی طرف توجہ نہیں کرتا غریبوں نے جب اپنے خطوں کا یہ حال دیکھا تو یہ طے کیا کہ چونکہ اذوقہ اور غلہ اب کم ہو گیا ہے لہٰذا زن و فرزند کو معتبر لوگوں کی نگہبانی میں حصار کے اندر چھوڑ دیں اور خود دھاوا کرتے ہوئے احمد آباد بیدر پہنچیں اور بادشاہ کو حقیقت حال سے آگاہ کریں اہل دکن غریبوں کے اس ارادے سے مطلع ہوئے اور مشیر الملک نظام الملک اور دوسرے دکنی امیروں نے اس میں مشورہ کیا کہ اگر حریف اسی طرح قلعہ سے نکل کر روانہ ہوئے اور ہم نے ان کا تعاقب کیا تو جبتک کہ ہماری ایک جماعت کثیر قتل نہ ہو گی ہمارا مقصود جو اس جماعت کی تباہی ہے

حاصل نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے مکر و دغا کا پھر ارادہ کیا اور اہل حصار کو پیغام دیا کہ ہم امت پیغمبر علیہ السلام اور اسلام کے مدعی ہیں ہم کو تمھارے زن و فرزند پر جو زیادہ تر سادات ہیں رحم آیا ہے اور ہم نے بادشاہ سے تمھارے قصور کی معافی کی درخواست کی اور اس نے ہماری درخواست کو قبول فرما کر یہ حکم دیا ہے کہ تم کو آزار جانی اور مالی نہ پہنچائیں اور جہاں تمھارا ارادہ ہو تمھیں چلے جانے کی اجازت دیں کنی امیروں نے اپنے قول کی تائید میں فرمان شاہی بھی غریبوں کو دکھایا اور دونوں سرداروں نے خدا اور رسولؐ اور قرآن کی قسمیں کھائیں کہ اہل حصار کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ غریبوں کو ان کے اقوال پر اطمینان ہو گیا اور تمام اہل حصار جو تعداد میں دو ہزار پانچ سو تھے جن میں ایک ہزار دو سو صحیح النسب سید بھی تھے اپنے زن و فرزند اور مال کے ساتھ حصار سے باہر نکلے ان لوگوں کے پاس سواری اور بار برداری کے جانور نہ تھے اس لئے اس کا انتظام کرنے کے لئے حوالی قلعہ میں قیام پذیر ہوئے مشیر الملک اور نظام الملک قلعہ کے اندر داخل ہوئے اور تین دن تک اپنے عہد پر قائم رہے اور اہل حصار کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ چوتھے روز دکنی امیروں نے غربا کے امیروں انیسوں کو دعوت کے بہانے سے بلایا۔ قاسم بیگ صف شکن قرآن خان گرد اور احمد بیگ یکہ تاز کے سوا تمامی امیر مشاہیر غربا کے ساتھ جن کی تعداد تقریباً تین سو تھی قلعے میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ قلعے میں داخل ہو کر کھانا کھانے میں مشغول ہوئے۔ دکنیوں کی ایک جماعت مسلح کمین گاہ میں پوشیدہ تھی مشیر الملک اور نظام الملک کے اشارے کے موافق یہ لوگ برہنہ تیغ و خنجر ہاتھ میں لئے ہوئے باہر نکلے اور بجائے ضیافت کے غریبوں کو شربت شہادت سے سیراب کرنے لگے چار ہزار دکنی زرہ پوش جو جا بجا کھڑے غدر کے منتظر تھے خیمہ و خرگاہ کی طرف دوڑے اور غریبوں کو قتل و غارت کرنے لگے ایک سال کے بچے سے لے کر سو سال کے بوڑھے تک سبھوں کو قتل کیا چنانچہ ایک ہزار دو سو سید اور تقریباً پانچ یا چھ ہزار مغل تھے جو ظالموں کے ہاتھ سے قتل ہوئے اب اہل دکن تاراج کرنے میں مشغول ہوئے اور مقتولوں کے اہل و عیال تک ان کی دست درازی سے محفوظ نہ رہے اور واقعۂ کربلا پھر دنیا میں تازہ ہوا التعجب ہے کہ یہ لوگ اپنے کو امت رسولؐ کہتے تھے اور محض تہمت اور افترا کی بنا پر

انھوں نے اس طرح فرزندان رسول کو قتل کیا۔ قاسم بیگ صف شکن قرا جہاں گرد اور
احمد بیگ یکہ باز جو غریبوں سے ایک کوس کے فاصلے پر مقیم تھے دکنیوں
کے اس غدر سے واقف ہوئے ان لوگوں نے خود جبہ پہنا اور اپنی عورتوں
کو مردانہ لباس پہنا کر احمد آباد بیدر روانہ ہوئے مشیر الملک دکنی اور
نظام الملک غوری نے داؤد خاں کو دو ہزار سواروں کی سرکردگی میں ان
کے تعاقب میں روانہ کیا اور رعایا اور جاگیر داروں کو لکھا کہ یہ لوگ نمکحرام
ہیں اگرچہ یہ جماعت بادشاہ کی وفاداری کا دم بھرتی ہے لیکن ان کے قول
پر اعتماد نہیں ہے ان کو جس طرح ممکن ہو قتل کرو اور ان کے مال اور گھوڑوں
کو غارت کرو اور ان کو کہیں آرام اور قرار نہ لینے دو قاسم بیگ صف شکن
اور دوسرے امیر تین سو ہمراہیوں کے ساتھ حیران و پریشان چلے جاتے
تھے جس جگہ کہ اہل دکن ان لوگوں سے مل جاتے تھے یہ لوگ ان سے
جنگ مردانہ کر کے دشمنوں کو تیروں سے پریشان اور پراگندہ کر دیتے تھے۔
رات کو یہ لوگ جنگل میں اترتے تھے یہ غریب حوالی شہر میں پہنچے اور
داؤد خاں نے سر راہ ان لوگوں کو تنگ کیا اور حسن خاں جاگیر دار پیٹر کو لکھا کہ یہ
لوگ حرام خور ہیں تم ان کو اس طرف سے دفع اور قتل کرو تاکہ ہم سب ملکر ان
نمکحراموں کو تباہ کریں اور ان کے سر تن سے جدا کر کے شاہی بارگاہ میں روانہ
کریں۔ قاسم بیگ صف شکن اور حسن خاں میں رابطۂ اتحاد تھا بیجانگر کے ایک
معرکہ میں حسن خاں کو مدد دے کر اسے دشمن کے پنجے سے آزاد کرایا تھا حسن خاں
کو اس وقت قاسم بیگ کا وہ احسان یاد آیا اور اس نے جواب دیا کہ اگر یہ لوگ
نمکحرام ہوتے تو اب تک کب کے گجرات کی سرحد کو جو یہاں سے تین دن کی راہ ہے
پہنچ گئے ہوتے۔ داؤد خاں حسن خاں کی مدد سے مایوس ہوا اور اس کا تمام پسماندہ لشکر اس
سے آملا داؤد خاں نے تقریباً دو ہزار پانچسو سواروں کی ایک جمعیت تیار کی اور قاسم بیگ صف شکن
کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔ قاسم بیگ اور اس کے ہمراہی جان سے ہاتھ دھو کر دشمن کے
مقابلے میں آئے اتفاق سے ایک دفعہ میں دو تیر داؤد خاں کے لگے اور وہ خاک و خون کا
ڈھیر ہو گیا۔ اہل دکن نے یہ حالت دیکھکر دشمن کی تباہی میں اور زیادہ کوشش کی اور غریبوں کو

سراسیمہ کردیا اسی دوران میں حسن خاں اپنی جماعت کے ساتھ میدان جنگ میں نمودار ہوا
غریب یہ سمجھے کہ ان کو دوسری بلا سے سابقہ پڑا ناگاہ ایک شخص حسن خاں کے لشکر کا پہنچ گیا
اور اس نے کہا کہ لڑائی میں ثابت قدم رہو میں فوراً تمھاری مدد کو آتا ہوں قاسم بیگ اور
اس کے ہمراہیوں کے تن میں جان آئی تھوڑی دیر کے بعد حسن خاں بھی پہنچ گیا اور
اہل دکن سے مقابلہ کرکے ان کی مدافعت کرنے لگا اہل دکن نے داؤد خاں کی لاش
معرکۂ جنگ سے اٹھائی اور قصبۂ جاگنہ کی راہ لی قاسم بیگ قصبۂ بیر کے باہر اترا اور
قاسم اور حسن سے بالاتفاق ایک معروضہ بادشاہ کے حضور میں روانہ کیا۔ عرضداشت
کا مضمون بادشاہ کو معلوم ہوا اور اس نے قاسم بیگ صف شکن کو اپنے حضور میں
طلب کیا تمام غریب بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوئے سلطان علاؤالدین نے ان لوگوں
کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ اصل حقیقت سے واقف ہونے کے بعد بادشاہ نے
مصطفیٰ خاں سرآمد کار ملکی کو جس نے غریبوں کے عرائض اب تک چھپائے تھے
اسی وقت قتل کیا اور حکم دیا کہ اس کی لاش کوچہ و بازار میں گشت کرائی جائے بادشاہ
نے قاسم بیگ صف شکن کو خلف حسن بصری ملک التجار کے بجائے سرلشکر دولت آباد
اور خیبر مقرر کیا اور قراخاں کرد اور احمد بیگ یکہ تاز کو بھی ایک ہزاری منصب داروں
میں داخل کرکے نوازش شاہانہ سے سرفراز فرمایا اور دوبارہ غریبوں کی ترتیب میں مشغول ہوا اور
ان میں سے ایک جماعت کثیر کو صاحب اختیار کیا۔ مشیر الملک دکنی اور غوری کے مکانات علاقۂ شاہی
میں داخل کیے گئے اور یہ دونوں سردار مع دیگر بانی فساد دکنی امیروں کے حکم شاہی کے مطابق طوق و زنجیر
پہنا کر پاپیادہ جاگنہ سے پائے تخت تک لائے گئے۔ جن لوگوں نے کہ ابتدا ایسی افترا پردازی کی
تھی اور اس طرح کے عریضے بادشاہ کے حضور میں روانہ کیے تھے ان کو بری طرح ہلاک کرکے
ان کے پسماندگان کو نان شبینہ کا محتاج کردیا۔ طبقات محمود شاہی کی روایت کے مطابق مشیر الملک
اور اس کا ہمنشین غوری امیر اسی سال عارضۂ برص میں گرفتار ہوئے اور انکی اولاد آوارہ ہوگئی۔
۸۵۵ھ ہجری میں شیخ آذری کا جو سلطان کا مرشد اور زمانۂ شاہزادگی میں اس کا بہی خواہ تھا ایک
طولانی عریضہ آیا شیخ نے اس خط میں بادشاہ کو نصیحت آمیز کلمات لکھے تھے بادشاہ اس خط کو دیکھکر بیحد
متاثر ہوا اور شراب خواری سے توبہ کرلی علاؤالدین نے اہل دکن کی ایک جماعت کو جو غریب کشی کی وجہ
سے قید تھے ہلاک کیا اور شیخ کو اپنے ہاتھ سے جواب نامہ لکھا اور ایک کثیر رقم شیخ کے لئے خراسان روانہ کی۔

اس واقعے کے بعد علاء الدین اپنے باپ یعنے اعظم الشان سلطان احمد شاہ بہمنی کی طرح ہر روز مہمات سلطنت کو خود انجام دیتا تھا بادشاہ نے اہل دکن کو دربار اور محل کی بڑی خدمتوں سے معزول کیا۔

۸۵۷ھ ہجری بادشاہ کی پنڈلی زخمی ہوی ہر چند اس کا علاج ہوا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اس مرض کی وجہ سے بادشاہ گھر سے بہت کم نکلتا تھا اور اکثر اوقات اس کی موت کی خبر ملک میں مشہور ہو جاتی تھی یہاں تک کہ جلال خاں جو سید جلال بخاری کی اولاد اور سلطان احمد شاہ بہمنی کا داماد تھا سرکار تلنگانہ میں نلگنڈہ کا جاگیر دار تھا اس نواح کے اکثر حصوں پر قابض ہو گیا جلال خاں نے اپنے فرزند سکندر خاں کو جو احمد شاہ بہمنی کا نواسہ تھا فوج اور سامان سے قوی کر کے اس ملک پر متصرف کر دیا۔ خان اعظم اُسی زمانے میں فوت ہو چکا تھا اور تلنگانے میں کسی صاحب اثر امیر کا وجود تک نہ تھا تلنگانہ کے اکثر امیر سکندر خاں سے متحد ہو گئے اور چاہا کہ اسے اس نواح کا فرمانروا تسلیم کر لیں سلطان علاء الدین نے بیماری کے باوجود لشکر کی حاضری کا حکم دیا اور حملے کی تیاری کرنے لگا جلال خاں بادشاہ کی زندگی اور اس کے ارادے سے مطلع ہوا اور اس سے اس بارے میں مشورہ کیا جس میں یہ قرار پایا کہ سکندر خاں ماہور کو جو تلنگانہ اور برار کے درمیان واقع ہے چلا جائے اور وہاں فوج تیار کرے بادشاہ برابر عہد نامہ روانہ کرتا تھا لیکن اثر نہیں ہوتا تھا اس لئے کہ شاہزادہ محمد خاں کی بغاوت میں بھی سکندر خاں کو پورا دخل تھا یہ مخالفت اس قصور پر ہو گئی تھی اس لئے وہ کسی وجہ سے بھی بادشاہ سے مطمئن نہیں ہوتا تھا سکندر خاں نے سلطان محمود خلجی مالوی کو لکھا کہ سلطان علاء الدین بیمار ہوا اور مدت گزری کہ اس نے اس دنیا سے کوچ کیا اعیان ملک نے اس کی موت کو اپنے مقاصد کے حصول کی غرض سے چھپا رکھا ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ ملک کے سر برآوردہ لوگوں کو تباہ کر ڈالیں اگر جناب اس وقت توجہ فرمائیں تو تلنگانہ اور برار دونوں ملک آسانی سے آپ کے قبضے میں آجائیں گے۔ سلطان محمود مالوہ بھی اس قول پر اعتبار کر کے اور والی امیر اور برہان پور کے مشورہ سے دکن کے سفر پر تیار ہو گیا۔

۸۶۰ھ ہجری میں سلطان محمود نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ کوچ کیا اور سکندر خاں چند منزل اس کا استقبال کر کے محمود شاہ سے جا ملا۔ سلطان علاء الدین نے تلنگانہ کی یورش کا قصد کرنا برائے چندے ملتوی کیا اور خواجہ محمود گیلانی المشہور بہ گاواں کو ایک ہزاری منصب دار بنا کر بعض دیگر امیروں کی ہمراہی میں جلال خاں کی سرکوبی کے لئے متعین کیا اور برار کے لشکر کو حاکم برہانپور

کے مقابلے میں جس نے سلطان محمود شاہ مالویہ سے اتحاد کر لیا تھا روانہ کیا۔ بادشاہ نے قاسم بیگ صف شکن
سرلشکر دولت آباد کو بطور مقدمۃ الشکر روانہ کرکے خود بھی پانچ کوس کے فاصلے سے بیجاپور اور خاصہ خیل
کے لشکر کے ہمراہ پالکی میں بیٹھکر کوچ کیا اور سلطان محمود خلجی سے جنگ کرنے کے لئے ماہور کے جنگل میں
قیام پذیر ہوا۔ سلطان محمود کو جب معلوم ہوا کہ دکن کا فرمانروا زندہ ہے اور ایک بہت بڑی جمعیت
کے ساتھ مقابلے کے لئے تیار ہے تو آدھی رات کو کوچ کرکے اپنے ملک کو روانہ ہو گیا سلطان محمود
نے اپنے ایک امیر کو مدد کے بہانے سے سکندر خاں کے ساتھ کر دیا اور اسے سمجھا دیا کہ اگر سکندر خاں
پھر دکنیوں سے ملنا چاہے تو اسے ایسا نہ کرنے دے اور اس کے گھوڑے ہاتھی اور تمام
اثاثۂ سلطنت ضبط کرکے مندو میں لے آئے۔ سکندر خاں اس رمز کو سمجھ گیا اور مالوی سپاہیوں
کی جانب راست سے ان لوگوں سے جدا ہوا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ جن میں اکثر راجپوت
اور افغان تھے نلگنڈہ چلا گیا اس زمانے میں خواجہ محمود گاواں نے نلگنڈہ کا محاصرہ کیا تھا سکندر خاں
نے تدابیر سے اپنے کو اندرون قلعہ پہنچا دیا خواجہ محمود گاواں خدا سے چاہتا تھا کہ ایسا ہی ہو اس نے
اہل حصار کو اور زیادہ پریشان کرنا شروع کیا سکندر خاں جب بیحد تنگ ہوا تو اس نے خواجہ کے
ذریعے سے بادشاہ سے اماں نامہ حاصل کیا قلعہ خواجہ کے سپرد کر دیا اور خود بھی محمود گاواں کے
ہمراہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا بادشاہ نے سکندر خاں کو اس کی جاگیر نلگنڈہ پر بحال کیا اور فخر الملک
کو بدستور قدیم ماہور کا حاکم مقرر کرکے رائچور کے تھانہ دار فرخ الملک پر بیحد نوازش فرمائی اور احمد آباد بیدر
واپس آیا۔ سلطان علاء الدین نے اسی مرض یعنے بعارضۂ درد پا ۸۶۲ھ ہجری میں وفات پائی اس بادشاہ
نے تیئیس سال نو مہینے بیس روز حکمرانی کی کہتے ہیں کہ سلطان علاء الدین بڑا فصیح و بلیغ تھا اور فارسی
بہت اچھی جانتا تھا اس نے دوسرے علوم کی بھی فی الجملہ تحصیل کی تھی کبھی کبھی جمعے اور عیدین میں
جامع مسجد بھی جاتا تھا اور منبر پر بیٹھکر خطبہ پڑھتا تھا۔ علاء الدین اپنے کو السلطان العادل الکریم
الحلیم الرؤف عفی عباد اللہ الغنی علاء الدنیا والدین بن اعظم السلاطین احمد شاہ ولی بہمنی کے
لقب سے یاد کرتا تھا، ایک عرب سوداگر نے کچھ گھوڑے بادشاہ کے اہل دربار کے ہاتھوں فروخت کئے
تھے اور درباری قیمت ادا کرنے میں پس و پیش کرتے تھے۔ یہ تاجر سادات کے قتل سے بھی آزردہ خاطر
تھا۔ ایک دن عرب تاجر منبر کے قریب بیٹھا ہوا تھا بادشاہ نے اپنے کو مذکورۂ بالا خطاب سے یاد کیا
عرب فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور اس سے کہا لا واللہ العادل والکریم والحلیم والرؤف
انت الکذاب تقتل الذریۃ الطاہر و تتکلم بھذا الکلمات علی منابر المسلمین۔

یعنے خدا کی قسم تو عادل و کریم و رحیم و رؤف نہیں ہے اے کذاب تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک ذریت کو قتل کرتا ہے اور پھر مسلمانوں کے منبر پر اس طرح کے کلمات زبان پر لاتا ہے بادشاہ بیحد متاثر ہوا اور زار زار رونے لگا اور کہا کہ وہ لوگ کبھی آخرت میں سرخرو نہ ہوں جو مجھے یزید کی طرح دنیا و عقبیٰ میں بدنام کرتے ہیں علاء الدین نے سوداگر کو گھوڑوں کی قیمت اسی وقت ادا کی اور اپنے مکان واپس گیا اس واقعے کے بعد بادشاہ پھر کبھی مکان سے باہر نہیں نکلا یہاں تک کہ اس کی لاش محل کے باہر لائی گئی سلطان علاء الدین کے زمانے میں شاہ خلیل اللہ بن شاہ نعمت اللہ ولی اور میر نور اللہ بن شاہ خلیل اللہ نے رحلت فرمائی۔

شاہ خلیل اللہ نے دو فرزند اپنی یادگار چھوڑے ایک شاہ حبیب اللہ داماد سلطان احمد شاہ بہمنی اور دوسرے شاہ محب اللہ داماد سلطان علاء الدین، شاہ حبیب اللہ باوجود اس کے کہ فرزند اکبر تھے فن سپاہ گری کی طرف مائل ہوئے اور فرزند دوم شاہ محب اللہ باپ کے سجادہ نشین ہوئے۔ شاہ حبیب اللہ بھائی کو اپنے والد کا جانشین بنا کر خود امیرانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

مورخین کہتے ہیں کہ سلطان علاء الدین نے اپنے آخر وقت تمام امیروں اور مدبروں کی امید کے خلاف ہمایوں شاہ ظالم کو جس کی عادتوں سے تمام لوگ اس سے بیزار تھے اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ سلطان علاء الدین کی وفات سے قبل نظام الملک دولت آبادی جو تھوڑا ہی زمانہ ہوا کہ وکیل سلطنت مقرر ہوا تھا اور اپنے کام میں بیحد مشاق تھا فرار ہوا اور اپنے فرزند کے پاس جو قاسم بیگ صف شکن کے مرنے کے بعد خطاب ملک التجار سے سرفراز ہو کر صوبہ دار دولت آباد اور جنیر مقرر ہوا تھا چلا گیا۔ قبل اس کے کہ سلطان علاء الدین کے مرنے کی خبر مشہور ہو دونوں باپ بیٹے گجرات چلے گئے اور اس طرح ان لوگوں نے ہمایوں شاہ بہمنی کے دغدغے سے نجات حاصل کی۔

ہمایوں شاہ بہمنی
بن
سلطان علاء الدین شاہ

سلطان علاء الدین کی وفات کے وقت اس کا فرزند اکبر ہمایوں شاہ المشہور بہ ظالم اپنے مکان میں تھا سیف خاں اور بلو خاں نے جو معتبر بہمنی امیر تھے اس کی موت کو چھپایا اور بلا تامل اس کے چھوٹے بھائی

حسن خاں کو تخت حکومت پر بٹھا دیا شاہ حبیب اللہ بن شاہ خلیل اللہ اور بعض دوسرے
امیروں نے جو اہل اصول تھے اس جلوس کو غنیمت جانا اور سیف خاں کے ہمنوا
بن گئے لوگ ہمایوں شاہ کے گھر کو تاراج کرنے اور اس کو قتل کرنے کے لئے روانہ ہوئے
اور ایک عجیب شور و غوغا بلند ہوا۔ ہمایوں شاہ انہیں جبہ پوش سواروں کے ساتھ جن میں
سکندر خاں اور اس کے بھائی بھی شامل تھے باہر نکلا اور جنگ کرنے لگا تاراج کرنیوالوں
نے شکست کھا کر حسن خاں کے دامن میں پناہ لی اور ہمایوں شاہ ان کے عقب میں
روانہ ہوا اور اس نے دربار شاہی کا رخ کیا اتفاق سے راستے میں فیل بان۔ پردہ دار
سلحدار سر نوبت اور بقیہ اہل حشم سے جو ہمایوں شاہ کو دیکھتا تھا اس کے پاس چلا
آتا تھا اس طرح ہمایوں کے پاس بہت بڑی جمعیت ہو گئی اور دیوانخانے میں پہنچ گیا۔
ہمایوں شاہ نے اپنے چھوٹے بھائی حسن خاں کو جو تخت سے اتر کر سارے جسم سے
کانپ رہا تھا گرفتار کیا اور سیف خاں بانی فساد کو ہاتھی کے پاؤں میں باندھکر
تمام کوچہ و بازار میں گشت کرایا اور اسے قتل کر ڈالا شاہ حبیب اللہ اور دوسرے
امرا کو قید کیا۔ ملو خاں لڑتا ہوا شہر سے باہر نکلا اور کرناٹک کی سرحد تک پہنچ گیا۔
ہمایوں شاہ بہمنی نے تخت حکومت پر جلوس کیا اور اپنے باپ کی وصیت کے مطابق
خواجہ محمود گاواں کو جو حاجی محمد قندھاری کی روایت کے مطابق خاندان سلاطین سے
تھا ملک التجار کا خطاب دیا اور اسے وکیل شاہی اور طرفدار بیجاپور مقرر کیا
اور ملک شاہ کو جو خاندان مغل کا بزرگ زادہ تھا اور جس کی بابت بعض
مورخین کی رائے ہے کہ سلاطین چنگیزیہ کے خاندان سے تھا۔ خواجہ جہاں کا
خطاب دیکر تلنگانے کا طرفدار بنایا۔ عماد الملک غوری کے برادر زادے کو کہ قابل
اور بہادر جوان تھا نظام الملک کے خطاب سے سرفراز کر کے ایک ہزاری منصبدار
کیا اور تلنگانہ کے ممالک اس کی جاگیر میں عطا کئے سکندر خاں بن جلال خاں جو شاہزادگی
کے زمانہ میں اس کا مصاحب اور تلنگانہ کی سپہ سالاری کا امیدوار تھا بیحد رنجیدہ ہوا
اور بغیر حکم شاہی باپ کے پاس نلگنڈہ چلا گیا جلال خاں نے بیٹے کی خاطر مخالفت کا
اعلان کیا اور لشکر جمع کرنے میں مشغول ہوا سلطان نے خیال سنا اور خان جہاں حاکم برار کو جو مبارکباد
کی غرض سے بیدر آیا ہوا تھا اس کے دفعیہ پر مامور کیا سکندر خاں نے لشکر جمع کر کے تلنگانہ میں اس سے

صف آرائی کی اور حریف پر فتح پائی۔ ہمایوں شاہ یہ سمجھا کہ اس فتنہ کا فرو ہونا خود اسکی توجہ پر منحصر ہے اس خیال کی بنا پر اس نے سال جلوس میں اس طرف لشکر کشی کی۔ بادشاہ حوالی تلنگانہ میں قیام پذیر ہوا اور اس بات کا منتظر تھا کہ سکندر خاں اور جلال خاں بادشاہ سے امان طلب کر کے حاضر ہوں گے کہ دفعتاً ایک رات سکندر خاں نے شاہی لشکر پر شبخون مارا اور بیحد نقصان پہنچایا بادشاہ نے صبح کو اپنا لشکر آراستہ کیا اور قلعہ کے سر کرنے میں مصروف ہوا۔ سکندر خاں کو اپنے سپاہیوں پر پورا بھروسہ تھا میمنہ اور میسرہ درست کر کے سات یا آٹھ ہزار افغان راجپوت اور دکنی سواروں کی جمعیت سے بادشاہ کے مقابلہ میں آیا ہمایوں شاہ نے سکندر خاں کے پاس پیغام بھیجا کہ تمھیں اپنے ولی نعمت سے جنگ کرنا مبارک نہ ہوگا اور میرے نزدیک تم سے بہادر کا تباہ ہونا افسوسناک امر ہے میں تمھارا قصور معاف کرتا ہوں اور تمھیں اختیار دیتا ہوں کہ دولت آباد میں جو پرگنہ تم پسند کرو اپنی جاگیر میں لے لو سکندر خاں نے جواب دیا کہ بادشاہ احمد شاہ کا پوتا ہے اور میں مرحوم بادشاہ کا نواسہ ہوں اور حکمرانی میں بادشاہ کا شریک ہوں یا تو مجھے تلنگانہ کا ملک عطا کرے اور یا لڑنے کے لئے تیار ہو ہمایوں شاہ کو غصہ آیا اور اس نے نقارۂ جنگ بجوایا۔ سکندر خاں نے بھی دلیری سے کام لیا اور بے ادبی کے ساتھ پیش آیا چونکہ تجربہ کار سپاہی تھا ہمایوں شاہ کے حملوں کو ہر مرتبہ اس بہادری سے رد کیا کہ زمین و آسمان نے اس کی تعریف کی غرضکہ قریب تھا کہ اس روز بلاکسی نتیجہ کے ایک دوسرے سے جدا ہوں اور فردا کا انتظار کریں کہ ناگاہ ملک التجار کاواں نے بیجاپور کے لشکر اور خواجہ جہاں نے تلنگانہ کی فوج کے ساتھ میمنہ اور میسرہ سے مردانہ وار حملہ کیا اور بہت سے جوان اور بہادر سکندر خاں کے معرکۂ جنگ میں کام آئے۔ ہمایوں شاہ کو موقع ہاتھ آگیا اور اس نے پانچ سو جوان تیر انداز اور پانچ سو بہادر نیزہ گذار قلب لشکر سے جدا کر کے ایک فیل مست کو ساتھ لیا اور سکندر خاں کے خاصہ کی فوج پر حملہ آور ہوا تیر اندازوں نے اپنا کام شروع کیا اور سکندر خاں شیر نر کی طرح بڑھا اور اس نے طرفۃ العین میں ان لوگوں کو پسپا کر دیا چونکہ بادشاہ کا مست ہاتھی بھی معرکۂ جنگ میں تھا اس نے بہت سے بہادروں کو ہلاک کیا سکندر خاں نے نیزہ اپنے ہاتھ میں لے کر چاہا کہ خود اس کو ہلاک کرے کہ فیل مست نے فیلبانوں کی کوشش اور تحریک سے اس کو اپنی سونڈ میں لپیٹا اور زین سے اوپر اٹھا کر غصہ میں اس کو زمین پر پٹک دیا اور دوسرے

کی طرف متوجہ ہوا سکندر خاں کے سپاہیوں نے جو آدمیوں کے زخمی اجسام پر گھوڑوں کو دوڑا رہے تھے نادانستہ خود اپنے مالک پر گھوڑے دوڑا دئے اس صدمہ سے سکندر خاں کا سینہ پامال ہو گیا اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور کفران نعمت نے اپنا کام کیا ہمایوں شاہ نے ایک گروہ کو مفروروں کے تعاقب میں روانہ کیا جن میں سے ایک کثیر تعداد سپاہیوں کی قتل ہوی۔

اس واقعہ کے دوسرے دن ملک التجار کاواں اور خواجہ جہاں ترک شاہی حکم کے مطابق قلعہ نلگنڈہ کے محاصرہ میں مشغول ہوے اور جبر اور زبردستی سے اس قلعہ کو سر کیا جلال خاں فرزند کو جنگ کی نذر کر چکا تھا ایک ہفتہ کے بعد فریادرسی کا کوئی طریقہ بجز اماں کے نظر نہ آیا۔ جلال خاں محمود کاواں اور خواجہ جہاں کے وسیلہ سے اماں حاصل کی اور جیسا باب مال و دولت ساتھ لے کر جو اس نے چالیس یا پچاس برس کے زمانۂ امارت میں جمع کیا تھا بادشاہ کی قدمبوسی کو حاضر ہوا۔ جلال خاں اگرچہ نظر بند کر لیا گیا لیکن اس نے چند روزہ حیات کو غنیمت جانا اور اسی قید کی حالت میں زندگی کے دن بسر کرتا رہا۔

ہمایوں شاہ نے سکندر خاں کے فتنہ کو فرو کر کے دیور کنڈہ کے قلعہ کو سر کرنے کا ارادہ کیا یہ قلعہ تلنگانہ کے زمینداروں کے قبضہ میں تھا جو سکندر خاں کا بہی خواہ تھا۔ بادشاہ بڑے غور کے بعد خود ورنگل گیا اور خواجہ جہاں ترک اور نظام الملک غوری کو دیور کنڈہ کی مہم پر متعین کیا تلنگیوں نے باہم اتفاق کر کے چند مرتبہ لڑائی کا بازار گرم کیا لیکن ہر دفعہ شکست کھائی اور خواجہ جہاں ترک کو فتح ہوی ان لوگوں نے جب مقابلہ کی طاقت نہ پائی تو قلعہ میں پناہ گزیں ہوے اور خواجہ جہاں ترک نے کوہستان میں خیمے لگا کر قلعہ کا محاصرہ کیا اور اہل حصار کو تنگ کرنے میں کوشاں ہوا۔ تلنگانہ کے باشندے اس محاصرہ سے پریشان ہوے اور انھوں نے اڈیسہ کے راجہ اور دوسرے راجگان اطراف سے جو قوت و شوکت میں ممتاز تھے قاصد بھیجکر مال کثیر دینا قبول کیا اور ان سے مدد طلب کی۔ ان راجاؤں نے بہت زیادہ خیل و حشم مع چند زنجیر فیل کے ان کی مدد کو بھیجے اور خود اپنی مدد کا بھی ان کو مژدہ دیکر تلنگیوں کو ان واقعات سے قوی دل بنا یا اور انھوں نے جنگ کا ارادہ کر لیا۔ خواجہ جہاں ترک اور نظام الملک غوری ان امور سے آگاہ ہوے اور انھوں نے آپس میں

مشورہ کیا نظام الملک نے یہ رائے دی کہ امدادی لشکر کے آنے تک ہم کو قلعہ سے دست بردار ہو جانا چاہیے اور تنگ دروں سے نکل کر کھلے میدان میں خیمے نصب کر کے جنگ شروع کرنا چاہیے۔ نظام الملک کی یہ رائے خواجہ جہاں ترک نے پسند نہ کی اور کہا کہ اگر یہاں سے کوچ کریں تو حریف ہماری روانگی کو ابتری پر محمول کر کے ہمارا تعاقب کریگا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اسی جگہ دشمن کے مقابلہ میں صف آرا ہوں نظام الملک نے چارۂ کار نہ دیکھا اور خاموش ہو گیا۔ دوسرے روز صبح کو ایک طرف سے راجہ اڈیسہ اور اوریا نے اور دوسری جانب سے تلنگانہ اور قلعہ کی فوج نے خواجہ جہاں پر حملہ کیا چونکہ جگہ تنگ تھی اور سپاہیوں کو آمد و رفت کا موقع نہ تھا مسلمانوں کو شکست ہوئی اور بہت سے سپاہی مارے گئے۔ خواجہ جہاں ترک اور نظام الملک غوری نیم جاں باہر نکلے لیکن غیر مسلموں کے تعاقب کی وجہ سے ان کو کہیں دم لینے کا موقع نہ ملا اور اسی کوشش بھاگتے ہوئے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہمایوں شاہ کے پاس ورنگل پہنچ گئے۔ بادشاہ نے واقعہ کا استفسار کیا اور خواجہ جہاں ترک نے جان کے خوف سے دروغ مصلحت آمیز کو راستی پر ترجیح دیا اور کہا کہ جو کچھ ہوا نظام الملک غوری کی وجہ سے ظہور میں آیا ہمایوں شاہ نے بغیر اس کے کہ حقیقت حال کی تفتیش کرے اسی مجلس میں نظام الملک سے بہادر زمانہ کے قتل کا حکم دیا نظام الملک کے عزیز و اقارب بھاگ کر محمود شاہ خلجی کے پاس پناہ گزیں ہوئے بادشاہ نے خواجہ جہاں ترک کو بھی ایک قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ نظام الملک خود فرار ہو کر محمود مالوی کے پاس پہنچ گیا۔ مختصر یہ کہ ہمایوں شاہ نے انتقام لینے کا مصمم ارادہ کیا اور یہ طے کر لیا کہ دیور کنڈہ پر دوبارہ لشکر کشی کرے کہ دفعتہً احمد آباد بیدر سے خبر آئی کہ یوسف ترک کچل نے شاہزادہ حسن خاں اور شاہ حبیب اللہ کو زندان سے باہر نکالا اور سب کے سب بالاتفاق قصبۂ بیدر چلے گئے ہمایوں شاہ فرار ہو گیا اور ملک التجار کو تو اس نے تلنگانہ کے انتظام کے لئے وہیں چھوڑا اور خود جمادی الآخر ۸۶۴ھ ہجری میں جلد سے جلد پائے تخت کو روانہ ہوا اور بیدر پہنچ کر ظلم و ستم ڈھانے لگا اور جو دل میں آیا وہ کیا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شاہ حبیب اللہ شاہزادۂ حسن خاں کی دوستی کے جرم میں ہمایوں شاہ کا قیدی بنا بادشاہ نے نلگنڈہ پر حملہ کیا اور سکندر خاں کو قتل کر کے اس نواح کے قلعوں کے

فتح کرنے میں مشغول ہوا شاہ حبیب اللہ کے سات مریدوں نے بالاتفاق اپنے مرشد کی رہائی پر کمر ہمت باندھی اور یوسف ترک کحیل کو جو سلطان علاء الدین کا غلام اور متقی صلب دیانت و امانت باتمیز پرہیزگار تھا اُس کے دامن میں پناہ لی یوسف ترک بھی اسی خاندان کا مرید تھا ان لوگوں کے ساتھ ایک دل اور ایک زبان ہو گیا اور اس نے بعض کوتوالوں اور محافظوں کو ملا لیا اور اس طرح بارہ سوار اور پچاس پیادے فدائی تیار ہو گئے۔ باوجود اسکے کہ اس وقت تین ہزار پیادے پائے تخت کی محافظت میں موجود تھے یوسف ترک نے خدا پر توکل کیا اور فدائیوں کے گروہ کے ساتھ شام کے قریب بادشاہی محل میں جہاں محبس تھا آیا چونکہ محافظ اکثر اپنے اپنے کام میں تھے اور تھوڑے دربان جو وہاں تھے انھوں نے منع کیا یوسف ترک نے کہا کہ میرے پاس شاہی فرمان آیا ہے۔ کہ قید خانہ میں جا کر فلاں فلاں مجرموں کی آنکھیں نکال لوں اور اس بارے میں سرخ رنگ کا فرمان جو بہمنی بادشاہوں کا رواج دیا ہوا تھا فوراً بغل سے نکال کر ان کو دکھلایا محافظ خاموش ہو گئے اور یوسف ترک پہلے دروازہ سے نکلا اور دوسرے دروازہ پر پہنچا اس در کے دربانوں نے اسے اندر آنے سے منع کیا ہر چند یوسف نے جعلی فرمان دکھایا لیکن انھوں نے نہ مانا اور کہا کہ ایسے کام کے لئے کوتوال شہر کا پروانہ درکار ہے یوسف ترک نے اس گروہ کے سردار کا سر قلم کیا اور قلعہ کے اندر داخل ہوا حصار کے اندر غل و شور برپا ہوا یوسف سب سے پہلے زندان کے اس حصہ میں گیا جہاں مشاہیر ملک نظر بند تھے اور اس نے شاہ حبیب اللہ کی زنجیر قید توڑ ڈالی یہ حال دیکھکر شہزادہ یحییٰ خاں و حسن خاں بن سلطان علاء الدین اور جلال خاں بخاری نے بھی بیحد عاجزی کے ساتھ ان سے درخواست کی کہ ان کی زنجیر قید کو بھی توڑ دے۔ یوسف نے ان لوگوں کو بھی قید سے رہا کیا اور اس کے بعد دوسرے زندانیوں سے جو دارالامارۃ کے پاس قید تھے کہا کہ جو شخص ہمارا ساتھ دے اپنی زنجیر توڑ کر باہر نکلے اور تخت گاہ کے دروازہ کے پاس ہم سے مل جائے۔ یوسف ترک نے شاہزادہ حسن خاں اور دیگر مشاہیر محبس کو اپنے ساتھ لیا اور تخت گاہ کے دروازہ کے قریب ایک پہر رات تک کھڑا رہا اور زندانی جن میں علما۔ فضلا۔ سادات فقرا اور اہل شہر ہر طبقہ کے آدمی شامل تھے کل سات ہزار تھے اس وقت کو بہت بڑی نعمت سمجھے اور موکلوں کو گردن سے

دشگادیگر مجلس سے باہر آنے لگے اور شوق و ذوق کے ساتھ یوسف ترک کے قریب جمع ہو گئے۔ ان میں سے بعض لکڑی سے اور بعض پتھروں سے جنگ کرتے تھے اس درمیان میں کوتوال شہر کو خبر ہوی اور محلات شاہی کی طرف دوڑا ان لوگوں نے جانبازی کی اور اس کو سنگ وچوب سے مار کر پسپا کر دیا اس رات ہر شخص ایک علیحدہ گوشہ میں چلا گیا لیکن جلال بخاری جو اسّی برس کا بوڑھا تھا اور شاہزادہ یحییٰ خاں بن سلطان علا الدین شاہ اسی رات کوتوال شہر کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر ذلت اور خواری کے ساتھ مارے گئے شاہزادہ حسن خاں اور شاہ حبیب اللہ ایک حجام کے گھر میں جو شاہ حبیب اللہ کا خدمت گار تھا چھپ گئے شاہ حبیب اللہ نے قلندرانہ چار ابرو کا صفایا کیا اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ گوشہ عافیت میں بیٹھکر قناعت کے ساتھ زندگی بسر کریں شاہزادہ حسن خاں نے لکھا کہ رعایا اور فوج دونوں ہمایوں کے ظلم سے نالاں اور ہمارے خواہاں ہیں اب دوبارہ اگر اقبال نے تمہارا ساتھ دیا یقین کامل ہے کہ مرغ بے بال و پر کی طرح دشمن بے دست و پا ہو کر ہمارے پنجہ میں گرفتار ہو جائے گا۔ امیرزادہ چونکہ ہمیشہ کلاہ امارت سر پہ رکھنے کا عادی تھا اس نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا اور حسن خاں کے ساتھ قول و قرار کر کے دونوں قلندروں کی ایک جماعت کے ساتھ شہر سے باہر نکلے اور لشکریوں کے گروہ کے گروہ ان کے پاس آنے لگے یوسف ترک بھی شاہزادہ حسن خاں سے آملا یہ گروہ چھ یا سات روز پائے تخت کے سب سے خوشنما باغ میں جو احمد آباد بیدر سے تین کوس کے فاصلہ پر واقع ہے مقیم رہے اور اس کے بعد تین ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادوں کی جمعیت سے مستعد اور مکمل ہو کر قلعہ ارک بیدر کے سر کرنے کے لئے روانہ ہوے۔ ان لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ بیدر کا فتح کرنا آسان نہیں ہے اور اہل حصار نے برج دبارہ کو مضبوط کر لیا ہے دشمن کی مدافعت اور مخالفت میں بہت زیادہ کوشاں ہیں تو اس کی فتح سے مایوس ہوے اور قصبۂ بیڑ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تاکہ اس حصۂ ملک پر اپنا قبضہ کریں۔ اس طرح پر یوسف ترک امیرالامرا مقرر ہوا اور شاہ حبیب اللہ وزارت اور جمعیتہ الملکی کے مرتبہ پر فائز ہوے۔ حسن خاں اور اس کے بہی خواہ لشکر کے جمع کرنے میں مشغول ہوے۔ ہمایوں شاہ نے جس کی سفاکی۔ سختی کج خلقی اور ظالمانہ سرشت دکن میں ضرب المثل اور زبان زد خاص و عام ہے تلنگانہ میں یہ خبریں سنیں اور بہت جلد احمد آباد بیدر پہنچا۔ بادشاہ نے سب سے پہلے ان

تین ہزار پیادوں کو جو شہر کی محافظت پر مقرر تھے طرح طرح کے عذاب سے قتل کیا اور کوتوال کو لوہے کے قفس میں قید کر کے ہر عضو اس کا ایک دن کاٹتا اور اس کو کھلاتا تھا اور سارے شہر میں اس طرح اس کی تشہیر کی جاتی تھی یہانتک کہ کوتوال اسی قید کی حالت میں فوت ہوا۔ اس واقعہ کے بعد بادشاہ نے آٹھ ہزار سوار اور بے شمار پیادے اپنے بھائی کے مقابلہ پر متعین کئے۔ بیڑ کے جنگل میں خانقاہ کے قریب فریقین میں لڑائی ہوئی اس معرکہ میں شاہ حبیب اللہ وزیر اور جمعیۃ الملک کی کوشش سے حسن خاں کو فتح نصیب ہوئی۔ ہمایوں شاہ کا فطری غیظ و غضب اور زیادہ ہوا اور اس نے تمام امیروں اور سلحداروں کو جو تلنگانہ کی یورش میں اس کے ہمراہ تھے خزانہ اور جنگی ہاتھیوں کے ساتھ بیڑ روانہ کیا۔ بادشاہ نے ان امیروں کے زن و فرزند کو موکلوں کے سپرد کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ منحرف ہو کر شاہزادہ حسن خاں سے ملجائیں دونوں بھائیوں میں خونریز جنگ واقع ہوئی حسن خاں شاہی اثاثہ چھوڑ کر معرکۂ کارزار سے بیجانگر بھاگا خستہ اور بدحال ساتھ یا آٹھ سو سواروں کے ساتھ حوالی بیجاپور میں پہنچا۔ سراج خاں جنیدی جو آخر میں ہمایوں شاہ کا ملازم ہو کر خواجہ معظم خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا اس جگہ کا تھانہ دار تھا۔ سراج خاں نے شہزادہ کے ساتھ دغا کی اور اسے یہ پیغام دیا کہ یہ ملک آپ سے متعلق ہے اور چونکہ اس نواح کا طرفدار خواجہ کاواں ان دنوں تلنگانہ میں ہے یہ ملک حریف سے خالی ہے اگر آپ اس شہر میں قیام کریں تو میں اقرار کرتا ہوں کہ بیجاپور رائچور اور مدگل کی رعیت اور فوج آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے گی اور سب آپ کے مطیع و فرمانبردار ہو جائیں گے شاہزادہ حسن خاں نے شاہ حبیب اللہ یوسف ترک اور دوسرے سات معتمد امیروں کے مشورہ سے سراج خاں جنیدی کی درخواست قبول کی اور بیجاپور کے خام قلعہ میں مقیم ہوا۔ سراج خاں نے لوازم ضیافت اور اظہار خلوص میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی اور اس طرح ان لوگوں کو بالکل غافل کر دیا اور شام کے وقت سلام کے بہانہ سے حصار کے اندر آیا اور اس محل کا جن میں کہ یہ حضرات نظر بند تھے محاصرہ کر لیا دوسرے روز سراج خاں نے ارادہ کیا کہ ان لوگوں کو گرفتار کر کے ہمایوں شاہ کے پاس بھیجدے۔ شاہ حبیب اللہ نے ترکش کو سامنے کیا اور اس قدر لڑے کہ شہید ہو گئے سراج خاں نے شہزادہ حسن خاں یوسف ترک اور ان کے دیگر بہی خواہوں اور نوکروں

یہاں تک سقہ اور خاکروب و فراش کو بھی قید کر کے احمد آباد بیدر روانہ کر دیا۔
ہمایوں شاہ نے بازار سیاست گرم کیا اور اس کے غضب کا دریا جوش میں آیا۔
بادشاہ نے حکم دیا کہ بیدر کے بازار میں دار اور حلقے نصب کئے جائیں اور جا بجا
مست ہاتھی اور تمام اقسام کے درندے کھڑے کئے جائیں۔ اس کے علاوہ
دوسرے مقامات پر گرم پانی اور جلتے ہوئے تیل کے قرابے بھرے ہوئے تیار رہیں۔
شاہی حکم کی تعمیل کی گئی۔ اور بادشاہ دیوان خانہ بالاخانہ پر بیٹھا اور سب سے پہلے
اس نے شاہزادہ حسن خاں کو شیر کے سامنے پھنکوایا درندے نے شاہزادہ کو پارہ پارہ کر ڈالا
اس کے بعد یوسف ترک اور ساتوں ہمراہی تہ تیغ کئے گئے۔ بادشاہ نے ان مجرموں کے
زن و فرزند کو نہایت بری طرح ان کے گھروں سے باہر نکالا اور بارگاہ میں جہاں کہ
تمام لوگوں کا مجمع تھا طرح طرح کی فضیحتوں کے ساتھ جن کا ذکر کرنا بھی آئین آداب اخلاق
کے خلاف ہے ان پر سختیاں کیں اور ان مظالم و جور و جفا کا جو خاص ہمایوں کے
ایجاد کئے ہوئے تھے ان کو شکار بنایا اور عورت و مرد بوڑھے اور بچے سب کو قتل کیا اور
اس طرح گویا ضحاک اور حجاج کے کارناموں کو بھی اپنے اعمال کے مقابلہ میں ہیچ کر دیا بعد
اس کے شاہزادے کے متعلقین اور اس کے متوسلین کو جو تقریباً سات سو
نفر اور اس معاملہ سے بالکل بے خبر تھے یہاں تک کہ باورچی طبقچی اور دیگ شو
وغیرہ کو بھی شاہ بازار میں روانہ کیا جس میں سے بعضوں کو پھانسی دی گئی اور بعض
شیر اور ہاتھی کے سامنے ڈال کر ہلاک کئے گئے اور بعضے دیگ میں ڈال کر
جوش دیئے گئے اور بعضوں کا چاقو اور دستہ سے کام تمام کیا گیا اور بعضوں کا
جسم ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا۔

صاحب تاریخ محمود شاہی روایت کرتا ہے کہ میں نے خود ہمایوں شاہ کے
ایک مقرب ہمنشین سے سنا ہے کہ جس زمانہ میں شاہزادہ حسن خاں کی بغاوت کی
خبر بادشاہ نے ورنگل میں سنی تو ایسا غصہ و غضب اس پر طاری ہوا کہ اپنے
کپڑے پھاڑتا تھا اور زمین اور فرش کو ایسا دانتوں سے پکڑ کر دباتا تھا کہ اس کے
لب اور اس کا منہ زخمی ہو جاتا تھا۔ بادشاہ نے ورنگل سے بیدر پہنچ کر جو کچھ کیا اور
جس طرح خونریزی اور جور و جفا کی اس کی مثال پرانے ظالموں کے کارناموں میں

نہیں ملتی اس بیدرد فرمانروا کی تلوار اپنے اور بیگانہ سب پر برابر چلی اور اس نے ایسا
ظلم کیا کہ اگر حجاج کو اس کے مقابلہ میں نوشیروان عادل سے نسبت دیں تو بیجا
نہ ہوگا ہمایوں شاہ کو شاہزادہ حسن خاں کے واقعہ نے ایسا خود رفتہ کردیا کہ اکثر شاہزادے
جو وارث ملک اور قلعوں اور گوشوں میں قناعت کے ساتھ زندگی کے دن بسر
کر رہے تھے بادشاہ کے قہر وغضب سے نہ بچے اور ہمایوں شاہ نے ان سبھوں
کو گرفتار کرکے قتل کیا۔ سیاست کے باعث بادشاہ تمام خلق خدا سے بدگمان
ہوگیا اور اس کے ظلم وستم میں کسی طرح کی کمی نہیں ہوتی تھی اور ہمیشہ مسلم
وغیر مسلم وبیگناہ سب کے سب اس کی جفاؤں کے شکار ہوتے تھے اس کی سیاست
ایک شخص کے جرم پر سارے قصبہ کو خاک سیاہ کردیتی تھی اور اس کی غصہ کی
آگ تر وخشک سب کو جلا دیتی تھی۔ بادشاہ نے لوگوں کے اہل وعیال پر دست
درازی کی اور اس طرح نفس امارہ کا بھی شکار ہوا کہیں ایسا ہوتا کہ شاہی حکم
سے دلھن راستہ سے پکڑ کر شاہی محل میں پہونچا دیجاتی اور دوسرے دن اپنے
شوہر کے گھر رخصت کیجاتی کبھی اہل حرم بھی بے گناہ قتل کئے جاتے تھے
ارکان دولت اور اعیان مملکت بادشاہ کے ملازم اور مجرے کو جاتے اپنے
اہل وعیال سے رخصت ہوکر دیوان خانہ میں آتے اور جس کو جو وصیت کرنی
ہوتی وہ اپنے وارثوں کو کرکے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوتا ہمایوں شاہ
رعایا پر یہ ظلم وستم ڈھارہا تھا کہ خدا نے رعایا پر رحم فرمایا اور بادشاہ اسی
اثنا میں بیمار پڑا چونکہ اسے اس امر کا یقین ہوچکا تھا کہ وہ مرض الموت میں مبتلا
ہے اس لئے اپنے بڑے فرزند نظام شاہ کو جو آٹھ برس کا تھا اپنا ولی عہد مقرر کیا
اور خواجہ جہاں ترک کو قلعہ سے آزاد کرکے ملک التجار کو تلنگانہ سے بلایا اور لوازم وصیت
بجالایا خواجہ جہاں ترک سے بڑھکر کوئی دوسرا معتمد نہ تھا وکیل سلطنت مقرر کرکے ملک التجار کو وزیر مقرر کیا
اور ان دونوں کو تاکید کی کہ کوئی کام بلا شاہزادہ کے مشورہ کے نہ کریں غرضکہ ہمایوں شاہ کا
پیمانۂ حیات لبریز ہوا اور اس نے ۲۸۔ ذیقعدہ ۸۶۵ھ ہجری میں وفات پائی اور زمانہ نے
اس کے پنجۂ غضب سے نجات پائی۔

میرے نزدیک صحیح روایت یہ ہے کہ ہمایوں کو وصیت راس آئی

اور اس نے اس مرض سے شفا پائی چونکہ اس کی طبیعت ظلم وستم پر مائل تھی رعایا
کے اہل وعیال پر جور وجفا کرتا اور حرم کے خدمتگاروں سے بد سلوکی سے پیش
آتا تھا اس لئے حرم اور ملک ہر جگہ کے لوگ اس ظلم وستم سے نالاں تھے
شہاب خاں خواجہ سرا نے جو حرم سرا کا داروغہ تھا حبشی لونڈیوں سے سازش کی
اور اپنے ارادہ میں کامیاب ہوا۔ ایک رات بادشاہ شراب کے نشہ میں
مست پڑا ہوا تھا ایک حبشی کنیز نے لکڑی کی ضرب اس کے سر پر ایسی لگائی
کہ ہمایوں شاہ فوراً ہلاک ہو گیا مولانا نظری شاعر نے جو ملک التجار کی عنایتوں
سے ملک الشعرا کے خطاب سے ممتاز اور شاہ حبیب اللہ کے رفیق زنداں تھے
اور قید سے رہائی پا کر گوشۂ عافیت میں خلوت گزیں تھے اس کے مرنے کی
تاریخ کہی ہمایوں شاہ نے تین برس چھ مہینے چھ روز حکمرانی کی۔

نظام شاہ بہمنی بن ہمایوں شاہ ظالم

ہمایوں شاہ فوت ہوا اور اس کے حسین اور صاحب جمال
فرزند اکبر نظام شاہ نے آٹھ برس کے سن میں تخت حکومت
پر جلوس کیا۔ شاہزادہ کی ماں بڑی صاحب فہم و فراست
تھی اس نے بادشاہ کی وصیت کے مطابق ملک ومال
کے حالات سے واقفیت حاصل کر کے تمام کاموں کو خواجہ جہاں ترک اور
ملک التجار محمود گاواں کی رائے کے موافق انجام دینا شروع کیا۔ اس بیگم نے
جیسا کہ چاہئے مہمات شاہی کو سر کر کے کمال عقل و دانائی کا ثبوت دیا اور
سوا ان دونوں کے اور کسی کو سلطنت میں دخل نہیں تھا القصہ ملک التجار
محمود گاواں کو جمیعۃ الملک و وزیر کل اور طرفدار بیجاپور مقرر کر کے خواجہ جہاں
ترک کو منصب وکالت اور طرفداری تلنگ پر فائز کیا ہر روز صبح کو یہ
دونوں حضرات ملکر بارگاہ شاہی میں آتے اور عرض و معروض کر کے مہمات
ملک کو ایک عورت ماہ بانو کے ذریعہ سے ملکہ جہاں تک پہونچاتے اور
ہر معاملہ میں گفت و شنید کے بعد جو کچھ طے پاتا اس کو عمل میں لانے کے لئے
شاہزادہ کو حرم سرا سے باہر نکالتے تخت فیروزہ پر بٹھاتے خواجہ جہاں
ترک شاہزادہ کے دست راست کھڑا ہوتا اور ملک التجار بائیں جانب

ایستادہ ہوتا اور جو کچھ کہ ملکہ کے مشورہ سے طے پاتا بے کمی وزیادتی کے اس کا
عملدرآمد کرتے۔ غرضکہ ان تینوں صاحبوں کے مشورہ سے کاروبار سلطنت
اچھی طرح انجام پانے لگے اور جو کچھ ہمایوں شاہ کے عہد میں ظلم وستم ہوئے تھے
اس کا تدارک ہوگیا۔ اطراف وجوانب کے مسلم وغیر مسلم حکام نے سنا کہ ایک لڑکا
دکن کے تخت پر متمکن ہے اور نیز یہ کہ ہمایوں شاہ کے ظلم وستم نے امیروں اور
اہل فوج کے دلوں کو زخمی کر رکھا تھا جس کی اصلاح اب تک نہ ہوئی تھی اسلئے
ہر شخص کے دل میں ملک گیری اور حکمرانی کی ہوس پیدا ہوئی سب سے پہلے راجگان اڑیسہ
اوریا نے اتحاد کرکے راجمندری کے راستہ سے ملک دکن فتح کرنے کا ارادہ کیا
بڑی عظیم الشان فوج کے ساتھ ملک السلام کی طرف روانہ ہوئے۔ اور غارتگری
سے تمام ملک کو تباہ اور ویران کر دیا یہاں تک کہ کولاس کے ملک تک آبادی کا
نام ونشان باقی نہ رہا۔ نظام شاہ کی والدہ خواجہ جہاں ترک اور ملک التجار ان
لوگوں کے دفعیہ پر متوجہ ہوئے اور ایسی اس کام کی طرف کمرہمت باندھی کہ
مطلقاً اضطراب اور تزلزل کو اپنے دل میں انھوں نے راہ نہ دی۔ پائے تخت
سے سلحداروں اور توپچیوں کی معرفت اطراف واکناف میں طلبی کے فرامین
روانہ کئے گئے اور اس طرح چالیس ہزار سوار بیدر میں جمع کئے گئے اور بڑے
شان وشوکت کے ساتھ جس کی مثال شاہان گزشتہ کے حالات میں نہیں ملتی
رائے اڑیسہ اور اوریا کے قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ احمد آباد بیدر سے
دس کوس کے فاصلہ پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا رائے اڑیسہ اور اوریا کا
ارادہ تھا کہ ملک کو مسلمانوں سے فتح کریں اور فرمانروائے دکن سے خراج وصول
کرکے واپس جائیں غیر مسلموں نے ابھی اپنے ارادہ کا اظہار بھی نہ کیا تھا کہ
ارکان نظام شاہی نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارا جوان بخت بادشاہ یہ چاہتا
ہے کہ جاجنگر اور اڑیسہ پر فوج کشی کرکے ان ممالک کو فتح کرے اس وقت تم نے
خود ہمارے مشکلات کو آسان کر دیا ہے کہ اس طرف آگئے ہو اب تمھیں معلوم
ہونا چاہئے کہ جبتک خراج قبول نہ کروگے اور جو روپیہ تم نے مسلمانوں سے
وصول کیا ہے اسے واپس نہ کروگے تو سب کے سب فنا کر دئے جاؤگے

اور تمھارا ایک آدمی بھی صحیح وسالم نہ جا سکے گا اس پیغام کے ساتھ ہی شاہ محب اللہ
بن شاہ خلیل اللہ نے ایک سو ساٹھ سواروں کو جہاد کی نیت سے لشکر نظام شاہی سے
اپنے ساتھ لیا اور رائے اوریا اور اڑیسہ کے مقدمہ لشکر پر جو دس ہزار پیادے
اور چار سو سوار تھے حملہ کیا اور صبح سے دوپہر تک مردانگی کے ساتھ دشمن کو
قتل کرتے رہے آخر کار مسلمانوں کو فتح ہوی اور رائے اڑیسہ اور اوریا بھاگ کر
اپنے لشکر سے جا ملے یہ راجہ بیحد غمگین ہوے اور تمام مال و اسباب چھوڑ کر
رات کو قیام گاہ سے بھاگے خواجہ جہاں ترک نے ان لوگوں کا پیچھا کیا اور
ملک التجار محمود گاواں نظام شاہ کے ساتھ خواجہ جہاں کے عقب میں آہستگی کے
ساتھ روانہ ہوا ہر روز کوچ کے وقت دو یا تین ہزار ہندو مارے جاتے تھے
اور مسلمان ان کی بربادی اور خرابی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے
تھے۔ راجاؤں نے ایک قلعہ میں پناہ گزیں ہو کر قاصد محمود گاواں کے خدمت
میں روانہ کئے اور بیحد عاجزی کے ساتھ گفتگو شروع کی بڑی قیل وقال اور
بار بار ایلچیوں کی آمدورفت کے بعد یہ راجاؤں نے پانچ تنگلے نقرئی شاہی
ملاحظہ میں پیش کئے اور اڑیسہ اور اوریا کی راہ لی۔ نظام شاہ کامیاب اور بامراد
احمد آباد بیدر واپس آیا اور امیروں اور سلحداروں کو خلعت فاخرہ تازی گھوڑے
اور مرصع کمر بند عنایت کئے اور انھیں ان کی جاگیروں پر روانہ کردیا۔

اسی اثنا میں سلطان محمود خلجی مالوہی نے نظام الملک غوری یا خود اپنے
عزیزوں اور قرابت داروں کے اغوا سے اٹھائیس ہزار سواروں کی جمعیت
سے ملک دکن فتح کرنے کا ارادہ کیا اور خاندیس کے راستہ سے بہمنی ممالک
میں داخل ہوا۔ یہ خبر مشہور ہوئی اور رایان اڑیسہ اور اوریا اور نیز راجگان
تلنگانہ نے باہم اتحاد کر کے ایک بڑی فوج مسلمانوں کے ملک فتح کرنیکے
لئے روانہ کی نظام شاہی امیروں نے بھی دونوں حریفوں کے دفعیہ پر کمر ہمت
باندھی اور تلنگانہ کی فوج کو اس نواح کے راجاؤں سے مقابلہ کرنے کیلئے
اسی ملک میں چھوڑا اور خود بیجاپور برار اور دولت آباد کے لشکر کو ساتھ لیکر
بادشاہ سلطان محمود خلجی سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے قلعہ قندھار کے نواح میں

دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور ہر فریق لڑنے پر آمادہ ہو گیا خاندان بہاہنہ کے حسین نو عمر فرمانروا ترکش کمر سے باندھے اور تلوار آویزاں کئے باوجود کم سنی کے نہایت چستی اور چالاکی کے ساتھ صفوں کی ترتیب میں مشغول ہوئے۔ چنانچہ بادشاہ نے ملک التجار محمود گاواں کو دس ہزار سواروں کے ساتھ میمنہ پر اور نظام الملک ترک اور دوسرے امیروں کو میسرہ پر مقرر کیا اور خود خواجہ جہاں اور اپنے کاکا سکندر خاں غلام ترک کے ہمراہ گیارہ ہزار سواروں اور سو زنجیر فیل کے ساتھ قلب لشکر میں مقیم ہوا۔ اس طرف سلطان محمود خلجی نے اپنی فوج کو اس طرح مرتب کیا کہ میمنہ کی کمان اپنے فرزند سلطان غیاث الدین کو دی اور میسرہ پر مہابت خاں حاکم چندیری اور ظہیر الملک کو مقرر کیا اور خود منتخب اور جنگجو سپاہیوں کے ساتھ قلب لشکر میں کھڑا ہوا۔ مختصر یہ کہ طنبور نقارہ جنگ کی آواز ہی نہ بلند ہوئی تھی کہ سب سے پہلے ملک التجار محمود گاواں نے میمنۂ نظام شاہی سے تقدیم کی اور شجاعت کے نشہ میں سرشار لشکر بیجاپور کے ہمراہ خلجیوں کے میسرہ پر حملہ کیا مہابت خاں اور ظہیر الملک نے اگرچہ پوری مردانگی اور بہادری سے حریف کو روکا لیکن آخر کار گاوانی حملہ کی تاب نہ لا سکے اور میدان جنگ سے بھاگے اور قتل کئے گئے نظام الملک ترک نے بھی غضب ناک شیر کی طرح ایک مردانہ نعرہ لگایا اور شاہزادہ غیاث الدین پر حملہ آور ہوا غیاث الدین جو معرکۂ جنگ میں اپنے کو پانچ سو سواروں کے برابر جانتا تھا اور جو اکثر لڑائیوں میں دشمن پر غالب ہو کر اپنی شجاعت کی وجہ سے سارے ہندوستان میں مشہور ہو چکا تھا اتفاق سے عین لڑائی کی شدت میں نظام الملک سے دوچار ہوا یہ دونوں بےمثال بہادر بغیر اس کے کہ ایک دوسرے کو پہچانے آپس میں شمشیر زنی کرنے لگے۔ نظام الملک کی تلوار ٹوٹ گئی اور اس کا قبضہ اس کے ہاتھ میں رہ گیا لیکن نہایت چستی اور چالاکی سے اس نے قبضہ دشمن کے چہرہ پر مارا اتفاق سے قبضہ شاہزادہ کی آنکھ پر پڑا اور آنکھ سے خون بہنے لگا۔ نظام الملک ترک نے شاہزادہ غیاث الدین کو گھوڑے سے زمین پر گرایا اور اس ارادہ میں تھا کہ

اس پر گھوڑا دوڑا کر کام تمام کر دے کہ سپاہیوں کے ایک گروہ نے وہاں پہونچکر
اس کو پا لیا اور پسپا ہو کر بھاگے دکھنیوں نے فراریوں کا تعاقب کیا اور
دو کوس تک برابر اُن کے عقب میں چلے گئے اور کشتوں کے پشتے لگا دئے
اہل دکن لشکر کی غارتگری میں مشغول ہوے اور پچاس ہاتھی انھوں نے گرفتار
کئے۔ سلطان محمود خلجی نے اپنے میمنہ اور میسرہ کو شکست خوردہ دیکھ کر ارادہ کیا کہ
راہ فرار اختیار کرے اور مندو روانہ ہو جائے کہ اس کے ایک مقرب درباری نے
اس کو منع کیا اور ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی۔ اس وقت نظام شاہ نے
اپنی شجاعت ذاتی کے تقاضہ سے ارادہ کیا کہ سلطان محمود کے خاصہ کی فوج
پر حملہ کرے خواجہ جہاں نے بادشاہ کو روکا اور خود دس ہزار سواروں اور چند
نامی فیلان شاہی اپنے ہمراہ لیکر اپنی جگہ سے حرکت کی اور سلطان محمود کی فوج سے جو
بارہ ہزار سوار تھے مقابلہ کیا سلطان محمود نے عین لڑائی کی حالت میں تیر کمان
میں رکھا اور سکندر خاں غلام ترک کے ہاتھی کی پیشانی پر تیر لگایا سکندر خاں
خواجہ جہاں کے ہمراہ لڑ رہا تھا یہ ہاتھی پریشان ہو کر بھاگا اور اس نے اپنی ہی
فوج کے بہت سے آدمیوں کو ہلاک کیا قریب تھا کہ بادشاہ کو کوئی صدمہ پہونچے
سکندر خاں غلام نے اپنی نادانی اور خواجہ جہاں کی عداوت کی وجہ سے لوگوں کو
لڑنے کے لئے نہ ابھارا اور نظام شاہ کو خواہ مخواہ اپنا ردیف بنا کر جنگ کے
میدان سے نکلا اور تھوڑے فاصلہ سے لشکر کے عقب میں کھڑا ہوا امیروں
اور خاصہ خیل نے شاہی کو کہ کو اپنی جگہ نہ دیکھا اور جنگ سے بیزار ہو کر یکے بعد
دیگرے معرکۂ کارزار سے بھاگے اور نظام شاہ کو ساتھ لیکر سیدھے بیدر پہنچ
گئے خواجہ جہاں نے دیکھا کہ میمنہ اور میسرہ کی فوج تو اپنے کو فاتح سمجھ کر دشمن
کو تاراج کرنے میں مشغول ہے اور چتر شاہی بھی معرکۂ کارزار میں موجود نہیں
ہے اور قول کے سپاہی فرار پر آمادہ ہیں تو اس نے ارادہ کیا کہ معرکۂ جنگ
سے باہر نکلے اور اپنی دانائی اور تدبیر سے چتر شاہی کو معرکۂ کارزار سے نکال
لائے اور احمد آباد بیدر روانہ ہو۔ ملک التجار محمود گاواں اور دوسرے دکنی
اور حبشی امیر گردش روزگار سے واقف ہوئے اور وہ بھی اسپ و قیچی کے ساتھ فرار ہوگئے

سارا لشکر بیدر پہنچ گیا سکندر خاں غلام ترک جو نظام شاہ کو دو یا تین سو سواروں کے ساتھ معرکہ کارزار سے نکال لایا تھا اور اپنی اس کارروائی سے ہر طرف سے تحسین و آفرین کا مستحق سمجھا جاتا تھا خواجہ جہاں کی ملاقات کو گیا خواجہ جہاں نے سکندر خاں کو اس جرم پر کہ بے موقع بادشاہ کو معرکۂ جنگ سے باہر لے آیا تھا قید کر لیا اور بڑی بے عزتی کے ساتھ اس کو اپنے مکان سے نکال لا اور موکلوں کے سپرد کر دیا۔ خواجہ جہاں کے اس سلوک سے سارے ترکی غلاموں نے اتفاق کر کے مخدومہ جہاں سے عرض کیا ہم غلاموں سے آج تک سوا خیر خواہی کے اور کوئی امر ظہور میں نہیں آیا واقعہ یہ ہے کہ جب میمنہ اور میسرہ کے لشکر تاراج میں مشغول ہوئے اور بادشاہ کے قریب کوئی شخص باقی نہ رہا تو سکندر خاں آپ کے فرزند کو معرکۂ کارزار سے صحیح و سالم نکال لایا اور آپ کے سپرد کر دیا اب بادشاہ کے کا کا کا اس ذلت اور خواری کے ساتھ ایک مغل کے ہاتھ میں گرفتار ہونا بڑی ذلت اور رسوائی ہے چونکہ دکن کے باشندوں کو غلاموں سے بیحد محبت ہوتی ہے مخدومہ جہاں یہ تقریر سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور کہا کہ یہ وقت اس کا نہیں ہے کہ میں اس بارے میں کچھ کہوں انشاء اللہ آئندہ کسی موقع پر اس کی تلافی ہو جائیگی خاں جہاں کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی اور اس نے سکندر خاں کو مخدومہ جہاں کے پاس بھیجدیا اور عذر کیا کہ سلطان محمود خلجی جو خواجہ جہاں سے پر خوف رہتا تھا اس کی آزردگی سے واقف ہوا اور احمد آباد بیدر کو مسخر کرنے کے لئے اپنے ملک سے روانہ ہوا مخدومہ جہاں جو خواجہ جہاں کے مکر و حیلہ سے خایف تھی اور اس مذکورہ بالا شکست کا اصلی سبب اس کو جانتی تھی۔ لہذا ملکہ نے محمود گاواں کے مشورہ سے قلعہ ارک احمد آباد بیدر کی حفاظت ملو خاں کے سپرد کی اور خود تمام خزینوں اور بیگمات شاہی کے نظام شاہ اور محمود گاواں کے ہمراہ فیروز آباد روانہ ہوئی سلطان محمود خلجی نے اطمینان کے ساتھ شہر کا محاصرہ کر لیا اور سترہ دن میں قلعہ پر قبضہ کر کے حصار کے اندر مقیم ہوا۔ محمود شاہ نے برار پر اور دولت آباد کے اکثر شہروں پر قبضہ کر کے رعیت کو اپنا مطیع اور فرماں بردار بنا لیا۔ اہل دکن کو یقین کامل

ہو گیا کہ حکومت خاندان بہامنہ سے سلسلۂ خلجیہ مالوہی میں منتقل ہو گئی۔ اسی اثنا میں
دفعتاً محمود شاہ گجراتی کے (جو اس زمانہ میں خود صغیر سن تھا) علم سرحد گجرات پر
نمودار ہوئے۔ جس زمانہ میں کہ نظام شاہ جنگ کے لئے جا رہا تھا اس نے
ملک التجار محمود گاواں کے مشورہ سے ایک نامۂ اخلاص محمود شاہ گجراتی کے
نام روانہ کر دیا تھا اور اسے حقیقت حال سے اطلاع دیدی تھی۔ نظام شاہ
فیروز آباد میں مقیم ہوا اور اسے اطمینان حاصل ہونے کے بعد مغرور سپاہی بھی اس کے
گرد جمع ہو گئے۔ بادشاہ نے خواجہ جہاں کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ محمود شاہ خلجی
کے مقابلہ میں روانہ کیا ہی تھا کہ یہ خبر مشہور ہوی کہ محمود شاہ گجراتی اسی ہزار
سواروں کے ساتھ آگیا ہے۔ مخدوم جہاں نے یہ خبر سنتے ہی محمود گاواں کو
جس کے حسن سلوک سے رعیت اور سپاہی سب راضی اور خوش اور اسکے
برتاؤ سے اس کے حلقہ بگوش تھے سپہ سالار بنا کر پانچ یا چھ ہزار سواروں کے
ساتھ شہر کے راستہ سے شاہ گجرات کے پاس روانہ کیا۔ محمود شاہ گجراتی نے
اپنے اکثر معتبر امیروں کو بیس ہزار سوار اور بے شمار آلات حرب کے ساتھ
دشمن کی مدافعت کے لئے ملک التجار محمود گاواں کے ہمراہ روانہ کیا ملک التجار
نے دکن کے اطراف و جوانب میں قاصد روانہ کئے اور تھوڑے ہی زمانہ
میں چالیس ہزار دکنی اور گجراتی سوار جمع کر کے پائے تخت کو روانہ ہوا۔
سلطان محمود خلجی شہر کے اندر فردوکش اور قلعۂ ارک کے فتح کرنے میں
کوشاں اور سامان درست کرنے میں مشغول تھا اور ہر روز ملو خاں سے جنگ کر رہا تھا
محمود خلجی ملک التجار کی آمد کی خبر سنکر بیحد مضطر ہوا اور بلا تامل جس طرح کہ
طائر قفس سے آزاد ہو کر بھاگتا ہے احمد آباد بیدر سے مندو کی طرف بھاگا۔ ملک التجار
نے دس ہزار دکنی سواروں کو برار روانہ کیا تاکہ راستوں کی ناکہ بندی کر کے
مالوہیوں کو آمد و رفت کا موقع نہ دیں اور خود بھی دس ہزار دکنی اور بیس ہزار
گجراتی سپاہیوں کے ساتھ سلطان محمود خلجی کے جوار میں مابین قند ھار و بیڑ
قیام پذیر ہوا محمود گاواں کے حریف کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اسکے
لشکر گاہ کے اطراف و جوانب کو تاراج کر کے غلہ اور آذوقہ پہونچنے کی تمام راہیں

دشمن پر بند کردیں۔ سلطان محمود خلجی جو صحیح روایت کے مطابق بیس ہزار سواروں
کا مالک تھا آمادہ پیکار ہوا لیکن محمود گاواں نے جنگ کی طرف رخ بھی نہیں
کیا اور اسی طرح اپنے کام میں مشغول رہا۔ سلطان محمود کے لشکر میں قحط کے
آثار نمودار ہوئے اہالی مندو کے خیموں سے آہ وزاری کا شور بلند
ہوا سلطان محمود مجبور ہوا اور جن ہاتھیوں کو اپنے ساتھ نہ لیجا سکتا تھا ان کو اندھا
کردیا اور اسباب شاہی اور اسلحہ میں آگ لگا کر بے سروسامان اور تنہا بھاگنے پر
تیار ہو گیا۔ سلطان محمود نے دیکھا کہ مندو کے تمام سید ہے اور پر امن راستے مسدود
ہیں اس لئے اپنی جان سے ہاتھ دھو کر گونڈواڑہ کی طرف سے روانہ ہوا۔ ملک التجار
محمود گاواں نے جرأت کر کے مندویوں کا تعاقب کیا اور اہل دکن تاراج کرنے لگے۔ سلطان محمود
نے گونڈواڑہ کے مکھیا سے جو اس کے ہمراہ تھا کہا کہ جس طرح ممکن ہو لشکر کے
عبور کرنے کا طریقہ دریافت کرتا کہ مالوہی سپاہ دکھنیوں کی دست درازی سے
محفوظ رہے اور تو بھی جوار کے حق سے سبکدوش ہو جائے یہ مکھیا انتقام کے
درپے تھا اس نے کہا کہ اس نواح میں ایسی وسیع راہ جس سے ذریعہ سے انسان
اور جانور آسانی سے راستہ طے کرسکیں کوئی نہیں ہے لیکن ایک راستہ ایسا ہے
جس سے ہم جا سکتے ہیں مگر اس راہ میں چاہ ہاروت کی طرح سے ایسے کنویں
ہیں جنمیں پانی کا نشان تک نہیں ہے سلطان محمود خلجی ملک التجار محمود گاواں کے
تعاقب سے بالکل مجبور ہوا اور اس نے ایلچپور اور اکل کوٹ کا راستہ اختیار
کیا اور کہا کہ دشوار راستہ کا اختیار کرنا اس سے بہتر ہے کہ آسان مگر پرخطر راستہ
اختیار کر کے ہم اپنے کو بلا اور مصیبت میں پھنسائیں۔ مختصر یہ کہ پہلے دن پانی
کی کمی اور ہوا کی گرمی اور صعوبت راہ کی وجہ سے پانچ یا چھ ہزار انسان ضایع ہوئے
دوسرے دن کونڈوں نے جو اس نواح کے باشندے تھے ان لوگوں کی مجبوری
کا احساس کر کے مسافروں کی قتل و غارتگری کر کے ان کو ایک دوسری مصیبت
میں گرفتار کیا لوگوں نے مال و اسباب کو جان پر قربان کیا اور اپنی دولت
جنگل اور پہاڑیوں میں قزاقوں کے راستہ میں پھینکنے لگے اور ایک پیالہ پانی کا دو
تنکے نقرئی پر خریداری ہونے لگی اور اس پر بھی پانی میسر نہ آتا تھا

سلطان محمود خلجی بہ ہزار مشقت اس جنگل سے باہر نکلا اور اسے معلوم ہوا کہ پر آب کنوؤں کو پوشیدہ کرنا اور چوروں کو زردوں میں چھپانا کونڈواڑہ کے مقدم کا کام ہے اس نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ مقدم مذکور نے بادشاہ کو گالی دے کر کہا کہ میں نے تو اپنا انتقام لیا ہے اگر ہزار ہا آدمیوں کے عوض صرف مجھے قتل کرے گا تو کیا پائے گا میرے بیٹوں کا سر سلامت رہے ہیں پھر اپنے کسی فرزند کی اولاد کے جامہ میں دنیا میں نمودار ہو جاؤنگا مقدم مذکور کے اس قول سے معلوم ہوا کہ کونڈواڑہ کے ہندو بھی دوسرے بت پرستوں کی طرح تناسخ کے قائل ہیں اور اسی وجہ سے اپنے قتل کا انھیں خوف نہیں ہے ان ہندوؤں کا قول ہے کہ مرنے سے معدوم ہونا لازم نہیں آتا اور آج اگر ہم مر گئے تو کل پھر دوسری صورت میں موجودات کے دائرہ میں جلوہ گر ہونگے اور اس وقت ہمارا حال موجودہ حالت سے بہتر ہوگا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان محمود خلجی نے احمد آباد بیدر کا محاصرہ کر کے وہاں کی عمارتوں کو جلا دیا اور رعایا کو تباہ و برباد کیا اور ہر طرح کی خرابیاں پیدا کیں اس کے بعد دوسرے دکن کے ممالک کی تسخیر کا ارادہ کیا اور رعایا کی دلجوئی اور ملک کی معموری پر توجہ کی۔ سلطان محمود کا شعار تھا کہ اپنے لباس اور غذا کیلئے کسب معاش کرتا اور بطور اکل حلال ان چیزوں کو حاصل کرتا تھا اس بادشاہ کا دستور تھا کہ چانول گیہوں گھی اور کپڑا اکل حلال سے پیدا کیا ہوا سفر میں اس کے ساتھ رہتا تھا اور لکڑی کے تختوں پر ہر قسم کی ترکاریاں بوئی ہوئی بادشاہ کے ہمراہ رکاب چلتی تھیں جب ایک مدت تک اس کا قیام احمد آباد بیدر میں ہوا تو اس نے مولانا شمس الدین حق گوئے کو جو شاہ خلیل اللہ کے مقبرہ کے مجاور تھے طلب کیا اور ان سے کہا کہ مجھے ترکاری کے موجود نہ ہونے سے سخت تشویش ہے اور تختوں کے اوپر اس قدر سبزی کا مہیا کرنا جو مطبخ شاہی کے لئے کافی ہو تقریباً محال ہے اگر کسی شخص کے پاس اکل حلال سے خریدی ہوئی زمین ہو تو مجھے بتاؤ تاکہ میں اس شخص سے ان چیزوں کو اعلیٰ قیمت دیکر خریدوں مولانا شمس الدین حقگو نے کہا کہ اے بادشاہ ایسی بات نہ کہہ جو مضحکہ اور استہزا کا باعث ہو اس لئے کہ مسلمانوں کے ملک میں آنا ان کے مال و اسباب کو تباہ اور ان کے

گھروں اور بستیوں کو ویران کرنا اور اس پر ترکاری جنس اور کپڑے کے استعمال اور خرید و فروخت میں شریعت کی پابندی کرنا عقل سے دور ہے اور خدا ترسی سے بعید ہے بادشاہ آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور اس نے کہا تم سچ کہتے ہو لیکن ملک گیری بلا ان باتوں کے محال ہے مورخ فرشتہ کہتا ہے کہ اس حکایت کے قریب میں نے ایک دوسری روایت فتوحات یا کسی دوسری کتاب میں دیکھی ہے کہ ملک عرب میں ایک بادشاہ تھا جسے یحییٰ ابن نعمان کہتے تھے اس بادشاہ کے عہد میں ایک بزرگ ابو عبد اللہ نام گوشہ نشین فقیر تھے جنھوں نے دنیا اور اہل دنیا سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لی تھی ایک دن یحییٰ ابن نعمان ایک راستہ سے گزرا شیخ ابو عبد اللہ کا بھی اپنے مریدوں کے ساتھ اسی راہ سے گزر ہوا شیخ نے بادشاہ کو سلام کیا بادشاہ نے جواب سلام دیکر ان سے پوچھا کہ اس ریشمی لباس کو جو میرے بدن پر ہے پہن کر نماز درست ہے یا نہیں شیخ ہنسے اور انھوں نے کہا کہ تیرا حال بعینہ اس شخص کا سا ہے کہ جس کا سارا جسم سر سے پاؤں تک تو بالکل نجاست میں آلودہ ہے اور پیشاب کی چھینٹ سے پرہیز کرتا ہے تیرا شکم لقمۂ حرام سے پُر اور تیری گردن میں مظالم عباد کا طوق آویزاں ہے اور مسئلۂ حریر اور نماز کو دریافت کرتا ہے یحییٰ ابن نعمان اس تقریر کو سن کر رو دیا اور گھوڑے سے اتر کر شیخ کے ہاتوں کو بوسہ دیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ترک سلطنت کر کے بقیہ زندگی شیخ کی خدمت میں بسر کی۔

مختصر یہ کہ سلطان محمود خلجی کے مندو واپس جانے کے بعد نظام شاہ نے ایک مکتوب محمود شاہ گجراتی کی خدمت میں روانہ کیا اور بہت سے تحفے اور ہدیے اور بے شمار ہاتھی اپنے مقرب درباریوں کے ہمراہ روانہ کیے اور تکلیف دہی کی معافی مانگی محمود شاہ گجراتی گجرات واپس گیا۔ اور نظام شاہ احمد آباد بیدر واپس آیا۔ اور شہر کو تعمیر کر کے اُس کو آباد کرنے میں کوشاں ہوا اور تھوڑے ہی زمانہ میں سابق کی طرح اس کو معمور کر دیا۔

سلطان محمود خلجی کو محمود گاواں سے قلبی بغض پیدا ہو گیا تھا اس لئے اس نے دوسرے سال یعنی ۸۶۷ھ ہجری میں نظام الدین احمد کی روایت کے مطابق نوے ہزار سواروں کے ساتھ دکن پر حملہ کیا اور دولت آباد کے نواح میں بڑے کروفر سے قیام پذیر ہوا۔

نظام شاہ نے لشکر آراستہ کیا اور مقابلہ کا ارادہ کر کے کوچ کیا اور محمود شاہ گجراتی سے بھی مدد طلب کی۔ محمود شاہ نے بلا توقف لشکر آراستہ کر کے سلطان پور کا کوچ کیا اور سر راہ محمود خلجی کو گھیرا۔ سلطان محمود خلجی اس مرتبہ بھی گونڈواڑہ کی راہ سے مندو چلا گیا محمود شاہ گجراتی کی واپسی کے بعد دونوں یوسف جمال اور خوبروفرمانروا غائبانہ ایک دوسرے سے رخصت ہوئے اور باہم دیگر ایک دوسرے کو تحفے اور ہدیے روانہ کر کے اپنے اپنے پایۂ تخت کو واپس گئے۔

خاندان بہمنی کا یہ دستور تھا کہ بادشاہ وقت کی زوجہ اول ملکہ جہاں کا خطاب پاتی تھی اور اس کے لئے یہ بھی ضرور تھا کہ وہ خود بھی بہمنی خاندان سے ہو اس لئے مخدومہ جہاں نے اپنے ایک عزیز کی بیٹی کو بادشاہ کی زوجیت کے لئے منتخب کیا۔ مخدومہ جہاں نے اپنے فرزند کی شادی کا عظیم الشان جشن منعقد کیا الیکن جورات کہ شب زفاف کی مقرر تھی اور ساری دنیا عیش و عشرت میں مبتلا اور ہر گھر میں مسرت اور خوشی کا دور دورہ تھا کہ دفعۃً آدھی رات کو محل شاہی سے نالہ و فغاں کی آواز بلند ہوئی اور معلوم ہوا کہ نظام شاہ بہمنی نے اس دنیا سے کوچ کیا اور دوسرے کے لئے تخت و تاج کو چھوڑا۔ نظام شاہ نے دو سال ایکماہ حکومت کرنیکے بعد ذیقعدہ کی تیرھویں شب ٨٦٧ھ ہجری کو وفات پائی۔

شمس الدنیا والدین ابو المظفر الغازی محمد شاہ ثانی بن ہمایوں شاہ ظالم	مورخین لکھتے ہیں کہ ہمایوں شاہ ظالم نے مخدومۂ جہاں کے بطن سے تین فرزند یادگار چھوڑے جو نظام شاہ محمد شاہ اور احمد شاہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ نظام شاہ نے عین عنفوان شباب میں وفات پائی اور محمد شاہ نے نو برس کے سن میں تاج بہمنی سر پر رکھکر تخت فیروزہ پر جلوس کیا۔ ابتدائے زمانۂ حکومت

میں خواجۂ جہاں ترک اور محمود گاواں دونوں نظام شاہ کے عہد کی طرح مخدومۂ جہاں کی رائے سے مہمات سلطنت کو انجام دیتے تھے۔ احمد شاہ جو سب سے چھوٹا بھائی تھا عمدہ پرگنوں کا جاگیردار مقرر کر کے محمد شاہ کا جلیس اور ہمنشین ہوا۔ خواجہ جہاں نے محمد شاہ کی تربیت میں پوری کوشش کی اور مخدومۂ جہاں کی تجویز سے بادشاہ کو حیدر خاں شوشتری کے جو اپنے زمانہ کا بڑا فاضل اور پرہیزگار تھا سپرد کیا۔ محمد شاہ تحصیل علم اور کسب کمال میں مشغول ہوا اور تھوڑے ہی زمانہ میں اچھی قابلیت اور خوشخطی میں خوب مہارت حاصل کر لی چنانچہ فیروز شاہ بہمنی کے بعد اس خاندان میں محمد شاہ سا

صاحب علم وفضل فرمانروا نہیں ہوا۔ خواجہ جہاں ترک بڑی عظمت وشان کے ساتھ مہمات سلطنت کو انجام دیتا تھا اور ملک کے کسی شخص کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ خواجہ جہاں نے اکثر برگزیدہ امرائے قدیم سے لیکر خود ساختہ جدید امیروں کو ان شہروں کا جاگیر دار بنایا اور خزینۂ شاہی پر متصرف ہونے لگا۔ خواجہ جہاں ترک خود تو مہمات شاہی کو بلا شرکت غیرے انجام دیتا تھا اور محمود گاواں کو جو سلطان محمود خلجی کو دکن کی سرحد سے باہر نکال دینے کے بعد صاحب شان واعتبار ہو گیا تھا اکثر اوقات سرحدی مہمات پر روانہ کر دیا کرتا تھا اور محمود گاواں کو امور سلطنت میں دخل نہیں دینے دیتا تھا۔ مخدومۂ جہاں صاحب فہم و فراست اور دور اندیش بیگم تھی خواجہ جہاں کے اوضاع و اطوار سے دل میں ڈری اور اس کے فاسد خیالات سے محمد شاہ کو بھی پورے طور پر آگاہ کر دیا اور بادشاہ کو ایک روز اس بات پر راضی کر لیا کہ کل صبح کو جب خواجہ جہاں دربار شاہی میں آئے اور میں کسی شخص کو تمہارے پاس بھیجوں تو تم بلا تامل اس کو قتل کر ڈالنا۔ اس قرارداد کے موافق دوسرے دن یعنی ۸۶۷ھ ہجری میں خواجہ جہاں ترک بڑی عظمت اور شان کے ساتھ دیوان خانہ میں آیا اور عادت کے خلاف نظام الملک کو جوانوں کے ایک گروہ کے ساتھ دیوان خانہ میں مسلح دیکھکر فکر مند ہوا لیکن چونکہ چارہ کار نہ تھا مجبوراً بادشاہ کے حضور میں دیوان داری میں مشغول ہوا۔ اسی دوران میں دو بوڑھی عورتیں محل کے اندر سے باہر آئیں اور انھوں نے محمد شاہ سے کہا کہ جس امر کا قرار ہو چکا ہے اس کو اب کرنا چاہیئے سلطان محمد شاہ نے نظام الملک سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ شخص حرامخور ہے اس کو قتل کرنا چاہیئے۔ نظام الملک خواجہ جہاں کا جانی دشمن تھا اس نے بلا تامل خواجہ جہاں کا ہاتھ پکڑا اور مجلس شاہی سے باہر لیجاکر تلوار کے متعدد وار کئے اور اسے ہلاک کر ڈالا چند روز کے بعد سلطان محمد شاہ نے مخدومۂ جہاں کی رائے سے ملک التجار گاواں کو خلعت خاص عنایت کیا اور خواجہ جہاں کے خطاب سے سرفراز فرماکر اسے امیر الامرا اور وکیل شاہی مقرر کیا۔ ملک التجار اس طرح مراتب دنیادی سے فائز ہو کر سارے عالم میں مشہور ہوا اور مخدوم جہانیاں معتمد درگاہ سلطان آصف جم نشان امیر الامراء ملک نائب مخدوم خواجہ جہاں کے لقب سے تحریر و تقریر میں یاد کیا جانے لگا۔ محمد شاہ کا سن چودہ سال کا ہوا اور مخدومۂ جہاں نے خاندان بہمنیہ کی ایک

لڑکی کے ساتھ بادشاہ کی نسبت قرار دی اور ملک التجار محمود گاواں کے زیر انتظام شاہانہ جشن عقد جس کی تعریف میں زبان قاصر ہے منعقد کیا اور بادشاہ کا نکاح کر دیا۔ اس عقد سے فارغ ہو کر مخدومہ جہاں نے مہمات سلطنت کو محمد شاہ کے سپرد کیا اور خود نماز و تلاوت قرآن و دیگر عبادات میں مشغول ہوئی۔ سلطان محمد شاہ کا قاعدہ تھا کہ اہم امور سلطنت میں بلا مخدومہ جہاں کی مشورت کے کام نہیں کرتا تھا اسکی تعظیم و تکریم اچھی طرح بجا لاتا تھا اور ہر روز ماں کے سلام کو حاضر ہوتا۔

سلطان محمد شاہ عقد سے فارغ ہوا اور یہ چاہا کہ اب اپنے دشمنوں سے انتقام لیکر ملک پر بھی اپنا قبضہ کرے بادشاہ نے نظام الملک کو سرلشکر برار مقرر کیا اور ۸۶۷ھ ہجری میں بڑے ساز و سامان کے ساتھ قلعۂ کھترلہ کے سر کرنے کے لئے جو سلطان مالوہ کے قبضہ میں تھا روانہ کیا۔ نظام الملک روانہ ہوا۔ اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مندوی فوج کو جو اہل حصار کی مدد کو آئی تھی کئی بار شکست دی آخر مرتبہ بارہ ہزار راجپوت اور افغان سوار بڑے جوش و خروش کے ساتھ نظام الملک کے مقابلہ میں آئے قلعہ کے قریب جانبین میں لڑائی واقع ہوئی ایک کثیر تعداد سپاہیوں کی جانبین سے میدان جنگ میں کام آئی اس مرتبہ بھی خدا کے حکم سے مالویوں کو شکست ہوئی جو لوگ کہ قلعہ سے نکل کر ان لوگوں سے ملے تھے وہ بھی شکست کھا کر پھر حصار کے اندر چلے گئے نظام الملک اور بہت سے اہل دکن سپاہی شمشیریں برہنہ ہاتھ میں اور سپریں علم کئے ہوئے ان لوگوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے اہل حصار ان لوگوں کو بھی اپنا ہی سمجھے جب اہل حصار نے مفروروں کو اندر لانے کے لئے دروازہ کھولا تو دکنی بھی مالویوں کے ساتھ ملکر حصار میں داخل ہو گئے اور شام کے قریب قلعہ میں پہنچکر حصار پر متصرف ہو گئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جب مفرور قلعہ کے نزدیک پہنچے اور دکھنیوں نے تعاقب سے دست بردار ہو کر بطور سابق قلعہ کا محاصرہ کیا تو اہل قلعہ نے مجبور اور عاجز ہو کر امان طلب کی اور قلعہ اہل دکن کے سپرد کر دیا۔ بہر نوع اہل قلعہ کو کوئی ضرر جانی نہیں پہنچایا بلکہ ان کو اس بات پر مجبور کیا کہ قلعہ سے باہر نکل جائیں اسی اثنا میں دکن کے ادنی طبقہ نے اپنی عادت کے موافق اہل مالوہ کو برے الفاظ سے یاد کیا غیر مسلم راجپوتوں میں

دو شخصوں نے ارادہ کیا کہ اپنی بہادری اور مردانگی ان کو دکھائیں۔ جس وقت کہ لوگوں کا ہجوم کم ہوا اور اہل مالوہ تمام مرد و عورت قلعہ کے باہر نکل آئے تو دونوں راجپوت نظام الملک سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ ہم نے اپنی ساری زندگی سپہگری میں صرف کی ہے لیکن تمہارا سا رستم دوراں اور بہادر آدمی نہیں دیکھا تم ہمیں حکم دو کہ ہم حاضر ہوکر تمہاری قدمبوسی کریں۔ نظام الملک نے دیکھا کہ ان کے پاس حربہ نہیں ہے ان دونوں کو اپنے پاس بلایا یہ دونوں سپاہی قدمبوسی کا اظہار کرتے ہوئے نظام الملک کے پاس آئے اور جو لوگ کہ اس کے قریب کھڑے تھے ان سے خنجر و شمشیر چھین کر نظام الملک پر حملہ آور ہوے اور اسے قتل کر کے دوسروں کی طرف بڑھے اور اتنا لڑے کہ دونوں ہلاک ہوگئے۔ نظام الملک کے دو بھائی تھے ایک یوسف عادل خاں سوائی جو خاندان عادل شاہی کا مورث بھی ہے دوسرے دریا خاں ترک جو اپنی بہادری اور جرأت میں ضرب المثل تھا۔ نظام الملک کے ان دونوں بھائیوں نے یہ خیال کیا کہ مذکورۂ بالا حادثہ اہل قلعہ کی تحریک سے ہوا ہے اور ان لوگوں نے ایک جماعت کو تعاقب میں روانہ کیا اہل حصار قلعے سے ایک کوس کے فاصلہ پر بیحد اطمینان کے ساتھ مقیم تھے حریف کا گروہ ان کے سر پر پہنچا اور چھوٹے بڑے سب قتل کئے گئے۔ یوسف عادل اور دریا خاں دونوں کی قسمت نے یاوری کی اور انھوں نے بادشاہ کی بہی خواہی کو مد نظر رکھکر قلعہ کو بیحد مستحکم کیا اور پیادوں اور سواروں کی ایک جماعت کو قلعہ پر مقرر کر کے خود نظام الملک کے جنازہ اور بے شمار مال غنیمت کے ساتھ احمد آباد بیدر پہنچے اور تمام مال غنیمت بادشاہ کے ملاحظے میں پیش کیا۔ بادشاہ کو ان کی یہ خدمت بیحد پسند آئی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ہزاری امیر مقرر کیا اور کتھرلہ مع اس کے مضافات کے ان کی جاگیر میں دے کر ان دونوں کو مقرب امرا کے گروہ میں داخل کیا۔

والی مندو نے دکھنیوں کی پرخاش کو دیکھکر ملائمت شروع کی اور شریف الملک نام ایک شخص کو نفیس تحفے اور ہدیوں کے ساتھ محمد شاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور بادشاہ کو یہ پیغام دیا کہ سلطان احمد شاہ ولی بہمنی اور سلطان ہوشنگ نے آپس میں عہد و پیمان کئے تھے اور یہ طے پایا تھا کہ برار پر سلطان دکن کا قبضہ رہے اور کتھرلہ مع اس کے

مضافات کے والی منڈو کے زیر حکومت چھوڑ دیا جائے اس زمانہ میں بہمنی امیروں نے
قلعۂ کھیرلہ سر کر لیا ہے اگر بادشاہ ایسی تدبیر کریں کہ نقض عہد ہو اور مسلمانوں کی
جان کو کوئی نقصان نہ پہنچے تو دینداری اور برادر نوازی سے بعید نہ ہوگا۔
سلطان محمد شاہ نے شیخ احمد صدر کو جو دانشمند اور متقی آدمی تھا شریف الملک کے
ہمراہ منڈو روانہ کیا اور سلطان مالوہ کو پیغام دیا کہ ہم محبت اور اتحاد کے راستہ میں
ثابت قدم ہیں۔ ہمارے جوار میں کرناٹک جیسا ملک موجود ہے جس میں بے شمار
قلعے غیر مسلموں کے ہماری فتح کے لئے کافی ہیں ہم کو کھیرلہ کے حصار کی ضرورت
نہیں ہے خدا کا شکر ہے کہ نقض عہد ہمارے خاندان سے بعید ہے ظاہر ہے کہ
میرے نوعمر بھائی کے عہد حکومت میں جبکہ ملازمین سلطنت نفاق پر تلے ہوئے تھے
تم نے خود اس ملک پر لشکر کشی کی اور جو خرابی کہ چنگیزی فوج نے بلاد اسلام کو نہ پہنچائی
تھی وہ تمھارے ہاتھوں ظہور میں آئی بہر حال جو گزرا سو گزرا اور اب ہم عہد ماضی کا
شکوہ نہیں کرتے جو کچھ شیخ احمد صدر جو تمام مسلمانوں کا خیر خواہ ہے طے کرے گا
اس سے ہم کو گریز نہ ہوگا۔ شیخ احمد حوالی منڈو میں پہنچا اور خلجی درگاہ کے اعیان سلطنت
نے اس کا استقبال کیا اور اسے بڑی عزت اور توقیر کے ساتھ شہر میں لائے شیخ احمد نے
سلطان منڈو سے ملاقات کی اور محمد شاہ کا پیغام اسے سنایا تمام علما اور فضلا جو
دربار میں حاضر تھے انھوں نے اقرار کیا اور کہا کہ حق یہی ہے کہ نقض عہد ہماری ہی
جانب سے واقع ہوا ہے خدا ہمیں اس کے مواخذہ میں گرفتار نہ کرے۔
سلطان مالوہ نے کہا شیطانی وسوسوں کی وجہ سے ایک ناگوار فعل ظہور میں آگیا
اس کا اب خیال نہ کرو اور ایسی تدبیر کرو کہ ہماری اور بہمنی سلاطین کی اولاد کے
درمیان اب کوئی بات خلاف شریعت اور مروت نہ سرزد ہونے پائے شیخ احمد صدر
سلطان محمد شاہ بہمنی کی اور سید العلما سید سلام اللہ سلطان محمد شاہ کی جانب سے
وکیل ہوئے اور شدید وعدوں اور شرعی حلف کے ساتھ ایک عہدنامہ تیار کیا گیا اور
اس پر تمام علما اور مشائخ اور امرا کی مہریں ہوئیں اور دونوں فرمانرواؤں نے عہدنامہ کے
حاشیہ پر یہ عبارت لکھی کہ جو شخص اس نوشتہ کی خلاف ورزی کرے خدا کی لعنت
اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نفرین میں گرفتار ہو خود عہدنامہ کا ماحصل یہ تھا کہ

طرفین ایک دوسرے کے ملک ومال پر دست درازی کرنے سے باز رہیں اور جو کچھ کہ سلطان احمد شاہ بہمنی کے زمانہ میں طے پایا تھا اسی پر عمل کیا جائے اور کہترلہ کا قلعہ سلطان محمود خلجی کو دے دیا جائے اس کے علاوہ غیر مسلموں کے ممالک میں جو حصہ جو فرمانروا خدا کی عنایت اور توفیق سے فتح کرے وہ اسی کے قبضہ میں رہے دوسرا اس کی طمع نہ کرے دو یا تین مہینے کے بعد جبکہ عہدنامہ درست ہو گیا تو شیخ احمد صدر نے ان امیروں کو جو کہترلہ میں مقیم تھے لکھا کہ سلطان محمد شاہ کا حکم یہی ہے کہ قلعہ کو خالی کر کے اسے اہل مالوا کے سپرد کر دو اور چونکہ ان لوگوں کو خود بھی فرمان ہو چکا تھا کہ شیخ کی تقریر اور تحریر سے اختلاف نہ کریں اور شیخ احمدؒ کے حکم کو میرا فرمان تصور کریں اس لئے اہل حصار نے بھی شیخ کا حکم پاتے ہی قلعہ خالی کر کے سلطان محمود کے ملازموں کے سپرد کر دیا۔ شیخ احمدؒ صدر کامیاب دکن واپس آئے۔ صلحنامہ کی تاریخ سے پھر کبھی ان دونوں خاندانوں میں لڑائی نہیں ہوئی۔

سنہ ۸۷۴ ہجری کے اوائل میں ملک التجار محمود گاواں المخاطب بہ خواجہ جہاں بڑی شان و شوکت کے ساتھ بیجاپور کا لشکر ہمراہ لے کر رائے سنگیسر دکھینہ کی سرکوبی اور دوسرے کوکن کے قلعوں کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا۔ جنیر چاکنہ۔ کلہر وایل۔ جیول اور پائین وغیرہ کا لشکر اس کے ہمراہ مقرر کیا گیا رائے کہینہ اور رائے سنگیسر نے جو ہمیشہ تین سو کشتیاں مسلمانوں کا خون بہانے اور ان کے مال و متاع کو غارت کرنے کے لئے دریا کی سطح پر تیار رکھتے تھے اور جنہوں نے خشکی میں بھی سخت فتنہ و فساد پھیلا کر مسلمانوں کو ایذا دے نقصان پہنچایا تھا محمود گاواں کی روانگی کی خبر سنی اور ان لوگوں نے مسلمانوں کے قتل کرنے اور ان سے لڑنے کا ایک دوسرے سے عہد و پیمان کیا اور حریف کے مارنے کو جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ سمجھ کر بڑے غرور و تکبر اور انتہائی شدت کے ساتھ گھاٹ کا سرا بند کر دیا۔ ملک التجار محمود گاواں نے جلدی نہ کی اور گھاٹ کے پاس جسے کربوہ کہتے ہیں خیمہ زن ہوا۔ محمود گاواں نے رفتہ رفتہ اپنی حسن تدبیر سے گھاٹ غیر مسلموں کے قبضہ میں سے نکال لیا۔ خواجہ نے جب دیکھا کہ وہاں سواروں سے کچھ کام نہیں کر سکتے تو جو لشکر اس کے ساتھ پایۂ تخت سے آیا تھا اسے تو واپس کر دیا اور اپنے ہم قوم امیر سعید خان گیلانی کو لشکر جنیر کے اور اپنے غلام مسمی خوش قدم کو وایل اور کلہر کی فوج کے ساتھ بلایا اور اسی پر

اکتفا کیا اور بہت بڑی جمعیت بہم پہنچا کر تھوڑے ہی زمانہ میں کھینہ کے جنگل میں جس سے
عبور مشکل تھا آگ لگا دی اور اسے مسطح جنگل بنا دیا اور پانچ مہینے کامل کھینہ کا محاصرہ جاری
رکھا۔ اسی درمیان میں برسات کا زمانہ آ گیا اور صحرا فتح نہ ہو سکا۔ محمود گاواں نے
سر گھاٹ کو دس ہزار توپچی اور کمانداروں پیادوں کے سپرد کیا اور اپنے خیل وحشم کی
آسایش کے لئے گھاٹی سے نیچے اترا اور پرگنہ کھولا پور میں پھوس کے گھر تیار کئے
اور اس موسم میں یہاں بیکار مقیم رہا۔ خواجہ نے جس طرح بھی ممکن ہوا تھوڑے ہی زمانہ میں
قلعۂ راکنہ کو فتح کر لیا برسات گزرنے کے بعد خواجہ گاواں گھاٹ کے اوپر آیا اور
اس مرتبہ مختلف تدبیروں اور نیز زر پاشی سے قلعۂ کھینہ کو جو آج تک کسی بادشاہ سے سر نہ ہوا
تھا فتح کیا۔ اس کے بعد پھر برسات کا موسم آ گیا اور محمود گاواں نے سال گزشتہ
کی طرح قلعہ اور گھاٹی کو سخت جان پیادوں کے جو کوکن کی آب و ہوا کو برداشت
کر سکتے تھے سپرد کیا اور خود اپنے سواروں کے ساتھ گھاٹ سے نیچے اترا۔
محمود گاواں نے چار مہینے اس جگہ بسر کئے اور زمانۂ بارش ختم ہونے کے بعد سنگیسر
روانہ ہوا اور نہایت آسانی سے اس ملک کو فتح کر کے اس نواح کے زمینداروں
سے ملک التجار خلف حسن بصری کا انتقام لیا اور رعایا کو اپنا مطیع اور فرماں بردار کیا۔
خواجہ نے یہ ملک اپنے معتبر آدمیوں کے سپرد کیا اور خود جزیرہ گووہ کیجانب جو
راجہ بیجانگر کے مشہور بندرگاہوں میں تھا روانہ ہوا۔ محمود گاواں نے ایکسو بیس جہاز جنگی
سواروں سے بھر کر دریا کے راستہ سے روانہ کئے اور خود خشکی کی راہ سے اپنے
لشکر کے ساتھ وہاں پہنچکر جنگ آزمائی شروع کی اور جبتک کہ راے بیجانگر کو اس کی خبر ہو
اور وہاں سے مدد آئے محمود گاواں نے فتح و نصرت حاصل کر لی اور یہ فتح سارے
جہان میں مشہور ہوی۔ سلطان محمود شاہ اس خبر کو سن کر بیحد خوش ہوا اور اس نے
ایک ہفتہ طبل شادیانہ بجوایا۔ ملک التجار محمود گاواں نے جزیرۂ گووہ اپنے معتمد امیروں
کے سپرد کیا اور ذخیرے اور قلعداری کے تمام سامان مہیا کر کے خود تین سال کے بعد
پائے تخت کو واپس آیا۔ سلطان محمد شاہ خود خواجہ کے گھر گیا اور ایک ہفتہ وہاں
عیش و عشرت میں مشغول رہا اور محمود گاواں کو خلعت خاص عطا فرمایا۔ مخدومۂ جہاں
نے بھی خواجہ کو برادر کے لقب سے یاد کیا اور بادشاہ نے فقرات ذیل اس کے القاب میں

اضافہ کئے اور حکم دیا کہ فرامین اور منشور میں اس کا نام اس طرح لکھا جائے حضرت مجلس کریم سید عظیم ہمایوں اعظم صاحب السیف والقلم مخدوم جہانیاں معتمد درگاہ شاہان آصف جم نشان امیر الامرا ملک نائب مخدوم ملک التجار محمود گاواں المخاطب بہ خواجہ جہاں۔

اسی ہفتہ میں اس کے غلام مسمی خوش قدم کو جو اس یورش میں تین سال شائستہ خدمتیں بجالایا تھا کشور خاں کے خطاب سے سرفراز کر کے نامی امرا کے گروہ میں داخل کیا اور قلعہ کووہ وہندوہ کوندوال وکولاپور اس کی قدیم جاگیر میں اور اضافہ کئے گئے۔ اور اُسے شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کیا۔ سلطان محمود شاہ ایک ہفتہ کے بعد خواجہ جہاں کے مکان سے واپس آیا اور محمود گاواں اپنے دل میں بیحد غمگین ہوا محمود گاواں نے دروازہ بند کر لیا اور لباس فاخرہ بدن سے اتارا اور گریہ وزاری کرتا ہوا زمین پر گر پڑا اور اس قدر خشوع اور خضوع کیا کہ اس کے رخسار بالکل گرد آلود ہو گئے۔ اس کے بعد خواجہ حجرے سے باہر نکلا اور احمد آباد بیدر کے تمام عالموں فاضلوں اور درویشوں کو اپنے پاس بلایا اور تمام جواہرات اور مال ومتاع اور بیش قیمت اسباب جو کچھ کہ اس نے زمانہ تجارت اور عہد امارت میں جمع کیا تھا سب کچھ ان میں تقسیم کر دیا اور اپنے لئے صرف کتابیں اور گھوڑے اور ہاتھی رکھ لئے۔ یہ تمام چیزیں تقسیم کرنے کے بعد خواجہ جہاں نے کہا کہ خدا کا شکر ہے میں نے نفس امارہ کے وسوسے سے نجات پائی۔ ان علما میں سے ایک شخص مسمی ملا شمس الدین محمد نے جو خواجہ جہاں کے مخلص ہمنشین تھے ان سے پوچھا کہ اس میں کیا اسرار ہے کہ تم نے تمام اپنی ملکیت تو درویشوں پر تقسیم کر دی اور صرف کتابیں اور اسپ وفیل اپنے لئے رکھ چھوڑے خواجہ نے جواب دیا کہ جس وقت بادشاہ میرے مکان میں آیا اور مخدومہ جہاں نے مجھے برادر کے خطاب سے یاد کیا تو میرے نفس نے سرکشی شروع کی اور اس قدر غرور وتکبر نے میرے دل میں جگہ کی کہ میں ان کے ہجوم سے حیران وپریشان ہو گیا۔ میں اس جلسہ میں اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا اور اس کو زجر وتوبیخ کرنے لگا اور ایسا اس میں منہمک ہوا کہ بادشاہ کے جواب سے عاجز ہو گیا۔ بادشاہ نے جو یہ تغیر مجھ میں دیکھا تو مجھ سے حال دریافت کیا میں نے جواب دیا کہ میرے قلب میں اختلاجی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ بادشاہ یہ سمجھا کہ یہ کیفیت کسی جسمانی عارضہ کی

وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور اس نے مجھے آرام کرنے کا حکم دیا اور خود میرے مکان سے
چلا گیا اسی بنا پر میں نے اپنا تمام مال و اسباب تلف کر دیا صرف دو چیزیں رکھ لی ہیں
جو دراصل میری نہیں ہیں اول کتابیں یہ طالبعلموں کے لئے وقف ہیں اور گھوڑے
اور ہاتھی بادشاہ کی ملکیت ہیں چند روز عاریتہً میرے پاس ہیں جو آخرکار سرکار شاہی
میں داخل ہو جائیں گے اس واقعہ کے بعد خواجہ جہاں معمولی لباس پہنتا اور جہات ملک
سے فارغ ہو کر اپنی مسجد اور مدرسہ میں جاتا اور درویشوں اور اہل دل کے ساتھ بیٹھتا اور
ان کے احوال کی پرسش کرتا اور ان کی تیمارداری میں کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ محمود گاواں کا
دستور تھا کہ جمعہ کی شب اور دوسری متبرک راتوں کو روپے اور اشرفیاں اپنے ساتھ
لیتا اور لباس بدل کر تمام شہر میں محلے محلے گھومتا اور دردمندوں اور اہل حاجت کو دولت
تقسیم کرتا اور ان سے کہتا کہ یہ بادشاہ کا عطیہ ہے اس کو لو اور مالک کی ترقی عمر و دولت
کی دعا کرو لیکن باوجود اس اخلاص اور اعتقاد کے دکن کے فتنہ انگیزوں نے خواجہ پر
نمک حرامی کا الزام لگایا اور جیسا کہ آگے چل کر مفصل بیان ہوگا یہ امیر
درویش صفت شہید ہوا۔

۸۷۶ھ ہجری میں معلوم ہوا کہ رائے اوریا بیمار ہو کر فوت ہو گیا اور اس کے
پسماندگاں میں باہم نزاع ہوئی چونکہ خزانہ اور تخت اس کے متبنیٰ کے ہاتھ میں تھا یہ شخص سب پر
غالب آیا اور ہمبیر کو کوہستان اور جنگل میں پناہ لینے کی نوبت آئی ہے اس درمیان
میں متوفی راجہ کے بھتیجے ہمبیر کا ایک معروضہ بادشاہ کے نام آیا کہ راجہ اوریا نے دنیا سے
کوچ کیا اور اس کے متبنیٰ فرزند منگل رائے نے تاج و تخت پر قبضہ کر کے اپنے کو راجہ اوریا
مشہور کیا ہے یہ وقت ہے کہ بادشاہ ملک پر لشکر کشی فرمائیں اور اس کو فتح کر کے
میرے سپرد کر دیں تاکہ میں ہر سال اس قدر رقم بطور خراج شاہی خزانہ میں داخل کرتا رہوں
سلطان محمد شاہ جو ہمیشہ ملک اوریا راجمندری و کنڈ نیر کی تسخیر کے خیال میں بےچین رہتا تھا
اس منصوبہ کو اپنے حسب دلخواہ پاکر خوش ہوا اور اس نے ملک حسن بحری کو جو شاہان احمد نگر کا
مورث اعلیٰ اور شاہان بہمنیہ کے غلاموں میں تھا نظام الملک کا خطاب دیا اور بڑی
عظمت و شان کے ساتھ ملک حسن کو اس طرف روانہ کیا۔ ملک حسن اوریا کی سرحد پر
پہنچا اور ہمبیر ملک حسن نظام الملک بحری کے استقبال کو آیا اور مقدمہ لشکر شاہی

فوج کے ساتھ روانہ ہوا انگل رائے نے بھی بہت بڑی جمعیت بہم پہنچائی اور مقابلہ میں صف آرا ہوا۔ طرفین کے بہادروں نے تلوار نیام سے نکالی اور ایک دوسرے سے دست وگریبان ہوئے بڑی کوشش کے بعد ہندوؤں کو شکست ہوئی اور میدان جنگ سے بھاگ گئے۔ ہیمبر نے اپنے موروثی منصب یعنے اوریا کے تاج وتخت پر قبضہ کرلیا اس واقعہ کے بعد ملک حسن نظام الملک نے ہیمبر کی رہبری سے راجمندری اور کندنیر کا سفر کیا اور صحیح روایت کے مطابق ان دونوں شہروں کو فتح کرلیا۔ محمد شاہ کے حکم کے موافق ان مقامات کی حکومت معتبر امیروں کے سپرد کرکے ہیمبر کو اس کے ملک روانہ کیا اور بیش قیمت تحفوں اور پیشکش کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملک حسن مخدومۂ جہاں کی عنایت اور خواجہ کاواں کی سفارش سے خلعت خاص کے عطیہ سے سرفراز ہوکر تلنگانہ کا سرلشکر مقرر کیا گیا اس لئے کہ شاہان بہمنیہ کا قاعدہ تھا کہ خلعت خاص اسی امیر کو عطا کرتے تھے جو کسی صوبہ کا سرلشکر ہو۔ اسی زمانہ میں فتح اللہ عماد الملک جو شاہان برار کا مورث اعلیٰ ہے اور نیز خواجہ جہاں ترک کے غلاموں میں انتہائے فہم وفراست کی وجہ سے ممتاز تھا سرلشکر برار مقرر ہوکر صاحب عزت وجاہ ہوا۔ ان واقعات کے دو یا تین مہینے کے بعد یوسف عادل خاں سوائی بھی جس کو خواجہ محمود گاواں نے فرزند کہا تھا سرلشکری دولت آباد کے منصب اور خلعت سے سرفراز کیا گیا یہ وہ خدمت ہے جس سے زیادہ معزز منصب خاندان بہمنی میں دوسرا نہیں ہے دریا خاں اور اکثر ترکی غلام جو امارت کے مرتبہ پر فائز تھے یوسف عادل کے ماتحت کئے گئے اور اسی نواح میں ان کی جاگیر مقرر ہوئی۔ قاسم بیگ ولد قاسم بیگ صف شکن شاہ قلی سلطان اور دوسرے مغل امیر جو چینر اور چاکنہ کے جاگیردار تھے وہ بھی یوسف عادل کے تابعین میں داخل کئے گئے۔ غرضکہ یوسف عادل خواجہ محمود گاواں کی عنایت سے سارے طرفداروں سے زیادہ صاحب عزت وجاہ ہوا۔ سلطان محمد شاہ کو جب یقین ہوا کہ یوسف عادل شاہ عنایتوں کے لائق اور التفات سلطانی کے قابل ہے تو اس نے طرح طرح کی نوازشوں سے سرفراز کیا اور ہمچشموں میں صاحب عزت وجاہ کرکے ویرہ کھرا اور انتور کے قلعوں کے سر کرنے کے لئے اسے روانہ کیا۔ یہ قلعے لودھیوں کے فتنہ میں ایک مرہٹے کے قبضہ میں آگئے تھے جو بادشاہ کی اطاعت نہیں کرتا تھا۔ یوسف عادل دولت آباد پہنچا

اور قاسم بیگ صف شکن کو قلعۂ انتور کے محاصرہ پر متعین کیا۔ دریا خاں اپنے خوانده برادر کو
ویراکھیڑ روانہ کیا۔ جو غیر مسلم قلعۂ انتور پر قابض تھا اس نے تو جنگ و جدال سے ہاتھ اٹھایا
اور جان کی امان طلب کر کے حصار قاسم بیگ کے سپرد کر دیا۔ راجہ ویراکھیڑ مسمی جینک رائے
پانچ یا چھ مہینے تو دشمن کی مدافعت میں مردانہ وار لڑتا رہا لیکن آخر کار اپنے میں ضعف کے
آثار دیکھے اور یوسف عادل کی خدمت میں قاصد روانہ کر کے یہ پیغام دیا کہ اگر اس کا قصور
معاف ہو اور اس کو امان دیجائے تو اپنی تمام ملکیت یوسف عادل کے سپرد کر کے خود
جریدہ مع اپنے اہل و عیال کے قلعہ سے باہر نکل جائے گا۔ یوسف عادل نے اس کی
درخواست منظور کی اور اپنے خوانده برادر دریا خاں کو حکم دیا کہ اہل قلعہ کی جان و عزت کو
امان حاصل ہے ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے اور جہاں وہ چاہیں چلے جائیں۔ دریا خاں
نے یوسف عادل کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ کے حوالی میں کھڑا ہو گیا
اور حکم دیا کہ جینک رائے مع اپنے اہل و عیال کے قلعہ سے باہر چلا جائے۔ بیچارہ جینک
آباؤ اجداد کے وطن اور موروثی اور اکتسابی خزانوں کو خیر باد کہکر حصار کے باہر چلا گیا۔
یوسف عادل اسی روز دھاوا کر کے پہنچا اور قلعہ میں داخل ہو کر تمام خزانوں دفینوں
اور بیش قیمت چیزوں پر قابض ہو گیا۔ یوسف عادل نے اس نواح کے سب سے بڑے
چودھریوں پر مہربانی فرمائی اور لانچی کے قلعہ کا رخ کیا لانچی کا رائے زادہ جس کا باپ
حال ہی میں فوت ہوا تھا عاجز ہوا اور اس نے جان کی امان طلب کی قلعہ اور تمام
مال و اسباب یوسف عادل کے سپرد کر کے خود حصار کے باہر چلا گیا۔ یوسف عادل نے
مال و اسباب میں سے جو کچھ کہ سرکار کے لائق تھا لے لیا اور رائے زادہ کو امیروں کے
گروہ میں داخل کر کے اس ملک اور قلعہ کو اس کی جاگیر میں دے دیا اور خود بیدر روانہ ہوا۔
یوسف عادل احمد آباد بیدر پہنچا اور اس نے اس قدر ہاتھی گھوڑے نقدی دولت جواہرات
اور بیش قیمت چیزیں بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیں کہ راجمندری اور کنڈیر کے اموال غنیمت
اس کے مقابلہ میں ہیچ ہو گئے۔ بادشاہ یوسف عادل سے بیحد خوش ہوا اور اسے طرح طرح
کی عنایتوں سے سرفراز کر کے کہا کہ سچ یہ ہے کہ جو شخص خواجہ گاواں جیسے انسان کا فرزند ہو
اسے ایسا ہی ہونا چاہئے اور اس سے اسی قسم کے کام ہونے چاہئیں۔ محمود شاہ نے
محمود گاواں کو حکم دیا کہ یوسف عادل کو ایک ہفتہ اپنے گھر میں مہمان رکھے اور اس کی مدارات

میں انتہائی کوشش کرے۔ خواجہ نے زمین خدمت کو بوسہ دیا اور کہا کہ بغیر بادشاہ کے اس ضیافت سے مقصد نہ حاصل ہوگا۔ محمد شاہ خواجہ کا مطلب سمجھ گیا اور اس نے کہا کہ مشترک دعوت بے مزہ ہوتی ہے پہلے ایک ہفتہ یوسف عادل کی مہمانداری کرو اور اس کے بعد مجھے اپنے گھر بلاؤ۔ خواجہ نے شاہی فرمان کی تعمیل کی اور یوسف عادل کو اپنے گھر لیجا کر اس کی ضیافت میں مشغول ہوا اور اہل دنیا کی رسم کے موافق بڑے تکلف سے اس خدمت کو انجام دیا۔ اس واقعہ کے آٹھویں دن محمد شاہ نے خواجہ کے مکان میں قدم رنجہ فرمایا اور یوسف عادل کو بھی اپنا شریک دعوت کیا۔ خواجہ نے ظاہری تکلف کا کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کیا۔ خواجہ یوسف عادل کے ساتھ بادشاہ کی مہمانی کے سامان میں مشغول ہوا اور اس نے اپنے گھر کو نگارخانۂ چیں کی طرح آراستہ کیا۔ آٹھویں روز صبح کو بادشاہ خواجہ کے مکان میں رونق افروز ہوا اور ایک ہفتہ کامل جشن عشرت منعقد کیا محمد شاہ نے یوسف عادل کو بھی اس مجلس میں اپنا ہم پیالہ وہم نوالہ بنایا اور خواجہ نے بھی رسم مہمانداری کے تکلفات میں انتہائی کوشش کی اور اس قدر تحفے اور ہدیے ہفت اقلیم کے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کئے کہ اہل دکن ان کے مشاہدہ سے حیرت میں آگئے ان تحفوں میں پچاس طبق سونے کے تھے جن کے سرپوش مرصع تھے ہر طبق اتنا بڑا تھا کہ ایک پیالہ گوسفند اچھی طرح اس میں رکھا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ سو غلام حبشی چرکسی اور دکنی جن میں اکثر خوانندہ اور سازندہ اور صاحب حیثیت تھے اور ایک سو عراقی عربی اور ترکی گھوڑے مع ایک سو صحن اور کاسۂ فغفوری کے جو بادشاہوں کی سرکار میں موجود نہ تھے محمد شاہ کی خدمت میں پیش کئے۔ آخر روز خواجہ نے تمام شاہزادوں امیروں اور ارکان دولت کو بھی عمدہ تحفوں اور ہدیوں سے مسرور کیا۔

ان واقعات کے بعد خواجہ نے اپنے سرکار کی نقدی دولت اور تمام سامان بادشاہ کو دکھلایا اور اس سے کہا کہ یہ تمام مال واسباب بادشاہ کا ہے جس کو حکم ہو اس کے سپرد کر دیا جائے بادشاہ خواجہ کے اخلاص اور اس کے حسن عقیدت سے بیحد خوش ہوا اور کہا کہ یہ تمام مال واسباب میں نے قبول کیا اور پھر تمہیں کو بخشدیا۔ ان تمام واقعات کے بعد خواجہ کا اعتبار اور اس کی عظمت اور یوسف عادل کا جاہ و مرتبہ ایسا بلند ہوا کہ یہ لوگ محسود زمانہ ہو گئے۔ اہل دکن ان دونوں کی عظمت و شان سے

بیحد رنجیدہ ہوئے۔

۸۷۷ھ ہجری میں پرکیتینہ رائے نے والی بیجانگر مسمی اجیر رائے کی تحریک سے
جزیرۂ گودہ کی فتح کا ارادہ کیا اور قلعۂ بنکاپور کا سپہ سالار ۸۷۷ھ میں اجیر رائے کے حکم سے
مواج لشکر ساتھ لیکر اس طرف متوجہ ہوا اور اس نے آمد و رفت کے تمام راستے مسدود کر دئے
سلطان محمد شاہ ان خبروں کو سن کر بیحد برآشفتہ ہوا اور سرداران لشکر کی حاضری کا حکم دیا۔
بادشاہ سیر کرتا اور شکار کھیلتا ہوا انیلگوان کی طرف روانہ ہوا اور رائے پرکیتینہ نے قلعہ بند ہو کر
مدافعت شروع کی۔ یہ حصار بیحد مضبوط چونے اور پتھر کا بنا ہوا تھا۔ قلعہ کے گرد ایک خندق
پانی سے بھری ہوئی تھی اور دو دیواریں ایک دوسرے کے مقابل اس طرح کھینچی ہوئی تھیں
اور راستے اس قدر محکم تھے کہ انسان کو قلعہ کے اندر آسانی سے داخل ہونے کا موقع نہ تھا۔
محمد شاہ نے قلعہ کے قریب پہنچکر حصار کا محاصرہ کر لیا اور رائے پرکیتینہ نے عاقبت اندیشی سے
کام لیا خواجہ اور دیگر مقرب ارکان دولت کے پاس قاصد روانہ کئے اور اماں کا خواستگار
ہوا۔ خواجہ اور دوسرے امیروں نے بادشاہ سے عرض کیا۔ سلطان محمد شاہ نے اس
نواح کے دوسرے راجاؤں کی عبرت کے لئے ان کی درخواست قبول نہ کی اور آتش بازوں کو
بلا کر انھیں حکم دیا کہ اگر اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو دو ہفتہ میں اس حصار کے برج دبارہ کو تباہ
اور مسمار کر کے بہادران فوج کے داخل ہونے کا راستہ پیدا کرو اور خواجہ سے کہا کہ خاک ریزی اور
خندق پاٹنے کی خدمت تمھارے سپرد ہے جس دن کہ ہنرمند سپاہی حصار کو توپ اور ضرب زن
سے گرائیں اسی روز خندق بھی پٹ جائے تاکہ لشکر اطمینان کے ساتھ قلعہ کے اندر داخل
ہو سکے خواجہ ہر چند پتھر اور لکڑیوں سے دن کو خندق پاٹتا تھا قلعہ کے باشندے رات کو
ان چیزوں کو خندق سے نکال لیتے تھے۔ خواجہ نے راہ آمد و رفت بند کرنے کے لئے ایک
دوسری دیوار تعمیر کی اور مورچل تقسیم کر کے سرکوب اور نقب کی تیاری کا جو اس وقت تک
دکن میں شائع نہ تھے حکم دیا۔ اہل شہر اپنے کام میں مشغول ہوئے رائے پرکیتینہ
خندق پر آب کی موجودگی میں نقب کا برج دبارہ تک پہنچنا محال جان کر بالکل مطمئن
تھا کہ اہل لشکر نے نقب کو یوسف عادل خاں اور فتح اللہ عماد الملک کے مورچل سے
قلعہ کے نیچے پہنچا دیا اور اسے بارود سے بھر دیا۔ نقب میں ایک بارگی آگ لگا دی گئی
اور حصار کے برج دبارہ میں رخنے پیدا ہو گئے۔ رائے پرکیتینہ کے سپاہی رخنوں پر پہنچ گئے

اور لڑائی میں مشغول ہوے شاہی لشکر کے دو ہزار آدمی مارے گئے اور قریب تھا کہ
رخنوں کو اہل قلعہ پتھر اور لکڑی سے بند کر دیں کہ ناگاہ سلطان محمد شاہ خود حملہ آور ہوا اور
خندق سے جو مٹی سے پٹ گئی تھی گزر کر رخنوں پر پہنچ گیا اور ان پر قبضہ کر کے حصار اول کو
فتح کیا اور دوسرے حصار کی تسخیر میں مشغول ہوا۔ رائے پرکیتنہ نے لباس بدلا اور قلعہ سے
باہر نکلا اور سلطان محمد شاہ کے سورچل کے پاس جا کر اس سے کہا کہ مجھے راجہ نے
بادشاہ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ ارکان دولت نے بادشاہ سے عرض کیا۔ اور محمد شاہ
نے اُسے اپنے حضور میں بلایا راجہ نے زمین خدمت کو بوسہ دیا اور دستار اپنی گردن
میں ڈال کر عرض کیا کہ رائے پرکیتنہ مع اپنے فرزندوں کے حضور شاہی میں حاضر ہے۔
بادشاہ کو اختیار ہے چاہے اسے قتل کرے اور چاہے اس کا قصور معاف کرے
محمد شاہ نے راجہ کا قصور معاف کیا اور اسے اماں دی۔ بعض کتابوں میں درج
ہے کہ رائے پرکیتنہ نے جب دیکھا کہ حصار اول پر قبضہ ہو گیا اور ارکان دولت
کے ذریعہ سے بادشاہ اس کے قصور کو معاف نہیں کرتا تو راجہ برج کے اوپر آیا اور بصد عاجزی
کے ساتھ اماں کا خواستگار ہوا۔ بادشاہ نے اس عاجزی کو دیکھا اور راجہ کی بیکسی پر
اسے رحم آیا اور اماں دیکر راجہ کو اپنے امرا کے گروہ میں داخل کیا اور اس کی عزت کی۔
بہر حال جو روایت بھی صحیح ہو محمد شاہ راجہ کو اماں دیکر اسی روز قلعہ میں داخل ہوا اور خدا کی
بارگاہ میں سجدۂ شکر بجا لا کر اپنے کو لشکری کے لقب سے اس نے مشہور کیا۔ محمد شاہ نے
قلعۂ نیلگواں خواجہ کی جاگیر میں دیا اور خود پایۂ تخت کو روانہ ہوا۔ اسی اثنا میں بادشاہ کی
ماں مخدومۂ جہاں نے جو اس مہم میں بادشاہ کے ساتھ تھی اور جس کی وجہ سے کارخانۂ شاہی
کی رونق تھی دنیا سے رحلت کی محمد شاہ نے ماں کی لاش احمد آباد بیدر روانہ کی اور خود
بیجاپور پہنچا بادشاہ نے خواجہ کے معروضہ کے موافق بیجاپور میں جو خواجہ کی جاگیر میں داخل
تھا۔ تھوڑے دنوں قیام کیا اور عیش و عشرت میں مشغول ہوا خواجہ نے بھی طرح طرح کی ضیافت
اور مہمانداری سے بادشاہ کو خوش کیا محمد شاہ کا ارادہ تھا کہ موسم برشگال بیجاپور میں بسر
کر کے بیدر روانہ ہو کہ اتفاق سے اس سال سارے دکن یہاں تک کہ بیجاپور میں
بھی پانی نہ برسا شہر کے کنوئیں بالکل سوکھ گئے اور محمد شاہ نے مجبوراً بیدر کا رخ کیا
یہ قحط تاریخ میں قحط بیجاپور کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ دوسرے سال بھی بارش

نہ ہوی اور شہر و قصبوں اور دیہاتوں میں آبادی کا نام و نشان تک نہ رہا اور اکثر لوگ ہلاک ہوے اور جو زندہ بچے انھوں نے مالوہ گجرات اور جاجنگر میں پناہ لی غرض کہ مالوہ مرہٹواڑی اور نیز تمام ممالک میں دوسال کامل زمین میں تخم ریزی نہیں ہوی۔ تیسرے سال جب خدا کی رحمت سے بارش ہوی تو ملک میں کاشت کاری کرنے والے موجود نہ تھے۔
بہمن نامہ میں لکھا ہے کہ جب لوگ قحط اور وبا کی مصیبت سے نجات پاکر ملک میں آباد ہوے تو معلوم ہوا کہ قلعہ کندنیر کے باشندے اپنے حاکم کو جو ظالم اور بدکار تھا اور رعایا کی عزت اور جان و مال کا درپے رہتا تھا قتل کرکے باغی ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں نے قلعہ کو ہمبر اوریا کو جو محمد شاہ کا دست گرفتہ تھا دیدیا ہے اور ہمبر اوریا نے راجہ اڈیسہ کے پاس یہ پیغام بھیجا ہے کہ چونکہ تم ہر وقت اپنے آبائی ملک کو واپس لینے کی فکر میں رہتے ہو اور چاہتے ہو کہ تلنگانہ کا ملک پھر اصلی وارثوں کے قبضہ میں آجائے اس لئے براہ بندہ نوازی تھوڑی تکلیف گوارا کرکے اس طرف توجہ کرو اور یہاں آؤ کیونکہ دکن میں قحط پڑا ہوا ہے اس لئے یہ مہم آسانی سے سر ہوسکتی ہے حق ہمسایہ ادا کرو اور تلنگانہ کو فتح کرکے میرے سپرد کرو اور اس کے عوض کندنیر کے قلعہ پر خود قبضہ کرو۔ راجہ اڈیسہ دام مکر میں گرفتار ہوگیا اور دس ہزار سواروں اور سات یا آٹھ ہزار پیادوں کے ہمراہ جاجنگر کے راجاؤں کو مدد کے طور پر ساتھ لے کر تلنگانہ میں داخل ہوا۔ حاکم صوبہ نظام الملک بحری راجمندری کا امراؤں سے مقابلہ نہ کرسکا اور قلعہ بند ہوگیا نظام الملک نے بادشاہ کو تمام حالات کی اطلاع دی۔ محمد شاہ نے خواجہ کی تجویز اور ہدایت کے موافق اس مہم کو خود اپنے ہاتھ میں لیا۔ بادشاہ نے خزانہ کا دروازہ کھولا اور تمام سپاہیوں کو ایک سال کی پیشگی تنخواہ عطا کرکے جلد سے جلد روانہ ہوا بادشاہ راجمندری کے نواح میں پہنچا اور راجاؤں نے آپس میں صلاح اور مشورہ کیا۔ ان لوگوں نے لڑائی میں خیر نہ دیکھی ہمبر اوریا قلعہ کندنیر میں داخل ہوگیا۔ اور رائے اڈیسہ نے دریائے راجمندری کو عبور کرکے اپنے ملک کی راہ لی اور اسی سرحد میں دریا کے کنارے مقیم ہوا۔ سلطان محمد شاہ راجمندری پہنچا اور نظام الملک بھی بادشاہ سے جاملا کشتیاں راجہ اڈیسہ کے قبضے میں تھیں اور دریا بیحد چڑھا ہوا تھا۔ سلطان محمد شاہ نے دریا کے کنارے خیمہ و خرگاہ نصب کئے اور دریا کو جلد عبور نہ کرسکا۔ بادشاہ نے سامان عبور

درست کرکے چاہا کہ کشتیوں اور سبد کے ذریعہ سے دریا کو عبور کرے راجہ اڈیسہ اپنے پائے تخت کو روانہ ہوگیا۔ سلطان محمد شاہ چونکہ راجہ سے بیحد آزردہ خاطر تھا بادشاہ نے شہزادہ محمود خاں کو خواجہ کے ساتھ راجمندری میں چھوڑا اور خود بیس ہزار مسلح سواروں کے ہمراہ آخر ۷۶۸ھ ہجری میں دریا کو عبور کرکے اڈیسہ کے ملک میں داخل ہوا۔ بادشاہ نے اڈیسہ کے باشندوں کے قتل اور ملک کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا چونکہ راجہ ملک کے وسط حصہ کو خالی کرکے اپنے قلمرو کے آخری حصۂ ملک کو چلا گیا تھا محمد شاہ نے بیحد اطمینان کے ساتھ چھ مہینے یہاں قیام کیا اور رعایا سے تشفی اور دلاسا دیکر اور بعض حالات میں جبر و قہر کے ساتھ غرض کہ جس طرح بھی ممکن ہوا بے شمار نقد دولت حاصل کی بادشاہ کا ارادہ تھا کہ خواجہ اور شاہزادہ کو بھی اڈیسہ میں بلا کر اس نواح کو بھی ان کے سپرد کردے کہ راجہ اڈیسہ نے یہ خبر سنی اور بیش قیمت تحفوں اور بیشمار ہاتھیوں کے ہمراہ پے در پے ایلچی محمد شاہ کی خدمت میں روانہ کیے اور بیحد معذرت کے ساتھ عذر خواہی کی راجہ نے عہد کیا کہ اب کبھی تلنگانہ کے زمینداروں کی مدد نہ کرے گا اور ہر وقت وفاداری سے کام لیگا۔ محمد شاہ نے کہا کہ اگر راجہ ان ہاتھیوں کے علاوہ اپنے باپ کے خاصے کے پچیس ہاتھی ہمارے حضور میں پیش کرے تو ہم اس کی درخواست منظور کریں۔ راجہ اگرچہ ان ہاتھیوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا لیکن چونکہ مجبور تھا اس نے ان ہاتھیوں کو زربفت و اطلس کی جھولیں پہنا کر مع طلائی اور نقرئی زنجیروں کے محمد شاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ بادشاہ نے اڈیسہ سے کوچ کیا اور شکار کھیلتا ہوا راستہ طے کرنے لگا اثنائے سفر میں بادشاہ نے پہاڑ پر ایک قلعہ دیکھا محمد شاہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس قلعہ کے پاس گیا اور لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ قلعہ ہمارے دریا کے قبضہ میں ہے لوگوں نے جواب دیا کہ حصار کا مالک راجہ اڈیسہ ہے اور کسی کی مجال نہیں ہے کہ آنکھ اٹھا کر بھی قلعہ کو دیکھ سکے بادشاہ اس تقریر سے بیحد غضب آلود ہوا اور اس نے دامن کوہ میں قیام کیا۔ دوسرے دن صبح کو محمد شاہ نے لڑائی کا ارادہ کیا اور حصار کی طرف روانہ ہوا اس قلعہ کا ایک گروہ حصار سے نکلکر لڑنے پر آمادہ ہوا لیکن ان میں سے بہت سے آدمی مسلمانوں کی تیر اندازی کے شکار ہوئے۔ راجہ نے یہ خبریں سنیں اور بادشاہ کی خدمت میں قاصد روانہ کرکے اسے پیغام دیا کہ یہ لوگ جنگل کے باشندے ہیں ان کی بے ادبی کو میری خاطر معاف فرمائیں اور قلعہ میرے

حوالے کر کے یہی خیال کریں کہ گویا حصار کو فتح کر کے اپنے ایک سپاہی کو قلعہ عنایت کر دیا ہے۔
محمد شاہ راجہ کے حسن پیغام سے بیحد خوش ہوا اور باوجودیکہ ڈیڑھ مہینہ کے محاصرہ کے بعد قلعہ کو
فتح کیا تھا حصار راجہ کے حوالہ کیا اور کندنیر روانہ ہوا۔ بادشاہ کندنیر پہنچا اور اس نے
قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور یا نے پانچ یا چھ مہینے کے بعد بیحد پریشان ہو کر ایک گروہ کو واسطہ بنایا
اور بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ بادشاہ سے اماں حاصل کر کے حصار اس کے
سپرد کر دیا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ شاہان بہمنیہ میں سلطان محمد شاہ پہلا فرمانروا ہے جس نے
برہمن کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ ورنہ اس سے پہلے بادشاہ کے آباؤ اجداد برہمنوں
کے قتل کا بھی حکم نہ دیتے تھے چہ جائیکہ ان کو ہاتھ سے قتل کرنا۔ برہمنوں کا عقیدہ ہے کہ
برہمن کشی محمد شاہ کو مبارک نہ ہوئی اور ملک میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا اس واقعہ کے
بعد محمد شاہ نے خواجہ کی رائے کے موافق تقریباً ایک سال راجمندری اور اس کے
نواح میں بسر کی اور سرحدوں کو مضبوط کر کے بہت سے زمینداروں کو تباہ و برباد کیا۔
تلنگانہ کا پورا انتظام کر کے بادشاہ کو نرسنگ کے ملک کی فتح کا خیال آیا اور اس نے
خواجہ سے کہا کہ جو شخص راجمندری اور دوسرے قلعوں کے انتظام سے عہدہ برآ ہو سکے
وہ کون ہے خواجہ نے جواب دیا کہ سوا ملک حسن نظام الملک بحری کے اور کوئی دوسرا
امیر اس کام کے لئے موزوں نہیں ہے۔ بادشاہ نے اس رائے سے اتفاق کیا اور
قدیم دستور کے مطابق راجمندری کندنیر اور اس نواح کے اکثر ممالک کی حکومت اس کے
سپرد کی۔ ورنگل اور دوسرے تلنگانہ کے ممالک اعظم خاں بن سکندر خاں بن جلال خاں
کی ماتحتی میں دے گئے اور خود بادشاہ نے نرسنگہ کے ممالک کی طرف کوچ کیا اعظم خاں کا
تلنگانہ میں برسر اقتدار رہنا اور حکومت میں ملک حسن کا شریک کار رہنا نظام الملک بحری کو
ناگوار ہوا اور اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ میں نے اپنی تمام زندگی بادشاہ کے حضور
میں بسر کی اس سے میرا اصل مدعا یہ ہے کہ اس صوبہ کی حکومت اپنے کسی فرزند کو سپرد
کر دوں اور خود بادشاہ کے ہمراہ رکاب رہوں محمد شاہ نے جواب دیا کہ یہ مدعا اس ملک کا
انتظام ہے وہ جس صورت سے ممکن ہو کرو۔ کہتے ہیں کہ خواجہ کاواں ملک حسن نظام الملک کے
تیور اچھی طرح پہچانتا تھا اور اس کا فرزند ملک احمد حرم سرا میں قرابت کر کے باپ سے بھی زیادہ

صاحب اثر اور بیباک ہو گیا تھا خواجہ نے ان دونوں پدر و پسر کا جوار میں رہنا خلاف مصلحت سمجھا اور اس بنا پر گزشتہ زمانہ میں جبکہ نظام الملک راجمندری کا صوبہ دار مقرر کیا گیا تو اس کے فرزند ملک احمدؒ کو خداوند خاں حبشی کی ماتحتی میں سہ صدی منصبدار کے عہدے پر فائز کر کے ماہور کا جاگیر دار بنایا تھا۔ ملک حسن نظام الملک خواجہ کی اس کارروائی سے بیحد آزردہ تھا اس نے اب موقع پا کر بادشاہ سے عرض کیا کہ اس کا فرزند ملک احمدؒ اس کی خود ماتحتی میں تلنگانہ کا جاگیر دار مقرر کر دیا جائے۔ محمدؒ شاہ نے ملک حسن کا معروضہ قبول کیا اور خواجہ کے نام پروانہ لکھدیا خواجہ کا والی کو اب چارہ کار نظر نہ آیا اور اس نے ملک احمدؒ کے نام فرمان طلب جاری کیا۔ ملک احمدؒ جلد سے جلد روانہ ہوا اور راجمندری سے چار کوس کے فاصلہ پر بادشاہی لشکر سے آملا اور ایک ہزاری منصب پر فائز ہو کر باپ کی طرف سے راجمندری کا حاکم مقرر ہوا۔ سلطان محمدؒ شاہ اب نرسنگہ کے ملک کو فتح کرنے میں کوشاں ہوا۔ نرسنگہ مذکور قوی ہیکل اور عظیم الجثہ راجہ تھا جو کثرت مال اور لشکر کی وجہ سے تمام نواح میں مشہور اور تلنگانہ اور کرناٹک کے درمیانی حصہ پر حکمراں تھا اس کا ملک دریا کے اس طرف مچھلی پٹن تک پھیلا ہوا تھا۔ راجہ نے اس زمانہ میں موقع پا کر رائے بیجانگر کے بہت سے ملکوں پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور مضبوط اور مستحکم قلعے تعمیر کر کے اکثر اوقات زمینداروں کو ترغیب دیکر شاہان بہمنیہ کے ملک میں فتنہ و فساد برپا کرایا کرتا تھا۔ اس نواح کے بہمنی امیر نرسنگہ سے مقابلہ نہ کر سکتے تھے اور ہمیشہ بادشاہ کے حضور میں نرسنگہ کی شکایتیں کیا کرتے تھے۔ سلطان محمدؒ شاہ نے اثنائے راہ میں ایک سربفلک قلعہ پہاڑی کے اوپر دیکھا بادشاہ کو معلوم ہوا کہ یہ حصار شاہان دہلی کی یادگار ہے جو انھوں نے اس نواح کے انتظام کے لئے بالائے کوہ تعمیر کرایا تھا۔ محمدؒ شاہ نے اس جگہ قیام کیا اور حکم دیا کہ معمار اس قلعہ کی تعمیر کریں چونکہ اس کا اہتمام خواجہ کے سپرد ہوا تھا دو سال کا کام چھ مہینے میں تمام ہو گیا خواجہ نے قلعہ کو غلہ اور چارہ توپ ضرب زن اور نیز تمام آلات قلعداری سے آراستہ کر کے حصار معتبر امیروں کی ماتحتی میں سپرد کیا۔ اور بادشاہ کو بالائے کوہ لیجا کر تمام سامان دکھلایا محمدؒ شاہ نے خواجہ کی تعریف و تحسین کرنے کے بعد کہا کہ میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے علاوہ ریاست اور فرمانروائی کے مجھے خواجہ کا سا خیر خواہ دوست بطور ملازم عطا فرمایا ہے۔ بادشاہ نے اپنے جسم سے لباس اتار کر خواجہ کو پہنایا اور خواجہ کے بدن کا

کیونکہ خود پہنا مورخ لکھتا ہے کہ تاریخ میں ایسا واقعہ دیکھنے میں نہیں آیا کہ کسی فرمانروا نے اپنے ملازم کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا ہو لیکن چونکہ یہ امر خواجہ کے اقبال کا انتہائے کمال تھا اور اس طرح کا کمال زوال کی علامت ہے تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ اس اقبال مند امیر پر ادبار بھی ایسا آیا جو ہمیشہ کے لئے دوسروں کے لئے باعث عبرت ہوا۔

مختصر یہ کہ سلطان محمد شاہ نے حصار کی تعمیر سے فراغت حاصل کی اور قلعہ میں دو یا تین ہزار معتبر سپاہی ایک معتمد امیر کی ماتحتی میں مقرر کئے اور اطمینان کے ساتھ آگے بڑھا۔ بادشاہ جس جگہ پہنچتا تھا قتل اور غارتگری کا بازار گرم کر کے اہل شہر کو تباہ اور برباد کرتا تھا۔ محمد شاہ کوندپور پہنچا اور لوگوں نے کہا کہ یہاں سے دس روز کی راہ پر ایک بت خانہ ہے جو کنجی کے نام سے مشہور ہے اس بتکدہ کے در و دیوار اور اس کی چھتیں زر و جواہر سے آراستہ اور آبدار اور بیش قیمت موتیوں سے پیراستہ ہیں آج تک کسی مسلمان فرمانروا نے اس بت خانہ کا نام تک نہیں سنا۔ محمد شاہ نے چھ ہزار سوار خنجر گزار اپنے لشکر سے جدا کئے اور اس طرف دھاوا کیا بادشاہ نے شاہزادہ محمود خاں اور خواجہ کو کوندپور میں چھوڑا اور خود بقیہ امیروں کے ہمراہ اس قدر تیزی کے ساتھ سفر کی منزلیں طے کیں کہ چالیس سواروں سے زیادہ اس کے ہمراہ نہ آئے یوسف عادل ملک حسن نظام الملک تفرش خاں ترک بھی انھیں ہمراہیوں میں تھے۔ یہ امیر بت خانہ کے حوالی میں پہنچے اور چند دیونژاد ہندو سوار بتکدہ کے باہر آئے ان سواروں میں سے ایک قوی ہیکل ہندو شمشیر ہندی ہاتھ میں لئے ہوئے ایک تھوڑی دیر میدان میں ٹھہرا اور حریف کو نگاہ تیز سے دیکھتا رہا۔ اس ہندو نے بادشاہ کو دیکھا اور اس کی طرف بڑھا اور سپر کو ہاتھ میں لیکر ایک وار تلوار کا کیا۔ محمد شاہ نے بڑی چستی اور چالاکی کے ساتھ گھوڑا دوڑایا اور اس کے وار کو روکا بادشاہ نے حریف کی تلوار کو رد کر کے ایک ہاتھ اس پر مارا لیکن وار خالی گیا۔ ہندو دوبارہ بادشاہ کے مقابلہ میں آیا اور اس نے چاہا کہ پھر ایک وار کرے محمد شاہ نے اس مرتبہ ایسا ہاتھ مارا کہ حریف کے دو ٹکڑے کر دیئے اس واقعہ کو دیکھکر دوسرا ہندو سوار جو اپنے مقتول بھائی سے ہر طرح برفائق تھا بادشاہ کے سامنے آیا بادشاہ کے ساتھیوں میں ہر شخص جنگ میں مشغول تھا اس ہندو کی طرف کوئی متوجہ نہ ہو سکا محمد شاہ خود اس سوار کی طرف بڑھا اور اس کو بھی قتل کر دیا بقیہ سپاہی فرار ہو کر بتکدہ میں جا چھپے اسی اثناء میں بقیہ لشکر بھی پہنچ گیا اور محمد شاہ لڑ بھڑ کر قلعہ میں داخل ہوا اور حصار کو تاراج اور اہل قلعہ کو

قتل کرنے میں مشغول ہوا۔ بادشاہ نے بت خانے کو تاراج کر کے ایک ہفتہ آرام کیا اور اس کے بعد واپس ہوا۔ بادشاہ نے ملک حسن نظام الملک بحری یوسف عادل خاں فخر الملک اور دیگر اعلیٰ امیروں کے ایک گروہ کو دولت آباد اور جنیر کے لشکر کے ہمراہ بڑے ساز و سامان کے ساتھ نرسنگہ کی مہم پر روانہ کیا اور خود مچھلی پٹن کو جو نرسنگہ کے تحت میں تھا فتح کیا اور کندپور پلی واپس آیا۔ خواجہ کاواں کے کمین نشیں دشمن یعنے ملک حسن نظام الملک اور ظریف الملک وغیرہ محمد شاہ کی حضوری کے غلاموں کو اس بات کی ترغیب دیا کرتے تھے کہ کبھی کبھی بادشاہ کو خواجہ کی طرف سے بدگمان کرتے ہیں اور جب امیر غازی سے محمد شاہ کے قلب کو خواجہ کاواں کی طرف سے گشتہ کرتے تھے تو غلاموں کا یہ گروہ اس مقصد کو انجام دینے میں پوری کوشش کرتا تھا یہاں تک کہ ان لوگوں نے کندپور پلی میں خواجہ پر ایک بہت بڑا بہتان باندھا اور اس بزرگ صفت امیر کو کنار لحد میں سلا دیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ محمد شاہ بہمنی کے عہد میں دائرۂ سلطنت بہت وسیع ہوا اور خواجہ کاواں نے مصلحت ملک کو مدِ نظر رکھ کر ارادہ کیا کہ سلطان علاؤ الدین حسن بانی سلطنت کے مقرر کردہ ضوابط میں کچھ ترمیم کرے خواجہ کاواں نے بادشاہ کو معقول دلائل سے سمجھایا اور اس کی اجازت سے قدیم آئین سلطنت کے بندوبست میں مندرجۂ ذیل ترمیم کی۔

(۱) ملک پیشتر چار حصوں میں منقسم تھا اب خواجہ نے اس کے آٹھ حصے کئے اور ہر حصہ پر ایک سرلشکر جس کو اصطلاح دکن میں طرفدار کہتے ہیں مقرر کیا برار دو قسموں پر تقسیم کیا گیا اور گاویل پر عماد الملک اور ماہور پر خداوند خاں حبشی افسر مقرر کئے گئے دولت آباد یوسف عادل کے سپرد کیا گیا اور جنیر کی حکومت مع انند اپور کے اکثر پرگنوں کے اور دمان اور ویں کی افسری کے درمیان حصۂ ملک اور بندر کوہ اور نلگوان کی افسری خواجہ کے ایک عزیز قریب فخر الملک کے سپرد کی گئی۔ بیجاپور اور اس نواح کے اکثر ممالک دریائے بھیمرہ کے ساحل تک اور نیز رائچور اور مدگل آصف جم اقتدار خواجہ جہاں کاواں کو عطا کئے گئے۔ حسن آباد گلبرگہ اور ساغر نلدرگ اور شولاپور تک حبشی خواجہ سرا دستور دینار کی ماتحتی میں دے گئے۔ تلنگانہ کا ملک بھی جو اس سے پیشتر تمام و کمال ملک حسن نظام الملک کے قبضہ میں تھا دو حصوں میں منقسم کیا گیا راج بندری نلگنڈہ مچھلی پٹن اور دیورپا اور نیز دیگر مواضع انتظام الملک کو اور ورنگل اعظم خاں ولد سکندر خاں بن جلال خاں کی ماتحتی میں دے گئے اور مذکورۂ بالا آٹھوں اطراف

میں سے بہت سے پرگنے خالصہ میں داخل کر دئے گئے۔

(۲) یہ کہ سلطان علاؤ الدین حسن کے وقت سے یہ دستور تھا کہ جو سر لشکر جس حصۂ ملک کا حاکم ہوتا تھا اس نواح کے تمام قلعے اسی کے زیر حکم ہوتے تھے یہ حاکم جس شخص کو چاہتا تھا اپنی طرف سے قلعہ کا تھانہ دار مقرر کرتا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کندو یا بہرام خاں اور سکندر خاں جیسے طاقتور طرفدار ان قلعوں پر مقرر ہو کر کبھی کبھی مالک سے سرکشی کا ارادہ کرتے تھے۔ خواجہ کاواں نے مصلحت کو مد نظر رکھکر اس قاعدے میں یہ ترمیم کی کہ ایک قلعہ تو طرفدار کے قبضہ میں رہے اور بقیہ حصاروں پر بادشاہ کی طرف سے دیگر امرا اور زمیندار حاکم مقرر کئے اس قاعدہ کی بنا پر دولت آباد۔ جنیر۔ بیجاپور۔ گلبرگہ۔ ماہور۔ کاویل۔ ورنگل۔ راج بندری کے قلعے طرفداروں کے سپرد کئے گئے اور دیگر حصاروں پر بادشاہ کی جانب سے معتمد امیر مقرر کئے گئے۔

(۳) یہ کہ سلطان علاؤ الدین کے زمانہ میں جبکہ تلنگانہ کا ملک قبضہ میں آیا تھا یہ قاعدہ تھا کہ پانصدی امیر کو ایک لاکھ ہون اور ایک ہزاری امرا کو دو لاکھ ہون نقد خزانہ یا جاگیر سے ادا کئے جاتے تھے لیکن جب تلنگانہ پر قبضہ ہو گیا تو یہ طے پایا کہ پانصدی امیروں کو ایک لاکھ پچیس ہزار ہون۔ اور پنج ہزاری امیروں کو دو لاکھ پچاس ہزار ہون ادا کریں۔ جن لوگوں کو جاگیریں دی جاتی ہیں ان کا قاعدہ یہ تھا کہ اگر جاگیر ایک لاکھ ہون سے کم کے محاصل کی ہوتی تھی تو غلام بقیہ رقم خزانہ شاہی سے وصول کرتے تھے۔ اسی طرح اگر امرا مقررہ تعداد سے ایک سپاہی بھی کم رکھتے تھے تو اہل دیوانی وہ رقم بازیافت کر لیتے تھے ان قواعد سے فوج کے انتظام سلطنت و تقرر لشکر اور خلق کے رفاہ میں بہت اچھا اضافہ ہوا۔ اور کاروبار حکومت میں بڑی رونق پیدا ہو گئی۔ خواجہ کے یہ آئین ان امیروں کے خلاف مزاج ہوئے جو خود فرمانروائی کے خواب دیکھ رہے تھے ان امیروں نے خواجہ کی عداوت پر کمر ہمت باندھی۔ خواجہ کاواں ان امرا کے تیور پہچان گیا لیکن ملک اور بادشاہ کی بہی خواہی کے خیال نے اسے ان امیروں کی طرف سے بالکل پریشان نہ ہونے دیا۔

یوسف عادل اور خواجہ کاواں کے درمیان پدر و پسر کے تعلقات تھے اور دونوں امیر ایک دوسرے کے بہی خواہ تھے یوسف عادل اور خواجہ کاواں

ہر کام ایک دوسرے کے مشورے سے کیا کرتے تھے اس وجہ سے خواجہ کے دشمن اس کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچا سکے۔ اسی اثناء میں یوسف عادل نرسنگھ کی مہم پر روانہ کیا گیا اور دکنی اور حبشی امیروں کے ایک گروہ نے جو خود خواجہ کا دست گرفتہ تھا اور محمود گاواں کی مہربانیوں سے بلند عہدوں پر فائز ہو کر اراکین دربار شاہی میں سے ہو گیا تھا۔ جن میں ظریف الملک دکنی اور مفتاح حبشی جو نظام الملک بحری کا اندرونی دوست بن گیا تھا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سازش کی اور باہم یہ مشورہ کیا ہو کہا کہ چونکہ اندنوں یوسف عادل خواجہ کے قریب نہیں ہے اس لئے بہتر ہے کہ ہم سب مل کر محمود گاواں کے تباہ کرنے پر جان و دل سے کوشش کریں۔ اس قرارداد کے موافق ظریف الملک مفتاح حبشی اور دوسرے ہندی درباریوں نے خواجہ کے ایک حبشی غلام سے جو محمود گاواں کا مہر بردار تھا شناسائی پیدا کی اور اس کے خالص بہی خواہ بنکر غلام کو نقدی دولت و جواہرات اور نفیس ساز و سامان اور تازی گھوڑوں کے عطئے اور انعام سے شرمندۂ احسان کیا۔ ایک روز مجلس شراب گرم تھی ظریف الملک اور مفتاح حبشی نے ایک سفید رنگ کا پیچیدہ کاغذ اپنے ہاتھ میں لیکر غلام سے کہا کہ یہ کاغذ ہمارے ایک قدیم اور مخلص دوست کا برات نامہ ہے اور اس پر اکثر اہل دیوان کی مہریں لگ چکی ہیں اس کاغذ پر خواجہ کاواں کی مہر بھی کر دو اور ہم کو اپنا ممنون منت بناؤ۔ غلام نے اپنی نادانی سے بغیر اس کے کہ کاغذ کو کھول کر اسے پڑھے مہر کر دی۔ ظریف الملک اور مفتاح حبشی نے تدبیر کو موافق مراد پایا اور شب کو ملک حسن نظام الملک بحری کے یہاں گئے اور سارا ماجرا بیان کیا ان حیلہ سازوں نے اس کاغذ پر خواجہ کی طرف سے راجہ اوڈیسہ کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ ہم محمد شاہ کی شراب خواری اور اس کے مظالم سے تنگ آ گئے ہیں اور اس سے اس قدر متنفر ہیں کہ تمہاری تھوڑی سی توجہ سے دکن فتح ہو سکتا ہے۔ راج مندری میں کوئی سردار صاحب قوت نہیں ہے جب تم بلا کسی مزاحمت کے سرحد دکن میں چلے آؤ گے تو چونکہ اکثر امراء میرے تابع فرمان ہیں میں بھی ہر طرف علم بغاوت بلند کر دوں گا اور بادشاہ کا قلع قمع کر کے ہم ملک کو برابر تقسیم کر لیں گے۔ ظریف الملک اور مفتاح حبشی نے بادشاہ کے حضور میں اس وقت یہ کاغذ پیش کیا جبکہ نظام الملک بھی دربار شاہی میں حاضر تھا محمد شاہ خواجہ کی مہر کو پہچانتا تھا اس کاغذ کو دیکھکر بیحد پریشان ہو گیا ملک حسن نظام الملک بحری نے وحشت ناک خبروں سے بادشاہ کو سراسیمہ کر کے اسے ایسا قہر و غضب سے مغلوب کیا کہ

بادشاہ بالکل بدحواس ہو گیا اور بغیر اس کے کہ حقیقت واقعی سے پوری واقفیت حاصل کرے اور نامہ بر سے جو خط راجہ اڑیسہ کے نام لئے جاتا تھا استفسار حال کرے خواجہ کاواں کی طلبی کے لئے لوگ روانہ کئے۔ خواجہ محمود کاواں کے مقرب مصاحبین اس کی رائے سے واقف ہو گئے اور خواجہ سے کہا کہ اگر آپ اپنے جانے کو کسی حیلہ اور بہانہ سے بجائے آج کے کل پر ملتوی کر دیں تو بہتر ہے خواجہ نے ایک مصرع جو اندنوں اس کے ورد زبان تھا پڑھا اور کہا کہ میرے بال ہمایوں کی خدمت اور بہی خواہی میں سفید ہوئے ہیں اگر اُسکے فرزند کے ہاتھ سے رنگین ہوں تو سرخروئی کا باعث ہے نوشتۂ تقدیر سے احتراز کرنا اور قضا و قدر سے منہ موڑنا سزاوار نہیں ہے اس دوران میں چند نامی امیروں نے جو خواجہ کے تابع اور اس کے فرماں بردار تھے یہ پیغام دیا کہ ہم جانکاہ اخبار سن رہے ہیں آپ کے خاصے کے ہزار سوار حاضر ہیں بہتر یہ ہے کہ فوراً گجرات کا رخ کیجئے ہم بھی ہمراہ رکاب چلیں گے خواجہ نے جواب دیا کہ میں نے ایک زمانہ دراز تک اس خاندان کی بدولت راحت و آرام سے زندگی بسر کی ہے اور تمام دوران ملازمت میں کوئی قصور مجھ سے سرزد نہیں ہوا ہے مجھے ہرگز امید نہیں ہے کہ محض ایک تہمت کی بنا پر بادشاہ بغیر استفسار حال کے مجھ پر عتاب کرے گا اور اگر وہ مجھے سزا بھی دے تو بھی سیاست نمک حرامی سے بہتر ہے۔ خواجہ نے یہ کہا اور اسی وقت بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ محمد شاہ نے خواجہ سے پوچھا کہ جو شخص اپنے مالک کے ساتھ غداری کرے اس نمکحرام کی سزا کیا ہے خواجہ نے جواب دیا کہ ایسے بدبخت کو تہ تیغ کرنا اولیٰ اور بہتر ہے بادشاہ نے وہی خط خواجہ کو دکھایا محمود کاواں نے کہا کہ یہ عظیم بہتان ہے اور اس کو پڑھکر یہ عرض کیا کہ مہر تو میری ہے لیکن خط میرا نہیں ہے اور اپنی بیگناہی پر قسم شرعی کھائی ہر چند خواجہ نے اس طرح کی باتیں کیں لیکن چونکہ بادشاہ نشۂ شراب میں مست اور قہر و غضب سے مغلوب ہو رہا تھا اور نیز یہ کہ خاندان بہمنی کے زوال کا وقت بھی آچکا تھا اس نے حقیقت حال کے معلوم کرنے پر توجہ نہ کی مجلس سے اٹھا اور جوہر نام حبشی کو خواجہ کے قتل کرنے کا حکم دیا خواجہ نے کہا کہ مجھ ضعیف العمر شخص کا تہ تیغ کرنا بیحد آسان ہے لیکن یہ خون تمہاری بدنامی اور تباہی سلطنت کا باعث ہوگا محمد شاہ نے ایک نہ سنی اور حرم سرا میں داخل ہو گیا۔ جوہر حبشی تلوار کھینچے ہوئے خواجہ کاواں کی طرف بڑھا خواجہ دوزانو ہو کر قبلہ رو بیٹھ گیا اور کلمۂ شہادت پڑھا جب تلوار اس کی گردن پر پڑی تو الحمد للہ علیٰ نعمۃ الشہادۃ

زبان سے ادا کیا اور جاں بحق تسلیم ہوگیا۔ اسی دوران میں سعید گیلانی جو خواجہ کاواں کا ہم قوم اور نامی امیروں میں داخل تھا اتفاق سے دیوانخانے میں آیا چونکہ غلام سیاست میں سرگرم تھے انھوں نے بلا حکم سعید کو بھی قتل کیا خواجہ کاواں اسّی برس کی عمر میں پانچویں صفر ۸۸۶ھ ہجری کو شہید ہوا قتل سے پیشتر خواجہ نے ایک قصیدہ محمد شاہ کی مدح میں نظم کیا تھا۔

صاحب تاریخ محمود شاہی ملا عبد الکریم ہمدانی نے جو خواجہ کے شاگردوں بلکہ مریدوں میں داخل تھا اور ملا سامی نے جو اس کا مداح اور ندیم تھا خواجہ کے قتل کی بے نظیر تاریخیں نظم کیں۔

محمود کاواں کے آثار و عمارات دکن میں بکثرت پائے جاتے ہیں خصوصاً وہ مدرسہ جو خواجہ نے شہادت سے دو سال پیشتر احمد آباد بیدر میں تعمیر کرایا تھا تحریر کتاب کے زمانہ تک جو ۱۰۲۳ھ ہجری ہے اس عمارت اور مسجد اور چار طاق بازار کے نشانات باقی ہیں اور یہ عمارتیں ایسی پاکیزہ اور لطیف ہیں کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ معمار ابھی ان کی تعمیر سے فارغ ہوئے ہیں۔ خواجہ کاواں تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ خصوصاً ریاضی اور طب میں پورا کمال رکھتا تھا اور فن نظم و نثر اور انشا اور حساب میں یگانۂ روزگار تھا بیحد خوشخط تھا چنانچہ رسالۂ روضۃ الانشا اور اس کا دیوان دکن میں اکثر اہل علم کے پاس پائے جاتے ہیں۔ خواجہ کاواں اپنے ہمعصر عراقی اور خراسانی فاضلوں اور ادیبوں کے لئے نامے اور خطوط روانہ کیا کرتا تھا چنانچہ یہ مراسلات خواجہ کی کتاب انشا میں موجود ہیں مولانا عبد الرحمن جامی نے ایک قصیدہ خواجہ کی مدح میں نظم کیا اور ایک قطعہ میں خواجہ کاواں سے صلہ کی خواہش ظاہر کی۔ ملا عبد الکریم ہمدانی نے ایک کتاب میں خواجہ کے ابتدائے ولادت سے لیکر آخر عمر تک کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ خاکسار مورخ فرشتہ اسی کتاب سے ان حالات کا خلاصہ جو تاریخی حیثیت سے کارآمد ہیں درج کرتا ہے۔

خواجہ کاواں کے آباؤ اجداد قدیم زمانہ میں شاہان گیلان کے وزیر اور ہمیشہ معزز اور مکرم رہے اس کے اسلاف میں ایک اقبال مند بزرگ فرمانروا کے مرتبہ پر پہنچکر صاحب خطبہ بھی ہوا ہے حاجی محمد قندھاری کی روایت کے مطابق اس خاندان نے عرصہ تک جہانبانی کی اور شاہ طہماسپ صفوی کے عہد میں ان کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اس نامور خاندان شاہی کے فرزند

خواجہ عماد الدین محمود پیدا ہوئے خواجہ نے کسب علوم اور تحصیل کمالات سے فراغت حاصل کی لیکن قرب وجوار کے بادشاہوں اور امرا کے رشک وحسد سے آبائی وطن کو خیرباد کیا اور اپنی والدہ کے ہمراہ جو خاندان مشائخ سے تھیں جلا وطن ہوئے۔ ہر چند عراق اور خراسان کے فرمانرواؤں نے ان کے لئے وزارت کا عہدہ تجویز کیا لیکن اس بزرگ نے اپنی عالی ہمتی کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا اور تجارت کا پیشہ اختیار کر کے سارے عالم کی سیر کی۔ اس سیاحت کے زمانہ میں علماء اور اہل باطن کی مجالس میں حاضر ہوا۔ اور ان کے فیض نظر سے صاحب کرامات ہو گیا۔ جب خواجہ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو دکن کے بزرگوں سے ملنے اور ان سے فیضیاب ہونے کے لئے تجارت کے قصد سے براہ دریا بندر دابل میں آیا اور شاہ محب اللہ اور دوسرے بزرگوں کی زیارت کا قصد کر کے تجارت کے بہانہ سے احمد آباد بیدر پہنچا۔ اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کر کے دہلی کے مشائخ اور بزرگوں کی زیارت کے قصد سے بیدر سے روانگی کا قصد کیا سلطان علاء الدین بہمنی نے اسے روکا اور بڑے اصرار کے ساتھ خواجہ کاواں کو بیدر میں رکھا۔ خواجہ کاواں بہمنی امرا کے گروہ میں داخل ہو کر وزیر اور جمعیۃ الملک ہوا اور شائستہ خدمتوں کے بجا لانے سے بیحد معزز ومکرم ہو گیا سلطان محمد شاہ نے اس کے منصب اور مرتبہ میں اور اضافہ کیا اور خواجہ جہاں کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ دو ہزار سوار مغل ہر قسم کے خواجہ کے خاصہ کے ملازم تھے اور دو ہزار سوار حکومت کی طرف سے اس کے تابع تھے خواجہ محمود قریہ قاداں میں پیدا ہوا۔ اور یہ گاؤں شہر گیلان کے مضافات میں ہے لیکن خواجہ محمود ساری دنیا میں بجائے قاداں کے کاواں کی نسبت سے مشہور ہے نقل ہے کہ ایک روز خواجہ محمود قلعہ ارک احمد آباد بیدر کے ایک قصر پر سلطان محمد شاہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ قصر کے نیچے ایک گائے نے آواز دی حاضرین مجلس نے خواجہ سے پوچھا کہ یہ جانور کیا کہتا ہے خواجہ نے کہا کہ اس کی فریاد کا مخاطب میں ہوں یہ گائے کہتی ہے کہ تو ہماری جنس میں داخل ہے تو بادشاہ کی مجلس میں بیٹھا کیا کر رہا ہے۔ سلطان محمد شاہ بہت ہنسا اور بیحد خوش ہوا۔ اور خواجہ کے اس جواب سے مطلقاً آزردہ نہ ہوا بلکہ خواجہ کی اس قدر تعریف کی اور اتنا خدا کا شکر ادا کیا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔ سلطان نے اس مجلس میں کہا کہ مجھے شاہان بہمنیہ پر یہ شرف حاصل ہے کہ خواجہ کا ایسا دانشمند روزگار میرا ملازم ہے

اور میرے اسلاف اس فخر سے محروم تھے۔ اسی دوران میں سلطان حسین مرزا فرمانروائے ہرات نے بطور قاصد مولانا سید کاظم کو قندھار اور لاہور کے راہ سے خواجہ کے پاس بھیجا اور شاہانہ نوازشوں کے وعدوں سے خواجہ کاواں کو اپنی بارگاہ میں بلایا۔ خواجہ کاواں اگرچہ یہ جانتا تھا کہ اس سفارت کا کچھ نتیجہ نہ نکلے گا لیکن تاہم اس نے مرزا کاظم کے سبب رو دے بادشاہ کو اطلاع دی۔ محمد شاہ نے خواجہ کو ایران واپس جانے کی اجازت نہ دی خواجہ نے مجبور ہو کر بادشاہ ہرات کے نام ایک معروضہ لکھا اور اپنے نہ آنے کی معذرت چاہی اور مرزا کاظم بیش قیمت تحفوں اور گراں بہا اور کثیر التعداد ہدیوں کے ہمراہ بادشاہ خراسان کی بارگاہ میں واپس آیا۔ سید کاظم ہندوستان سے براہ دریا فارس روانہ ہوا۔ اور شیراز میں تھوڑے دنوں قیام پذیر ہوا اور اسی اثنا میں وفات پائی اور خواجہ کے مرسولہ تحفے بادشاہ تک نہ پہنچ سکے میرزا کاظم کا منظومہ شہر آشوب مشہور زمانہ ہے۔ جب خواجہ عماد الدین خواجہ جہاں کے خطاب سے سرفراز ہوا تو اس نے مکرر بادشاہ سے کہا کہ خاندان بہمنی میں یہ خطاب کسی نمکخوار کو مبارک نہیں آتا سب سے پہلے خواجہ مظفر علی استرآبادی سلطان علاء الدین بن سلطان احمد شاہ کے عہد حکومت میں اس خطاب سے سرفراز ہوا۔ لیکن ابھی زیادہ مشہور بھی نہ ہوا تھا کہ محمد خاں کی تلوار کی ضرب سے راہی عدم ہوا اس کے علاوہ خواجہ جہاں ترک کا جو حال ہوا وہ بھی سب کو معلوم ہے مجھے خبر نہیں کہ میرا حشر کیا ہوگا۔

خواجہ کاواں پاک دین اور راسخ العقیدہ مسلمان تھا حضرت شیخین رضی اللہ عنہما کو بیحد تعظیم و تکریم کے ساتھ یاد کرتا تھا اور اپنے مالک کا سچا بہی خواہ تھا۔ خواجہ کی داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ دنیا کا کوئی قریہ اور شہر ایسا نہ ہوگا جہاں کے مشائخ اور اہل اللہ اس کے انعام و وظائف سے فیضیاب نہ ہوئے ہوں خواجہ ہر شخص سے بیحد اخلاق اور خندہ پیشانی سے ملتا تھا۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمد شاہ خواجہ کے قتل کے بعد حرم سرا سے باہر نکلا اور حکم دیا کہ عام منادی کرادی جائے کہ جو شخص چاہے خواجہ کے مال و اسباب میں سے سوا خزانہ اسپ خاصہ اور فیل خاصہ کے جو چیز چاہے لوٹ لے خواجہ کے غیر ملکی ملازم خوفناک خبر سننے کے منتظر تھے انھوں نے جو یہ ہجوم عوام کا دیکھا فوراً باد پا گھوڑوں پر سوار ہوئے اور جلد سے جلد یوسف عادل کے پاس پہنچ گئے اور اس طرح اپنے کو حوادث زمانہ کے

ظلم سے نجات دی خواجہ کے ماتحت امیر باوجود اس کے کہ بادشاہ کے ملازم تھے خیمہ اور خرگاہ
سے باہر نکلے اور فوج آراستہ کی لیکن اس درمیان میں ان لوگوں کو خبر پہنچی کہ ان امیروں کا
خواجہ کاواں سے اتحاد اور ان کا اسے گجرات راہی ہونے کا مشورہ دینا یہ تمام باتیں
بادشاہ کو معلوم ہو گئی ہیں اور محمد شاہ کا منشا ہے کہ ان امیروں کو بھی تلوار کے گھاٹ
اتارے۔ یہ امرا ان خبروں کو سن کر بیحد پریشان ہوئے اور خوف زدہ ہوئے اور
اکثر تو یوسف عادل کے پاس چلے گئے اور باقی ماندہ اِدھر اُدھر آوارہ وطن ہو گئے۔
غارتگروں نے ایک لمحہ میں خواجہ کی بارگاہ کو لوٹ لیا اور مال و اسباب کا
نام و نشان تک باقی نہ رکھا۔

سلطان محمد شاہ نے خواجہ کاواں کے زر و جواہر کی بیحد تعریف سنی تھی
بادشاہ نے خواجہ کاواں کے خزانچی نظام الدین حسن گیلانی کو جس نے خواجہ کی خدمت
میں ساری زندگی بسر کی تھی طلب کیا۔ اور کہا کہ تمام نقد اور جواہر ابھی حاضر کر۔ خزانچی
بیچارہ حیران ہوا۔ اور اس نے کہا کہ اگر جان کی اماں حاصل ہو تو صحیح واقعہ عرض کروں۔
محمد شاہ کچھ اور ہی سمجھا اور اس نے خزانچی کو بالکل مطمئن کر دیا اور قسم کھائی کہ اگر کوئی چیز
تو پوشیدہ نہ رکھے گا تو میں تجھے شاہانہ نوازشوں سے مالا مال کر دوں گا خزانچی نے کہا کہ
جو روپیہ اس کی جاگیر سے آتا تھا اس میں سے گھوڑوں اور ہاتھیوں کا ایک ماہ کا خرچ
علیحدہ کر کے رقم خزانہ شاہی میں داخل کر دیتا تھا اور بقیہ رقم خدا کی راہ میں صرف ہوتی تھی
اس رقم میں سے ایک حبہ بھی اپنے خرچ خاصہ میں نہیں لاتا تھا۔ علاوہ اس کے مبلغ چالیس ہزار
لاری جو تجارت کے لئے ایران سے ہندوستان لایا تھا اس روپیہ سے ہر سال دکن کی
چیزیں خرید کر کے اپنے معتمد امیروں کے ہمراہ اطراف وجوانب کے بندرگاہوں میں روانہ
کرتا تھا جو رقم کہ اس خرید و فروخت سے حاصل ہوتی تھی اس کو علیحدہ کر لیتا تھا اور منافع میں
سے بارہ لاری روزانہ اپنے لئے جدا کر کے اس میں اپنے کھانے اور لباس کا انتظام کرتا تھا
اس میں سے نصف رقم خزانۂ درویشان میں جمع ہوتی تھی اور بقیہ روپیہ اسکی ماں عزیزوں
اور تمام دنیا کے ان گوشہ نشینوں کی کفالت میں صرف ہوتا تھا جن سے تجارت کے ذریعہ سے
شناسائی ہوتی تھی۔ بادشاہ اس بیان سے بیحد متعجب ہوا۔ دشمنوں نے موقع پاکر اس سے
کہا کہ خواجہ بہت عقلمند تھا جانتا تھا کہ تجارت کی رقم سے اس کا خرچ چل جائیگا اس لئے

بقیہ خزانہ احمد آباد بیدر میں حفاظت سے رکھا ہوگا۔ خزانچی نے جواب دیا کہ بیدر میں بھی جو رقم موجود رہتی تھی وہ بھی انھیں دو نودات کا پس انداز تھی اگر وہاں ایک لاری بھی برآمد ہو تو بادشاہ میرے جسم کو سو ٹکڑے کر ڈالے۔ بادشاہ نے خواجہ کے تمام ملازمین کو اپنے پاس بلایا اور ان سے حقیقت واقعہ دریافت کی اور سب نے اسی طرح کا جواب دیا بادشاہ سمجھ گیا کہ کام ہاتھ سے جاتا رہا اور دشمن اپنے مکر میں کامیاب ہو گئے بادشاہ ہر روز خواجہ کو ہزاروں مرتبہ یاد کرتا تھا اور اس کے قتل پر افسوس کرتا تھا اور اپنے غم اور غصے کو شغل بادہ نوشی سے کم کرنے کی کوشش کرتا تھا بظاہر بادشاہ شراب و ساقی کی مجلس میں دن رات عیش و عشرت میں مشغول رہتا تھا لیکن باطن میں غم و اندوہ اس کے قلب و دماغ کو ہر ساعت کمزور کرتے جاتے تھے۔ محمد شاہ نے شاہزادہ محمود خاں کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور ملک حسن نظام الملک بحری کو وکیل شاہی کا عہدہ عنایت فرما کر ایک محضر اس بارے میں تیار کیا اور شہر کے اکابر علما اور قاضیوں کی دستخطوں سے محضر کو مزین کیا اس زمانہ میں بادشاہ بارہا یہ کہا کرتا تھا کہ اس خاندان کے زوال کے آثار نمایاں ہو چکے اس لئے کہ جب امرائے لشکر میرے ایسے فاتح ملک اور تجربہ کار فرمانروا کی اطاعت نہیں کر سکے تو میرے بعد ایک نو عمر بادشاہ کے احکام کی تعمیل کیونکر کریں گے۔ محمد شاہ پر بیحد ضعف طاری ہوا اور اس نے احمد آباد بیدر کی راہ لی بادشاہ پر کمزوری کا غلبہ تھا کہ اس نے شراب عرقی جو ہندوستان میں تیار ہوتی ہے نوش کی اور خواتین محل کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔ اور اس کے بعد سو گیا۔ عیش و نشاط کی حرکت اور شراب کی حرارت قلب کی طرف متوجہ ہوی اور بادشاہ پریشان اور بدحواس خواب سے بیدار ہوا۔ شرف جہاں طبیب نے عرق بید مشک اور آب سرد سے علاج کیا بادشاہ کو قدرے سکون ہوا اور طبیب رخصت ہو کر اپنے مکان گیا۔ محمد شاہ نے اس غلط اور مشہور مقولے پر کہ شراب زدہ کا علاج شراب ہی سے ممکن ہے عمل کیا۔ اور اپنے مقرب ہم نشینوں کی رائے پر کاربند ہو کر چند جام شراب اور نوش کئے اس مرتبہ نشے نے قضا کا کام کیا اور بادشاہ بے ہوش ہو کر تڑپنے لگا اور اس پر نزع کا عالم طاری ہو گیا محمد شاہ کو جب ہوش آیا تو یہی کہتا تھا کہ خواجہ کا ضمیر بزرگ مجھے قتل کر رہا ہے یہاں تک کہ اسی حال میں یکم صفر ۸۸۷ھ کو وفات پائی اس بادشاہ نے بیس سال حکمرانی کی۔

سلطان محمود شاہ بہمنی کا جلوس اور اس کے عہد کے تباہ کن واقعات، کا ذکر۔

مورخین لکھتے ہیں کہ محمود شاہ بہمنی نے بارہ برس کے سن میں تخت سلطنت پر جلوس کیا اور تمام درباری امیروں یعنی ملک حسن نظام الملک بحری۔ قوام الملک کبیر۔ قوام الملک صغیر اور قاسم برید ترک نے جو جلوس کے وقت دارالخلافت میں موجود تھے بادشاہ سے بیعت کی۔

بادشاہ کا جلوس اس طریقہ پر واقع ہوا کہ تخت بہمنیہ جس کا نام تخت فیروزہ تھا اور جس کا مثل اس زمانہ تک بہت کم پایا جاتا تھا قصر میں بچھایا گیا اور تخت کے دونوں طرف چاندی کی دو کرسیاں رکھی گئیں اس کے بعد شاہ محب اللہ اور سید حبیب نے جو اپنے وقت کے فاضل اور مقتدائے زمانہ تھے فاتحہ پڑھکر بہمنی تاج سلطان محمود کے سر پر رکھا اور اسکے بعد ان دونوں بزرگوں نے داہنا اور بایاں ہاتھ بادشاہ کا پکڑ کر اسے تخت پر بٹھایا اور خود جانبین کی دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ شاہ محب اللہ بادشاہ کے دائیں جانب بیٹھے اور سید حبیب نے جانب چپ اپنی نشست قرار دی اس کارروائی کے بعد نظام الملک قوام الملک کبیر اور صغیر و قاسم برید نے بادشاہ کے سامنے حاضر ہو کر جلوس کی مبارکباد دی اور اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے یہ تقریب ختم ہوی اور جتنے امیر سلحدار اور شاہزادے شہر میں موجود تھے انھیں دربار میں باریابی کا حکم دیا گیا۔ اس مجلس میں بعضوں نے کہا کہ اس وقت یوسف عادل خاں سوائی دریا خاں ملو خاں اور فخر الملک سے نامی امیر اس دربار میں حاضر نہیں ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ان ارکین دولت کی عدم موجودگی میں تخت نشینی کا جلسہ کیوں کر ترتیب دیا گیا۔ ملک حسن نظام الملک بحری نے کہا کہ مہمات سلطنت کو بیکار چھوڑنا مصلحت کے خلاف ہے جس وقت یہ امیر کوکن کی مہم سے واپس آجائیں گے اس وقت پھر جلوس کا جشن منعقد ہوگا اور منصب اور خطاب آپس میں تقسیم کر لئے جائیں گے۔ ملا عبدالکریم ہمدانی جو خود اس جلسہ میں شریک تھا لکھتا ہے کہ معاملہ فہم لوگ عین جلوس کے دن اس قسم کی گفتگو شگون بد سمجھے چنانچہ وہی ہوا جیسا کہ ان لوگوں نے سمجھا اس لئے کہ اگرچہ محمود شاہ کا زمانہ حکومت بہت طویل ہوا لیکن سارا عہد لڑائیوں فساد اور آپس کی مخالفتوں میں گزرا جس کی تفصیل یہ ہے کہ محمد شاہ بہمنی نے کمسنی کے زمانہ میں تخت حکومت پر قدم رکھا اور ہر درباری امیر خود مختاری اور فرمانروائی کے خواب دیکھنے لگا لیکن مخدومہ جہاں اور ملک التجار محمود گاواں المخاطب بہ خواجہ جہاں کی حسن تدبیر اور خوبی انتظام سے ان امیروں کی آرزو پوری نہ ہوی اور یہ کانٹا ان کے دلوں میں کھٹکتا ہی رہا سلطان محمود شاہ

سن تمیز کو پہنچا اور اپنی ماں اور خواجہ جہاں کی تربیت سے اسے مہمات سلطنت کے انجام دینے میں پوری مہارت ہوگئی اور بادشاہ نے ان غدار امیروں کے گروہ کو ایک ایک کر کے تباہ اور برباد کیا اور اپنے غلاموں کی تربیت شروع کی۔ بادشاہ نے دو ہزار گرجی چرکسی اور قلماق غلام خریدے اور دو ہزار اور دوسرے حبشی اور ہندی غلام بہم پہنچائے۔ بادشاہ نے ترکی غلاموں میں نظام الملک کو جو کہترلہ میں تھا اپنی انتہائی نوازش سے سرفراز کیا اور حبشیوں میں دستور دینار اور ہندیوں میں ملک حسن کو خاص تقرب سے سرفراز کیا اس کو خاک سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا۔ ملک حسن نظام الملک بحری محمد شاہ کو بچپن کے زمانہ میں اپنے کاندھے پر لئے پھرتا تھا اور بادشاہ کا کوکہ تھا اس لئے اس کی عظمت اور شوکت بہت زیادہ بڑھی اور بڑے نامی امیروں میں داخل ہو کر اس کی شوکت اور اس کا استقلال اس حد کو پہنچ گیا کہ بادشاہ نے اپنا بحری خاصہ جو منتخب شکاری جانوروں کا تھا اور جس کے لئے ایک ہزاری منصب اور نقارہ و علم کی عزت دی گئی تھی نظام الملک کے سپرد کر دیا اور نظام الملک اس طرح بحری کے لقب سے مشہور و معروف ہو کر حسن نظام الملک بحری کے معزز نام سے مشہور ہوا حسن نظام الملک خود فرمانروائی کے امیدواروں میں تھا اس نے ہندی غلاموں کا ایک بہت بڑا گروہ تیار کیا اور اپنے دست گرفتہ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دے کر انھیں معزز اور مکرم بنایا۔ حسن نے اپنے غلاموں میں سے بعض کو امیروں اور بعض کو منصبداروں کے گروہ میں داخل کیا۔ نظام الملک کی یہ تدبیر اس قدر سر سبز ہوئی کہ جس زمانہ میں سلطان محمود شاہ نے اسے تلنگانہ کا طرفدار مقرر کیا تو اس وقت سوا ہندی غلاموں کے اس نواح میں کوئی دوسرا جاگیردار نہ تھا۔ خواجہ جہاں کو نظام الملک بحری کے حرکات اور اس کی تدبیروں سے اس کے باغیانہ منصوبوں اور ارادوں سے اطلاع ہو چکی تھی خواجہ اس امیر کی طرف سے بیحد ہوشیار رہتا تھا۔ اسی طرح یوسف عادل خاں سوائی کو بھی جس نے کسی نہ کسی طرح اپنے کو ترکی غلاموں کے گروہ میں داخل کر لیا تھا قلعہ کہترلہ کی فتح کے بعد صاحب منصب و جاگیر کیا اس کے علاوہ اور بہت سے ترکی غلام یعنے قوام الملک کبیر۔ قوام الملک صغیر فرہاد الملک کوتوال دریا خاں تفرش خاں کو بھی امیروں کے گروہ میں داخل کر کے ہر ایک کو صاحب جاہ و منصب مقرر کیا۔ یوسف عادل کے علاوہ دستور دینار حبشی بھی دست گرفتہ ہو کر صاحب اعتبار ہوا۔ نظام الملک نے اپنے برادران قومی کی تربیت میں پوری کوشش کی اور اس نے سعید خاں گیلانی۔ زین الدین علی

اور دوسرے مغل امیروں کو دولت و عزت کی مسند پر بٹھایا اور اپنے غلام کشور خاں کو نامی امیروں کے گروہ میں داخل کیا اور اسے صاحب شوکت و حشمت بنایا۔ اس طرح گویا چار فرقے پیدا ہو گئے۔ مغل۔ ترک۔ حبشی اور دکھنی۔ ان چاروں فرقوں میں حبشی غلام باوجودیکہ خواجہ جہاں کے بڑھائے ہوئے اور اس کے پرورش یافتہ تھے لیکن یہ گروہ دکینوں سے مل گیا اور حسن نظام الملک کا کلمہ پڑھنے لگا۔ ترکی غلام البتہ خواجہ جہاں کے مطیع اور اس کے سچے فرمانبردار رہے۔ خواجہ جہاں کا دلی منشا یہ تھا کہ ترکیوں کا گروہ ہمیشہ دکینوں پر غالب رہے خواجہ نے یوسف عادل خاں سوائی کو دولت آباد کا طرفدار مقرر کر کے اسے گجرات اور منڈو کے فرمانرواؤں کے مقابلہ میں بھیجا۔ محمود گاواں نے مناسب تدبیریں اختیار کیں اور تمام ترکی امیروں کو یوسف عادل کے حوالہ کر کے اس کی جگہ شاہی دربار میں حسن نظام الملک سے بالا اور برتر قرار دی۔ ملک حسن نظام الملک ان واقعات کی وجہ سے اپنے دل میں بیحد رنجیدہ ہوا اور ہمیشہ اپنے مخالف گروہوں کی طرف سے بادشاہ کے کان بھرتا رہا۔ ملک حسن کی غمازی کا بادشاہ کے دل پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا اور خواجہ جہاں اور یوسف عادل کی عزت اور وقعت روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ لیکن جب تباہی کا وقت آ گیا اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ملک حسن نظام الملک نے اپنے ارادوں میں کامیاب ہو کر خواجہ جہاں کو مکر و دغا سے شہید کیا اور یوسف عادل نے اپنے نصیبے کی بلندی کی وجہ سے حسن نظام الملک جیسے قوی دشمن سے نجات پا کر بیجاپور میں فرمانروائی کا ڈنکا بجایا اور محمود شاہی دربار میں جو اس کو عزت حاصل تھی اس سے بمراتب زیادہ معزز اور مکرم ہوا۔ سلطان محمود شاہ نے وفات پائی یوسف عادل اور تمام دکھنی مغل اور ترک امیروں نے جو کوکن کی یورش میں اس کے ساتھ تھے اتفاق اور اتحاد کر کے بڑے تجمل و شان سے جلوس کی مبارکباد دینے کے لئے پائے تخت کو روانہ ہوئے یہ امیر بیرون شہر میں فروکش ہوئے۔ اور یوسف عادل خاں دریا خاں۔ فخر الملک۔ تغرش خاں۔ ملو خاں ولد قاسم بیگ صف شکن اژدر خاں اور غضنفر خاں ایک ہزار منتخب اور آزمودہ کار مغل اور ترکی جوانوں کے ساتھ بادشاہ کی ملازمت حاصل کرنے کے لئے شہر میں وارد ہوئے۔ یہ لوگ ارک کے قلعہ میں پہنچے اور باوجود اس کے کہ اجازت نہ تھی کہ امرا اپنے نوکروں کو بھی قلعہ کے اندر لے جائیں ملک حسن نظام الملک کے فتنہ کے خیال سے دو سو مسلح جوان بھی دار الامارۃ میں داخل ہوئے۔ ملک حسن نے

اس امر میں سابقہ دستی کی تھی اور امیروں منصبداروں اور خاصہ خیل کے تقریباً پانچ سو جوان ہتھیار بند یوسف عادل کے دفعیہ کے لئے قلعہ میں مہیا کر لئے تھے۔ یوسف عادل کو ان واقعات کی اطلاع ہوی لیکن اس نے اپنی واپسی خلاف مصلحت سمجھی اور خدا پر بھروسہ کرکے اپنے شمشیر بکف جوانوں کو ساتھ لے کر تختگاہ کے قصر میں اوپر گیا ملک حسن نظام الملک اور امیر قاسم برید نے مجبوراً ان امیروں کی پیشوائی کی اور ان کو بادشاہ کے حضور پیش کیا یوسف عادل نے معانقہ کیا۔ عرض کرنے کے بعد حسب عادت نظام الملک سے بلند مقام پر قیام کیا اور دریا خاں ملک نظام الملک سے فروتر ایک جگہ پر کھڑا ہوگیا اور اس طرح نظام الملک اور اس کے فرزند ملک احمد کے درمیان فاصلہ ہوگیا کہ اگر نظام الملک کے یار و مددگار حریف کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کریں تو سب سے پہلے ملک حسن اور اس کے فرزند کا قدم درمیان سے اٹھائیں اور اس کے بعد دشمن پر حملہ آور ہوں ملک احمد اس واقعہ سے آزردہ ہوا اور اس نے چاہا کہ دریا خاں کو اپنے اور حریفوں کے درمیان سے ہٹا رے ملک حسن بیٹے کے ارادہ سے واقف ہوگیا اور اس نے منع کیا اور فساد کو دفع کرنے کی غرض سے بادشاہ سے عرض کیا اور یہ لوگ اپنے اپنے مرتبہ کے موافق خلعت سے سرفراز کئے جانے کے بعد رخصت کئے گئے۔ یوسف عادل ملک حسن کی طرف سے مطمئن نہ تھا عادل خاں نے حریف کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور حرف و حکایات کے بہانہ سے اسے اپنے ہمراہ قلعہ کے باہر تک لے آیا۔ یوسف عادل اپنے لشکر تک پہنچ گیا اور ملک حسن سے دوستی اور اتحاد کا اظہار کرکے بیحد تواضع اور انکسار کے ساتھ اس سے رخصت ہوا اور اپنے ایک ہزار آزمودہ کار ہمراہیوں کے ساتھ اپنی قیام گاہ میں بیرون شہر مقیم ہوا یوسف عادل نے دریا خاں کو حکم دیا کہ بیحد احتیاط کے ساتھ شہر کے باہر قیام کرے۔ دوسرے دن ملک حسن نظام الملک قوام الملک کبیر و صغیر کے ہمراہ یوسف عادل کے قیام گاہ پر آیا حسن نظام الملک نے یوسف عادل سے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ تم اور تمھارے ترکی افسر بھی ہماری طرح اندرون بلدہ قیام کریں تاکہ ہم سب ساتھ ملکر ہر روز صبح کو دربار میں حاضر ہوا کریں جس کی وجہ سے نظم و نسق میں پھر از سر نو رونق پیدا ہو اس اتحاد سے فائدہ یہ ہوگا کہ ہم ہمیشہ دوست کے بہی خواہ اور دشمن کے سرکوب رہیں گے یوسف عادل نے جواب دیا کہ اتحاد اور یگانگی کے بارے میں جو کچھ تم نے کہا

وہ عین میرا ہی مدعا ہے لیکن دربار میں میرا بھی تمہاری طرح روزانہ حاضر ہونا مناسب نہیں ہے
ہم سپاہی ہیں ہم ایسے لوگوں کو مہمات ملکی اور مالی سے واقفیت نہیں ہے ہم کو چاہیے کہ
بادشاہ مرحوم کی وصیت کے موافق اپنے اپنے مراتب کے موافق کاربند رہیں دوسرے
یہ کہ ان ترکی امیروں کا بھی شہر میں قیام کرنا مناسب نہیں ہے یہ ایک جاہل قوم کے افراد ہیں
ایسا نہ ہو کہ ان میں اور دکنیوں اور حبشیوں میں کل کوچہ و بازار میں کوئی ایسی گفتگو ہو جو
فتنہ و فساد کی باعث ہو جائے۔ غرضکہ اسی مجلس میں یہ طے پایا کہ نظام الملک بحری بدستور
سابق وکیل سلطنت کے عہدہ کا کام کرے اور وزارت کل قوام الملک کبیر سر لشکر ورنگل
اور اشراف قوام الملک صغیر سر لشکر راجمندری اور نظارت دلاور خاں حبشی کو جو امرائے کبار
میں تھا سپرد کیجائے۔ اسی طرح دوسرے مناصب اور خدمتیں بھی اس کے مشورہ سے
لوگوں میں تقسیم کردی گئیں اور سب ملکر دولت خانۂ شاہی میں حاضر ہوئے اور سلطان محمد شاہ
کے حضور میں ان تمام عہدہ داروں کو خلعت فاخرہ پہنائے گئے اس واقعہ کے بعد یوسف عادل
اپنے مکان کو واپس آیا اور پھر اس نے کبھی مہمات بادشاہی میں کوئی دخل نہیں دیا۔
دو تین مہینے تک تو مغل دکنی حبشی اور ترک تمام امیر و سپاہی شیر و شکر رہے اور ایک دوسرے
کے ساتھ ہمدردی اور اتحاد کا سلوک کرتے رہے لیکن حسن نظام الملک بحری اور قوام الملک کبیر نے
نقض عہد کیا اور اس فکر میں ہوئے کہ یوسف عادل کا قدم درمیان سے اٹھا دیں۔ ان
امیروں نے خیال کیا کہ عادل خاں دکنی کو جو خاندان بہمنیہ کے نامی امیروں میں اور قوام الملک
کی طرف سے ورنگل میں مقیم تھا یوسف عادل کی جگہ مقرر کریں اس قرارداد کی بنا پر
عادل خاں دکنی اور فتح اللہ عماد الملک کے نام طلب کے فرامین روانہ کئے گئے کہ اپنے اپنے
لشکر اور اس نواح کے امیروں کو اپنے ہمراہ لیکر بادشاہ کے جلوس کی مبارکباد دینے کے لئے
حاضر ہوں۔ عادل خاں دکنی اور فتح اللہ عمادی حسب الطلب پائے تخت پہنچ گئے اور
دونوں امیر اپنے آراستہ لشکر کے ساتھ بیرون شہر قیام پذیر ہوئے یہ دونوں تنہا شہر میں
گئے اور مبارکباد دینے کے بعد خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوئے اور خوش و خرم اپنے قیام گاہ
کو واپس آئے۔ غرضکہ دو تین ہفتے اسی طرح گزرے ملک حسن نظام الملک نے عنان حکومت
اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور قوام الملک کبیر کو سادہ لوح اور غافل سمجھتا تھا ملک حسن نے قوام الملک
سے کہا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ ہم اور تم دونوں متفق ہو کر دکنی امیروں کو آج بلائیں یوسف عادل کا قدم

درمیان سے اٹھا دیں اور ہم لوگ یوسف عادل کے دغدغہ سے ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو جائیں اور پھر اس کے بعد یوسف عادل کے دوسرے بہی خواہ امیروں کو ان کے تھانوں پر جانے کی رخصت دے دیں اس میں ممکن ہے کہ یہ واقعہ پیش آئے کہ فتح اللہ عماد الملک اور دوسرے دکنی امیر جو ترکی امیروں سے متوہم ہیں ان کی وجہ سے دربار میں نہ آسکیں اگر یہ مناسب ہو تو ترکی امیروں کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ لوگ اس روز اپنے اپنے گھروں میں مقیم رہیں قوام الملک کبیر نے اس بات کو منظور کر لیا۔ اسی قرارداد کے موافق ملک حسن نظام الملک نے بادشاہ کو دوسرے دن قلعۂ ارک کے ایک برج پر بٹھایا اور یوسف عادل اور فتح اللہ عماد الملک کو یہ پیغام دیا کہ اپنے اپنے لشکروں کو آراستہ کر کے فوج کو شاہی ملاحظہ میں پیش کریں اور خلعت سے سرفراز ہو کر اپنے اپنے صوبوں کو واپس جانے کی اجازت حاصل کریں فرہاد الملک کوتوال اس خبر سے واقف ہو گیا اور اس نے قوام الملک کبیر کو یہ پیغام دیا کہ ملک حسن نظام الملک تم سے اور تمام ترکی امیروں سے برسر عناد ہے اور اس نے یوسف عادل کے دفعیہ کا محض بہانہ کیا ہے اس روز ترکی امیروں کا اپنے گھروں میں بیٹھنا عقل و فراست سے دور ہے قوام الملک کبیر یوسف عادل کا بڑا سخت دشمن تھا اس نے ملک حسن نظام الملک کی دوستی پر بھروسہ کر لیا۔ چونکہ اس امیر کا وقت آگیا تھا اس لئے کوتوال کی بات نہ سنی۔ عادل خاں دکنی اس واقعہ سے باخبر تھا وہ اپنے تلمنگانہ کے لشکر کو آراستہ اور مسلح کر کے ملک حسن نظام الملک کے اشارہ سے شہر میں آگیا اور اس طرح فتح اللہ عمادی بھی کادیل کی فوج کو ساتھ لیکر داخل ہوا اور بادشاہ کے سلام سے سرفراز ہوا سلطان محمود شاہ بہمنی حریفوں کے ہاتھ کا کھلونا تھا ملک حسن کے کہنے کے موافق اس نے دونوں سرداروں کو بالائے برج طلب کیا اور کہا کہ ترکی امیروں نے دائرۂ اطاعت سے قدم باہر نکالا ہے اور بیحد شورش کر رہے ہیں چاہئے کہ ان کی مناسب تنبیہہ کیجائے۔ فتح اللہ عماد الملک اور یوسف عادل میں دوستی اور اتحاد تھا ملک حسن نے فتح اللہ کو اسی مجلس میں بٹھا رکھا۔ عادل خاں دکنی شرکت خطاب کی وجہ سے یوسف عادل کا جانی دشمن تھا یہ امیر لشکر کے ساتھ ترکی امیروں کے قتل کرنے پر مامور کیا گیا۔ عادل دکنی نے سب سے پہلے قوام الملک کبیر کو تلوار کے گھاٹ اتارا فرہاد الملک کوتوال کو نظر بند کر کے حصار کے دروازے بند کئے اور ترکوں کو تہ تیغ کرنے میں مشغول ہوا۔ ترکی امیر اس ناگہانی واقعہ سے بالکل بے خبر تھے تغرش خاں۔ قوام خاں اور دوسرے ترکی امیروں نے جو یوسف عادل کے طفیل میں شہر کے

اندر تھے اس واقعہ کو سنا اور جنگ کناں مردانہ وار دروازۂ شہر کی طرف متوجہ ہوئے ان امیروں نے
دروازہ کو تیغ و تبر سے توڑا۔ دریا خاں نے شہر میں شور و فساد کا غل سنا بیس یا دس ہزار سواروں
کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا اور بیس روز کامل فریقین میں لڑائی کا بازار گرم رہا۔ اس درمیان
میں کئی مرتبہ یوسف عادل اور ملک احمد فرزند نظام الملک بحری میں سخت معرکہ آرائیاں ہوئیں
اور طرفین سے تین یا چار ہزار آدمی کام آئے باوجود اس خونریزی کے بھی معاملہ کسی طرح
فیصل نہیں ہوتا تھا۔ مجبوراً علما اور فقرا درمیان میں پڑے اور صلح کی گفتگو شروع ہوئی۔ چونکہ
ترکی امیروں میں ایک معتبر گروہ قتل ہو چکا تھا یوسف عادل نے بھی صلح کو منظور کر لیا اور چند
روز کے بعد اپنے اعوان و انصار کے ہمراہ بیجاپور واپس آیا اور ملک حسن نظام الملک
سارے دربار پر پورے طور پر چھا گیا اور اس نے ملک احمد کو سرداور بار دو اور بیر دوسرے
پرگنوں کا جاگیر دار مقرر کیا اور فخر الملک دکنی کو جو ملک التجار محمود گاوان المشہور بہ خواجہ جہاں کا
غلام زادہ اور شجاع اور فاضل شخص تھا امرائے برار کے گروہ میں داخل کیا اور اس کے فرزندوں کو
بھی مناصب عطا کر کے فخر الملک کو خواجہ جہاں کے خطاب سے سرفراز کیا۔ فتح اللہ عمادی کو
منصب وزارت اور میر جملگی کے عہدہ سے سرفائز کیا اور اس کے فرزند شیخ علاؤ الدین کو باپ کی
طرف سے برار کا سرلشکر مقرر کیا اور ان لوگوں کو اپنا مددگار بنایا اور قاسم برید کو جو اس کا بھی خواہ
تھا اور جس نے اس معرکہ میں ترکوں کو پائمال کرنے میں کوتاہی نہ کی تھی کوتوال شہر اور سرنوبت
مقرر کیا۔ ان کے علاوہ قوام الملک صغیر کو تلنگانہ جانے کی اجازت دی غرضکہ تین چار سال
برابر ملک حسن نظام الملک اور فتح اللہ عمادی دونوں امیر روزانہ صبح کو بادشاہ کی والدہ کے پاس
جاتے اور اس کے مشورہ سے مہمات ملکی اور مالی کو انجام دیتے تھے۔ دلاور خاں حبشی ان
امیروں کا حاسد تھا اور اس نے بادشاہ سے کہا کہ فلاں فلاں امیر بادشاہ کو ہیچ سمجھتے ہیں
اور اب تک آپ کو طفل نادان جان کر بادشاہ کی والدہ کے پاس خلوت میں جاتے اور اس کے
مشورہ سے مہمات سلطنت کو انجام دیتے ہیں حبشی امیر کی یہ بات بادشاہ کے دل میں اتر گئی
اور محمود شاہ نے دلاور خاں کو ان دونوں کے قتل پر مامور کیا۔ اتفاق سے ایک رات
یہ دونوں امیر بعض مہمات ملکی کو سرانجام دینے کے لئے بادشاہ کی والدہ کی خدمت میں
حاضر ہوئے دلاور خاں حبشی اور ایک دوسرا شخص تلوار کھینچ کر ان کے راستے میں کھڑے
ہو گئے اور دونوں نے تلوار چلائی ملک حسن نظام الملک زخمی ہوا لیکن ان دونوں امیروں

کے پاس خود بھی تلواریں تھیں اور دونوں شمشیر بازی میں مشاق اور بے نظیر تھے دشمنوں کو مغلوب کر کے سیدھے ہاتھ کی راہ سے قلعہ سے باہر نکل آئے۔ ان امیروں نے باوجود اس کے کہ ملک قاسم برید کو سر نوبت اور شہر کا تھانہ دار مقرر کیا تھا لیکن اسے بھی اس واقعہ سے آگاہ کیا اور یہ کہلا بھیجا کہ بادشاہ تمہارے قتل کا بھی درپئے ہے اپنی جان سے ہوشیار رہو۔ ملک حسن اور فتح اللہ عمادی اپنے لشکروں کے ساتھ سوار ہو کر شہر کے باہر نکل آئے اور قاسم برید نے قلعۂ ارگ کے دروازوں کو بند کر دیا اور لوگوں کو بادشاہ کے پاس آنے جانے سے قطعی منع کر دیا بادشاہ اپنی حرکت سے نادم و پشیمان ہوا اور اس نے مجبور ہو کر ایک شخص کو ان امیروں کے پاس جو کھانہ کے حوالی میں سات یا آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ مقیم تھے عذر خواہی کے لئے بھیجا ان امیروں نے دلاور خاں حبشی کے قتل کرنے کا معروضہ کیا۔ دلاور حبشی اس خبر کو سن کر اسیر برہان پور کی طرف بھاگ گیا اور ملک حسن نظام الملک اور اس کا فرزند ملک احمد شہر میں داخل ہوے اور فتح اللہ عماد الملک برار چلا گیا۔ اسی دوران میں ملک حسن نظام الملک نے جو گردش لیل و نہار کے تماشے دیکھ چکا تھا اپنے استحکام میں کوشش شروع کی۔ ملک حسن نظام الملک نے ملک وحید اور ملک اشرف دکنی کو جو اس سے پیشتر محمود گاواں کے ملازم تھے اور بعد کو شاہی سلحدار مقرر ہو گئے تھے اپنا ممنون احسان بنانا شروع کیا ملک حسن نے ملک وحید کو امارت کے مرتبہ تک پہنچا کر سر لشکر دولت آباد مقرر کیا اور ملک اشرف کو اس کا محکوم بنا کر ان دونوں سے اپنے فرزند ملک احمد کے ساتھ متحد اور متفق رہنے کی قسم لی اور ان کو دولت آباد روانہ کیا۔ ان کے علاوہ ملک فخر الملک المخاطب بخواجہ جہاں کو شولاپور اور پرندہ کے پرگنے عطا کر کے ان سے بھی ملک وحید اور اشرف کی طرح قسمیں لیں اور ان کو پرندہ کے قلعہ کو روانہ کیا۔ ملک حسن نے دو تین مہینے کے بعد بادشاہ سے رخصت لی اور اپنے فرزند ملک احمد کو سو ہاتیوں اور تمام مال و اسباب کے ساتھ اپنا نائب مقرر کر کے جنیر روانہ کیا ۸۹۱ھ ہجری میں عادل خاں حاکم ورنگل نے وفات پائی قوام صغیر راجمندری سے دھاوا کر کے جلد سے جلد ورنگل پہنچا اور اس نے علم بغاوت بلند کر کے سارے تلنگانہ پر قبضہ کر لیا۔ ملک حسن نظام الملک نے بادشاہ کو اپنے ساتھ لیا اور ورنگل روانہ ہوا۔ قوام الملک صغیر راجمندری واپس آیا اور اس نے خفیہ ایک خط بادشاہ کے حضور میں روانہ کیا اور ملک حسن نظام الملک کے غلبہ کی شکایت کی بادشاہ نے امر کشی پر کمر باندھ رکھی تھی قوام الملک کی بات نہ سنی

بلکہ خوف کی وجہ سے قاصد کو مع خط کے ملک حسن کے پاس بھیجدیا۔ بادشاہ کی سواری ورنگل
پہنچی اور ملک احمد کا خط ملک حسن کے پاس سے اس مضمون کا آیا کہ سلطان محمود شاہ کے
عہد حکومت میں بندر گوہ اور اس کے پرگنوں کی حکومت ملک التجار کے غلام کشور خاں کو
عطا کی گئی تھی کشور خاں نے نجم الدین گیلانی کو اپنا نائب مقرر کیا تھا نجم الدین گیلانی نے
وفات پائی اور اس کے ملازم بہادر گیلانی نے جرات سے کام لیکر بندر گوہ سے لیکر بندر
دابل گھولا پور کلہر اور برنالہ تک سارے ملک پر قبضہ کر لیا ہے اور یوسف عادل کی تحریک
سے روز بروز اور جری ہوتا جاتا ہے اور اب بندر جیول اور میرے پرگنوں تک اس کی
دست درازی کا اثر پہنچ چکا ہے۔ اس طرح زین الدین علی باس جاگیر دار جھاگنہ باوجود
قرب و جوار کے اطاعت نہیں کرتا اور یہ کہتا ہے کہ جس وقت بادشاہ خود مستقل فرمانروا ہوکر
مہمات سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لیگا اس وقت میں اطاعت و فرمانبرداری کروں گا
اب اس بارے میں کیا حکم ہوتا ہے جیسا ارشاد ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے ملک حسن نے
جواب دیا کہ پہلے زین الدین علی باس کا دفعیہ کرو اور اس کے بعد دوسرے دشمنوں کی
سرکوبی کا ارادہ کرو اس خط کے ساتھ ہی ساتھ ملک حسن نے فخر الملک دکنی۔ خواجہ جہاں
حاکم پرندہ اور ملک وحید سرلشکر دولت آباد کو اپنے بیٹے کی امداد کرنے کے لئے تاکید روانہ کئے۔
زین الدین علی نے ایک خط یوسف عادل کے نام بیجاپور روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھکو
اپنے نوکروں کی فہرست میں داخل کرکے میرے ملک کو ملک احمد کے شر و فساد سے محفوظ
رکھیئے۔ یوسف عادل نے جو خواجہ جہاں کا دوست صادق تھا زین الدین کی امداد پر کمر ہمت
باندھی اور پانچ یا چھ ہزار سواروں کا ایک لشکر پہلے اس کی مدد کو روانہ کیا اور اس فوج کو حکم دیا
کہ ظاہر قلعہ اندا پور میں قیام کرے اور جب ملک احمد جنیر سے ملک احمد کی تباہی کا قصد
کرکے جھاگنہ کا رخ کرے تو یہ لوگ اسی نواح میں پہنچکر ملک احمد کے سد راہ ہوں یہ خبر ورنگل پہنچی
اور ملک حسن نظام الملک کی شوکت اور عظمت گھٹنے لگی اور پہلے کی طرح اب بھی بادشاہ اور
رعایا دونوں کی نگاہوں میں اس کی وقعت نہ رہی اور اس کا اعتبار جاتا رہا۔ قاسم برید دستور دینار
حبشی خواجہ سرا اور دوسرے حبشی امیروں نے جو ہر وقت بادشاہ کے حضور میں رہتے تھے ملک حسن
کی طرف سے محمود شاہ کے کان بھرنا شروع کئے اور وحشت آمیز خبریں سنانے لگے بادشاہ اس
منصوبہ کا دل سے خواہاں تھا اور اس نے ان شاہی امیروں کے سامنے ملک حسن سے اپنی

ناخوشی کا اظہار کیا اور ان لوگوں کو حکم دیا کہ موقع پاکر اس کا کام تمام کردیں ملک حسن نظام الملک کو
ان واقعات کی خبر ہوگئی اور وہ آدھی رات کو شاہی لشکر سے بھاگا چونکہ اس کا پیمانۂ حیات
لبریز ہوچکا تھا اپنے فرزند کے پاس جنیر نہ گیا بلکہ خزانہ اور پائے تخت پر قبضہ کرنے کی غرض سے
احمد آباد بیدر روانہ ہوا۔ دلپسند خاں دکنی جو ملک حسن کی عنایتوں سے مرتبۂ امارت کو
پہنچا تھا اور ان دنوں بیدر کا حاکم تھا ملک حسن کے ساتھ اطاعت سے پیش آیا اور اس کو
شہر میں لے آیا۔ ملک حسن نے اپنے فرزند ملک احمد کو ایک قاصد کے ذریعہ سے بلایا اور
سلاطین بہمنیہ کا بہترین خزانہ کھولا اور دلپسند خاں کے اتفاق اور موافقت کے ساتھ
خیل وحشم کے فراہم کرنے میں مصروف ہوا ملک حسن نے ایکبارگی مخالفت کا اعلان کردیا
سلطان محمود شاہ نے یہ واقعات سنے اور قطب الملک دکنی کو تلنگانہ کا طرفدار مقرر کیا اور
اس نواح کے امیروں کو اپنے ساتھ لیکر احمد آباد بیدر روانہ ہوا۔ ملک حسن بادشاہ سے
مقابلہ نہ کرسکتا تھا اس نے چاہا کہ شاہی خزانہ ساتھ لیکر اپنے فرزند سے جا ملے۔ دلپسند خاں
مانع آیا اور اس نے خفیہ طور پر بادشاہ کو یہ پیغام دیا کہ بندہ بادشاہ کا مطیع و فرمانبردار ہے
اور محض نمک حلالی کے خیال سے میں نے باغی سے موافقت کرکے شاہی ورود کے
انتظار میں اتنے دنوں اسے روک رکھا ہے بادشاہ نے اس کا جواب دیا کہ اگر تو اپنے
قول میں سچا ہے تو ملک حسن کا سر کاٹ کر بارگاہ شاہی میں روانہ کرتا کہ تیری وفاداری کا
پتہ لگے۔ دلپسند خاں نے حقوق نمک کا کچھ لحاظ نہ کیا اور پانچ سو مسلح جوانوں کے ہمراہ
ملک حسن کے پاس قلعۂ ارک میں گیا اور اس سے کہا کہ مجھے تم سے کچھ مشورہ کرنا ہے
جس کے لئے خلوت درکار ہے ملک حسن نے اسی وقت اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک
حجرے میں لے گیا دلپسند خاں قوی اور طاقتور تھا اس نے اپنا ہاتھ ملک حسن کے گلے پر
جو بوڑھا اور کمزور ہوچکا تھا رکھا اور اس طرح سے دبایا کہ ملک حسن کا دم گھٹ گیا اور وہ
وہیں ٹھنڈا ہوگیا۔ دلپسند خاں نے ملک حسن کا سر تن سے جدا کیا اور سر کو اپنے ہاتھ
میں لئے ہوئے حجرے کے باہر نکلا اور حاضرین مجلس سے کہا کہ دیکھو جو شخص اپنے مالک
کے ساتھ نمک حرامی کرتا ہے اس کی سزا یہ ہے۔ دلپسند خاں نے بریدہ سر کو بادشاہ کے
حضور میں بھجوا دیا۔ بادشاہ فوراً شہر میں داخل ہوا محمود شاہ نے دلپسند خاں دکنی اور مغلوں
اور ترکوں کو اپنا مصاحب اور ہمنشین بنایا اور مہمات سلطنت کو انھیں کے سپرد کیا۔

بادشاہ کے سر پر جوانی کا نشہ سوار ہوا اور ساقی و شراب کا متوالا بنکر معاملات سلطنت سے بالکل کنارہ کش ہو گیا اس خوش طبعی نے یہاں تک طول کھینچا کہ محمود شاہ نے بہت سے جواہرات تخت فیروزہ سے نکلوائے اور شراب کی صراحیاں اور پیالے مرصع تیار کئے گئے بساط شراب کا حاشیہ اور خاصہ کا تنبورہ بھی تخت فیروزہ کے جواہرات سے مرصع کئے گئے سنہ ۸۹۹ ہجری میں حبشیوں اور دکنیوں کے دلوں میں ترکوں اور مغلوں کی جانب سے آتش حسد مشتعل ہوئی ہر چند حاسدوں نے کوشش کی مغل اور ترک بادشاہ کی نگاہوں میں بے وقعت اور کم مرتبہ ہوں لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا دلپسند خاں اور نیز دوسرے دکنیوں حبشیوں نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ محمود شاہ کو قتل کر کے کسی دوسرے بہمنی شاہزادہ کو تخت حکومت پر بٹھائیں ان سازشیوں نے قلعۂ ارک کے فیلبانوں حاجبوں کوتوالوں پردہ داروں اور دربانوں سب کو ملا لیا۔ جب رات ہوئی تو یہ کافر نعمت قریب ایک ہزار سواروں اور پیادوں کے مسلح اور مکمل بحکم ذیقعدہ سنہ ۸۹۲ ہجری کو دفعتہً قلعۂ ارک میں جو شاہی نشیمن تھا داخل ہو گئے اور اس خوف سے کہ ممکن ہے کہ مغل اور ترک بادشاہ کی مدد کے لئے آئیں ان لوگوں نے دروازوں کو اندر سے خوب مضبوط بند کر دیا اور شاہی محل کی طرف روانہ ہوئے سلطان محمود شاہ اس وقت بساط شراب بچھائے بادہ نوشی میں مشغول تھا شور کی آواز سنتے ہی اٹھا اور چاہا کہ اپنی حفاظت کرے پردہ داروں کی راہ نمائی سے دکنیوں اور حبشیوں کا ایک مکار گروہ بادشاہ کے قریب پہنچ گیا عزیز خاں ترک دوسرے چار ترکی غلاموں حسن علی خاں سبزواری اور سید مرزائی مشہدی الملقب بہ ملو خاں جو بڑا شجاع اور جوانمرد تھا باوجود اس کے کہ مسلح نہ تھے لیکن بادشاہ اور باغیوں کے درمیان آ گئے اور انھوں نے اپنی جانیں مالک پر قربان کیں بادشاہ کو موقع مل گیا اور وہ شاہ برج کے بالائی حصہ پر پہنچ گیا سوا حرم سرا اور شاہ برج کے قلعہ کے تمام حصوں پر باغیوں کا قبضہ تھا باغیوں نے شاہ برج کے قریب لڑائی کا بازار گرم کیا بادشاہ نے برج کے تمام دروازے بند کر دئے اور معدودے چند مغل اور ترکی امیروں کے ساتھ جو شاہی جلیس تھے دشمنوں کے مدافعہ میں مشغول ہوا۔ شاہی امیر تیر و کمان اور پتھروں سے ان اشرار کو دفع کرتے تھے اسی دوران میں بادشاہ کی تدبیر کارگر ہو گئی اور اس نے اپنے ایک خادم خاص کو قلعہ کے باہر روانہ کر کے مغل اور ترکی امیروں کو اس واقعہ کی اطلاع دی چنانچہ نرہاد خاں قاسم برید شیر خاں۔

محمود خاں گیلانی۔ کشور خاں وغیرہ تین یا چار سو مغل اور ترک ترکش بند سواروں کو ساتھ
لیکر قلعہ کی طرف روانہ ہوے ان امیروں نے قلعہ کے تمام دروازے بند پائے اور شاہ برج
پر کمند لگا کر بہزار محنت اور مشقت آٹھ آدمی اُوپر چڑھے اور انھوں نے نفیر بجائی دکنی اور حبشی
یہ سمجھے کہ مغلوں اور ترکوں کا لشکر قلعہ کے اندر آگیا ہے یہ خیال کرکے باغیوں نے راہ فرار
اختیار کی اور پریشانی کے عالم میں دروازوں کو کھول کر بھاگنے کے ارادہ سے ادھر دوڑے
چونکہ خدا کی مرضی یہی تھی کہ بادشاہ کو اس کے دشمنوں پر فتح ہو پچیس جوان سبزواری جو شاہی
سلحداروں میں داخل اور ہر معرکہ میں مردِ میدان ثابت ہو چکے تھے دروازہ کے قریب
پہنچ گئے ان جوانوں نے تیر و تلوار سے ان بھاگنے والوں پر حملہ کیا مفرور پھر قلعہ کی طرف
واپس ہوے اور انھوں نے چاہا کہ دروازوں کو بند کر دیں لیکن سبزواری جوانوں
نے ان کو مہلت نہ دی اور ان کے سر پر پہنچ گئے۔ طرفین میں جنگ عظیم واقع ہوی اور
ایک گروہ دوسرے کو ادھر سے اُدھر بھگانے لگا۔ دربار کے مشہور بہادر کشور خاں
اس خبر کو سن کر سو مسلح جوانوں کے ہمراہ پہنچ گیا اور دشمنوں کو مغلوب کرکے ان کی جماعت کو
اس عمارت کی طرف جسے نگینہ محل کہتے تھے بھگایا۔ اس رات شہر میں عظیم الشان فتنہ ہوا
اور ایسا شور و غل برپا ہوا کہ حقیقت حال سے کسی کو اطلاع نہ ہو سکی دکن کے شعلہ مزاج
گروہ کے گروہ شہر میں آئے اور انھوں نے مغلوں اور ترکوں کے گھر غارت اور تباہ کرنے
شروع کئے۔ اسی ہنگامہ میں آدھی رات گزر گئی اور چاندنی نے کھیت کیا جس کی وجہ سے
رات کی تاریکی دور ہوی جاروب کشوں اور دوسرے شاگرد پیشوں نے رنگ بگڑا
دیکھ کر اپنی حالت بھی بدل دی اگرچہ یہی لوگ مخالفوں سے سازش کرکے ان کو قلعہ کے
اندر لائے تھے لیکن اب انھوں نے لکڑیوں کے لٹھے روشن کرکے ان تاریک مقامات
کو جہاں کہ دشمن چھپے ہوے تھے روز روشن کی طرح منور کر دیا اور باغیوں کو مکانات
سے نکال کر ان کو قتل کرنے لگے۔ اسی دوران میں معلوم ہوا کہ دکن کے امیر تقریباً تین سو
سواروں کے ساتھ مسلح اور مکمل قلعہ میں ایک مقام پر اس انتظار میں کھڑے ہوے
ہیں کہ صبح ہوتے ہی یکبارگی حملہ کریں اور دروازوں کو کھول کر باہر نکل جائیں بادشاہ نے
جہانگیر خاں ترک کو جو ملک الموت کے لقب سے مشہور تھا قلعہ کے دروازہ کی محافظت
پر مقرر کیا اور خان جہاں ترک کو اپنے خاصہ کے سواروں کے ساتھ شہر و بازار کی حفاظت پر

متعین کیا۔ محمود شاہ نے تازی گھوڑے جو اصطبل شاہی میں موجود تھے لوگوں میں تقسیم کئے اور انھیں حکم دیا کہ ان گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمنوں کو قلع قمع کریں اس درمیان میں رات ختم ہوئی اور آفتاب طلوع ہوا محمود شاہ نے تخت حکومت پر جلوس کیا اور مغلوں اور ترکوں کو حکم دیا کہ دکنیوں اور حبشیوں کو قتل اور ان کے گھروں کو غارت اور تاراج کریں کہتے ہیں کہ تین دن کامل شہر میں قتل و غارتگری کا بازار گرم رہا اور کسی شخص کو یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ بادشاہ سے عفو تقصیر کی درخواست کرے آخر کار شاہ محب اللہ کے ایک فرزند بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے اور انھوں نے گنہگاروں کے عفو قصور کا معروضہ پیش کیا ان صاحب کے کہنے سے بادشاہ کا مزاج کچھ درست ہوا اور قتل و غارتگری میں کچھ تخفیف ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد محمود شاہ نے شہر اور قلعہ میں آئین بندی کی اور چار روز عیش و عشرت میں مشغول رہا بادشاہ نے مجلس عشرت کو اس شان و شوکت سے آراستہ کیا کہ اس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔ محمود شاہ شاہ برج کو اپنے لئے مبارک سمجھا اور اس نے اس جگہ ایک عظیم الشان قصر کی بنیاد ڈالی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک بے مثل دلکشا اور خوش منظر عمارت تیار ہو گئی۔

اس قصر کی تیاری کے بعد بادشاہ ساقی و شراب کا متوالا بنا اور دن و رات عیش و عشرت میں مشغول ہوا عراق و خراسان ماوراالنہر لاہور اور دہلی غرضکہ جس جگہ رقاصہ اور ساز ندے مشہور اور اپنے فن میں یگانہ روزگار تھے دکن کی طرف روانہ ہوئے اور اسی طرح قصہ خواں شاعر اور ندیم دنیا کے دور و دراز ملکوں سے روانہ ہو کر بہمنی درگاہ میں جمع ہو گئے اور احمد آباد بیدر ایران و توران سے بھی بہتر ہو گیا۔ بیدر کے باشندے چھوٹے اور بڑے سبھوں نے بادشاہ کی تقلید کی ہر مجلس میں ساقی و شراب کا دور دورہ ہوا اطراف و جوانب کے حکام نے صورت حال کو مدعا کے موافق دیکھا اور اپنے استحکام کی کوشش کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امرائے شاہی میں جو امیر بھی طرفداران سلطنت کا بہی خواہ اور ہمنوا ہوا اُسے عزت و وقعت حاصل ہوئی اور جو شخص ان کے خلاف ہوا اپنے عہدے سے معزول کیا گیا تھوڑے ہی زمانہ میں سوا تلنگانہ اور احمد آباد بیدر کے نواح و اطراف کے کوئی حصۂ ملک بادشاہ کے قبضہ میں نہ رہا لیکن سوا ملک احمد بحری کے دیگر طرفداران ملک ظاہرا بادشاہ کی اطاعت کرنے لگے اور یہ اطاعت بھی فقط اسی قدر تھی کہ اگر بادشاہ قاسم برید کی تنبیہ کے لئے لشکر کشی کرتا اور ان طرفداروں کا خود کوئی ذاتی نقصان بادشاہ کی ہمراہی میں ہوتا تو بیحد عظمت و شوکت

کے ساتھ بادشاہ کے ہمراہ روانہ ہوتے تھے لیکن ان صوبہ داروں کے جاہ وجلال اور ان کی شان وشوکت کے مقابلہ میں خود بادشاہ کا تجمل وحشم ہیچ معلوم ہوتا تھا جب بادشاہ سفر سے واپس ہوتا تو یہ لوگ راستہ ہی سے جدا ہو جاتے اور اپنے اپنے صوبوں کو اس خیال سے روانہ ہو جاتے تھے کہ بادشاہ کے سامنے مودب کھڑا رہنا ہوگا یا یہ کہ بطور مثل سابق کے اسے سلام کرنا پڑے گا طرفداروں میں سے کوئی شخص بھی شاہی مجلس میں نہ حاضر ہوتا تھا۔

ملک احمد بحری نے جس نے بارہا شاہی لشکر کو شکست دی تھی بلدۂ احمد نگر کی بنیاد ڈالی اور شاہانہ روش اختیار کی ملک احمد نے یوسف عادل اور فتح اللہ عمادی کے پاس قاصد روانہ کئے اور خطبہ سکہ اور دوسرے لوازم شاہی اختیار کرنے میں ان سے اصرار کیا آخر کار یہ طے پایا کہ یہ تینوں امیر بالاتفاق بادشاہی طریقہ اختیار کریں اور اب تکلف کو برطرف کر کے علانیہ اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیں اس قرارداد کے موافق ۸۹۵ھ ہجری میں ان ہر سہ امرا نے سلطان محمود شاہ بہمنی کا نام خطبہ سے نکال کر اپنے نام کا خطبہ اپنے اپنے ملک میں جاری کیا ۸۵ھ ہجری میں قاسم برید ترک سر نوبت زبردستی منصب وکالت اور طرفداری حوالی احمد آباد بیدر پر فائز ہوا اور قصبۂ قندھار۔ اوسہ اودگیر اور کالیان کو اپنی جاگیر مقرر کیا اور یہ چاہا کہ جو قلعے ان پرگنوں میں واقع ہیں ان پر بھی قبضہ کرے قلعہ کے محافظوں نے انکار کیا اور حصار اس کے حوالہ نہ کیا۔ قاسم برید یہ سمجھا کہ محافظین حصار بادشاہ کے تعلیم یافتہ ہیں اس خیال کی بنا پر قاسم برید نے بادشاہ کی ظاہرا اطاعت سے بھی انحراف کیا اور در پردہ مخالفت کا بابانگ دہل اعلان کر کے اپنے اعوان وانصار کی ایک جماعت کے ساتھ ان قلعوں کی تسخیر میں مشغول ہوا۔ بادشاہ نے قاسم برید کے مقابلہ میں دو تین مرتبہ لشکر بھی روانہ کیا لیکن ہر مرتبہ شاہی فوج کو شکست ہوی اور برید کامیاب ہوا بلکہ حریف کو اس قدر غلبہ ہو گیا کہ قریب تھا کہ محمود شاہ بیدر سے فراری ہو جائے کہ دفعتہً دلاور خاں حبشی جو ملک حسن نظام الملک بحری کے خوف سے برہان پور چلا گیا تھا مسلح اور آراستہ لشکر کے ساتھ احمد آباد بیدر پہنچا اور بادشاہ کے حکم کے موافق قاسم برید کے دفعیہ کے لئے روانہ ہوا فریقین میں بڑی خونریز لڑائی واقع ہوی قاسم برید کو شکست ہوی اور وہ گلکنڈہ روانہ ہو گیا۔ دلاور خاں حبشی پر ادبار چھایا ہوا تھا اس نے حریف کا تعاقب کیا تا کہ اسی مرتبہ اس کے بہی خواہوں کی جماعت کو آوارہ اور منتشر کر دے لیکن

تقدیر نے معاملہ برعکس کر دیا اور شکست خوردہ حریف کامیاب دشمن بن گیا اس واقعہ کا تفصیلی بیان یہ ہے کہ دلاور حبشی مع اپنے ہمراہیوں کے سفر کی منزلیں طے کر رہا تھا کہ دفعتہً اس کا ایک ہاتھی فیلبان کے قابو سے جاتا رہا اس مست جانور نے خود اپنی فوج پر حملہ کیا اور بہت سے سپاہیوں کو ہلاک کر دیا اور پھر بھی راہ راست پر نہ آیا۔ دلاور خاں حبشی نے اس جانور کا یہ حال دیکھکر نیزہ اپنے ہاتھ میں لیا اور جوانوں کے ایک گروہ کے ساتھ ہاتھی کی طرف بڑھا ہاتھی نے خود دلاور خاں پر حملہ کیا دلاور کے ساتھی تو بھاگ نکلے لیکن وہ خود ہاتھی کی سونڈ میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوا قاسم برید نے اثنائے فرار میں یہ واقعہ سنا اور سمجھا کہ اس کی تقدیر کی یاوری نے اس طرح دشمن کو پامال کیا قاسم برید اسی وقت واپس ہوا اور دلاور خاں کے تمام سامان حشمت پر اس نے قبضہ کر لیا۔

قاسم برید نافرمانی پر اور زیادہ مصر ہوا اور اس کا غرور بہت بڑھ گیا سلطان محمود شاہ نے مصلحت وقت کا خیال کیا بادشاہ نے دکن کی رسم کے موافق ایک قولنامہ عفو گناہ اور منصب وکالت کی تفویض کے بارے میں قاسم برید کے پاس روانہ کیا اور برید ہمراہیوں کے ایک گروہ کثیر کے ساتھ بیدر آیا اور میر جملگی کے عہدے کا کام کرنے لگا۔ برید کے استقلال کا یہ عالم ہوا کہ لفظ شاہی برائے نام محمود شاہ کے لئے رہ گیا مورخین بریدی خاندان کی سلطنت کا آغاز اسی زمانہ سے شمار کرتے ہیں۔ قاسم برید کا استقلال روز بروز ترقی کرنے لگا اور وہ بھی اپنے کو دکن کے نامور اور بہترین افراد میں شمار کرنے لگا۔ اس امیر نے راجہ بیجانگر کو اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ یوسف عادل خاں نے بادشاہ سے مخالفت کر کے خطبہ اپنے نام کا جاری کیا ہے اگر آپ مدد کر کے اس طرف سے یوسف کے ملک پر لشکر کشی کریں اور اس کے فتنہ کو فرو کر دیں تو مدگل اور رائچور کے صوبوں پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا راجہ بیجانگر نابالغ لڑکا تھا اس نے اپنے وکیل تمراج کو ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ یوسف عادل کے ملک پر روانہ کیا جس سے بیجاپور کے نظام سلطنت میں بہت زیادہ خرابیاں پیدا ہوئیں اور مدگل اور رائچور کے قلعے ہندوؤں کے قبضہ میں آ گئے یوسف عادل بیجانگر کے لشکر سے مقابلہ نہ کر سکتا تھا ان لوگوں سے صلح کر کے قاسم برید کی تنبیہ کے لئے روانہ ہوا قاسم برید نے مجبور ہو کر ملک احمد نظام الملک کے دامن میں پناہ لی اور اسے پیغام دیا کہ یوسف عادل نے

میری تباہی پر کمر باندھی ہے اور اس طرف آرہا ہے اگر آپ میری مدد کریں تو آسانی کے ساتھ
اس کا قدم درمیان سے اٹھ جائے گا اور قلعہ کودہ۔کوکن۔ پنالہ اور کلھر جو بہادر گیلانی کے
قبضہ میں تھے آپ کے دائرۂ حکومت میں داخل ہو جائیں گے ملک احمد نے قاسم برید کے
ساتھ اتفاق کیا اور فخر الملک دکنی المخاطب بہ خواجہ جہاں اور اس کے بھائی زین خاں
کے ہمراہ بڑی شان وشوکت کے ساتھ احمد آباد بیدر روانہ ہوا۔ نظام شاہی فوج بیدر کے
قریب پہنچی قاسم برید کو اس لشکر کے آنے سے ڈھارس ہوئی اور مجبور بادشاہ کو سوار کرا کے
اس نے اپنی صفیں مرتب کیں اور مقابلہ کے لئے میدان جنگ میں آیا قاسم برید نے
محمود شاہ کو قلب لشکر میں کھڑا کیا اور خود مقدمہ لشکر کی کمان لی اور میمنہ پر ملک احمد اور میسرہ پر
خواجہ جہاں اور اس کے بھائی کو مقرر کیا اور اپنے بیٹے کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ طرح
لشکر بنایا۔ یوسف عادل خاں نے بھی اپنے لشکر کو آراستہ اور اپنی صفیں درست
کیں اور فریقین سے ایک دوسرے پر نیزہ اور تلوار کی بوچھار ہونے لگی۔ غرضکہ بہت
کوشش کے بعد قاسم برید اور فخر الملک کو شکست ہوئی اور یہ دونوں امیر فراری ہوئے
یوسف عادل اور ملک احمد معرکہ میں ٹھہر گئے اور خوش قسمتی سے کسی نے دوسرے پر حملہ
نہیں کیا۔ ان حکمرانوں نے ایک دوسرے کے پاس قاصد بھیجے اور باہم اظہار دوستی
اور موافقت کر کے اپنے اپنے ملک کو واپس ہوئے ۸۹۹ھ ہجری میں محمود شاہ گجراتی
نے اپنے ایک امیر ہاشم تبریزی کو ایلچی بنا کر محمود شاہ بہمنی کے پاس بھیجا اور اسے
پیغام دیا کہ بہادر گیلانی نے جو بارگاہ بہمنی کا امیر اور سواحل دریا پر قابض ہے جو بیس
جہاز بندر گجرات کے جو مال واسباب سے لدے ہوئے تھے غارت اور تباہ کر دیا
ہے بہادر گیلانی نے اسی شوخ چشمی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یاقوت حبشی کو دو سو جنگی جہازوں
کے ساتھ جن پر سپاہی سوار ہیں مہائم کو روانہ کیا ان بدبختوں نے مسجدوں اور کلام پاک کو
جلا کر قتل وغارت گری میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے اور بہت قابل نفرت حرکات کا
ہر طرح پر ان سے ظہور ہو رہا ہے اب اس کا ارادہ یہ ہے کہ دریا کے راستہ سے لشکر کشی
کر کے بندر سورت پر حملہ آور ہو اور اسے بھی خراب کرے ہمارے لئے مشکل یہ ہے کہ
گجراتی فوج جب تک کہ دکن کے کچھ حصہ ملک کو تباہ اور برباد نہ کرے خشکی کا راستہ طے کر کے
بہادر گیلانی کے مسکن تک نہیں پہنچ سکتی اور دریا کی راہ سے لشکر عظیم کو دشمن کی سرکوبی

کے لئے روانہ کرنا دشوار ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ اس سرکش کی تنبیہ اور امراء کے
شر کے دفعیہ پر توجہ فرمائیں اور اگر خود اس کی سرکوبی بوجوہات نہ کر سکیں تو اپنے قدیم دوستوں
اور بہی خواہوں کو اجازت دیں کہ جس طریقہ پر ممکن ہو چارہ جوئی کریں سلطان محمود شاہ اس
پیغام سے بیحد رنجیدہ ہوا اور قاسم برید کو ساتھ لیکر بہادر گیلانی کے مقابلہ کے لئے روانہ
ہوا۔ بادشاہ نے حکام دکن سے مدد طلب کی یوسف عادل خاں نے اپنے سر نوبت کمال خاں دکنی کو
پانچ ہزار سواروں کے ساتھ اور ملک احمد نظام الملک بحری نے مبارز خاں ولد خواجہ جہاں ترک
کو جو نظام الملک کی ملازمت اختیار کرنے کے بعد احمد نگر میں مقیم تھا اسی قدر فوج کے ہمراہ
بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اسی طرح فتح اللہ عماد الملک نے بھی اپنے ایک معتمد امیر کو فوج
کی معیت میں محمود شاہ کی مدد کے لئے روانہ کیا بہادر گیلانی کا حال کچھ مرقوم ہو چکا ہے کہ یہ
شخص مخدوم خواجہ شہید کے ملازموں میں داخل تھا۔ خواجہ شہید کی وفات کے بعد بہادر نے
نجم الدین گیلانی کی ملازمت اختیار کی۔ نجم الدین کو خواجہ شہید کے غلام کشور خاں نے
بندر گووہ کے انتظام پر مقرر کیا اور بہادر گیلانی شہر کا کوتوال ہو کر اپنی شجاعت اور مردانگی
میں مشہور زمانہ ہوا تھوڑے زمانہ کے بعد نجم الدین گیلانی فوت ہوا اور بہادر کے سر میں
حکومت کا سودا سمایا ۸۹۹؁ ہجری میں بہادر گیلانی نے بندر گووہ کا انتظام کر کے کشور خاں کے
تمام پرگنوں پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد تھوڑے عرصہ میں دابل۔ تیول۔ کلہر۔ پنالہ۔ کولاپور۔
سروالا۔ نلگوان اور میرچ پر بھی اس نے قبضہ کر لیا اور بارہ ہزار سواروں اور بیشمار پیادوں
کی ایک جماعت اپنے گرد جمع کر لی۔ بہادر گیلانی نے گجراتی مقبوضات پر بھی ہاتھ بڑھایا اور مہائم
پر قابض ہو گیا۔ کمال خاں اور صفدر خاں بادشاہ گجرات کی طرف سے جرار لشکر لے کر
بہادر گیلانی سے جنگ کرنے کے لئے آئے بہادر نے ان گجراتی امیروں کو گرفتار کر لیا اور
اور اثاثہ شاہی پر قبضہ کر کے اسے بھی اپنے اسباب شوکت میں داخل کیا بہادر یوسف عادل خاں سوائی
اور ملک احمد نظام الملک بحری پر چوٹیں کرتا اور ان کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا بلکہ قلعہ جام کنڈی پر
جو یوسف عادل کے وسط ولایت میں تھا اپنی حسن تدبیر سے اس نے قبضہ لیا تھا اور اب یہ چاہتا
تھا کہ یوسف عادل کو بیجاپور سے بھی بے دخل کر دے بہادر گیلانی کا دفعیہ آسانی سے
نہ ہو سکتا تھا یوسف عادل اور ملک احمد نظام الملک دونوں بزرگ اس کی خاطر داری
کرتے اور بظاہر اس کے حرکات سے چشم پوشی کرتے رہتے تھے یہانتک کہ خود سلطان محمود شاہ بہمنی

بہادر کی سرکوبی کا ارادہ کیا یوسف عادل اور ملک احمد نظام الملک دونوں سردار اس کو اپنے
نصیبے کی یاوری سمجھے اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا بادشاہ کی امداد پر تیار ہو گئے۔ محمود شاہ بہمنی نے
پہلے بہادر گیلانی کو اس مضمون کا ایک فرمان روانہ کیا کہ سلطان گجرات کے خط سے
تمھاری بابت اس اس قسم کے اخبار مجھ تک پہنچے ہیں تمھیں چاہیئے کہ کمال خاں اور
صفدر خاں کو مع تمام سامان اور جہازوں کے اسباب مال کے میرے پاس بھیجدو بہادر خاں نے
جب سنا کہ شاہی قاصد بادشاہ کا فرمان لیکر آتا ہے تو اس نے اپنے راہداروں کو لکھا کہ
بہمنی پیامبر کو قصبۂ مرچ کے آگے قدم نہ بڑھانے دیں۔ سلطان کو یہ خبر معلوم ہوئی اور
نیز خوجی بادہی اس کے پاس آ گئی بادشاہ نے بہادر گیلانی کی سرکوبی کے لئے جلد سے جلد
سفر کی منزلیں طے کیں۔ محمود شاہ قلعۂ جام کھنڈی پہنچا اور قطب الملک دکنی طرفدار تلنگانہ کو
قلعہ کی تسخیر پر مامور کیا گیلانی کے سپاہی جو قلعہ میں مقیم تھے برج پر چڑھکر قطب الملک سے
آمادہ بہ پیکار ہوئے۔ لڑائی کے دوران میں ایک تیر قطب الملک کے سینہ پر لگا اور وہ
راہی عدم ہو گیا۔ محمود شاہ نے اس کا تابوت پائے تخت کو روانہ کیا اور سلطان قلی
خواص خاں ہمدانی کو قطب الملک کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور کوٹگر دور کی اور نیز
چند دیگر پرگنے تلنگانہ اس کی جاگیر میں عطا کئے اسی زمانہ میں قلعہ کو اماں نامہ دیکر فتح کیا
اور یوسف عادل کے ملازموں کو سپرد کر کے خود منگلیر روانہ ہوا۔ بہادر گیلانی یوسف عادل
کے خوف سے منگلیر میں مقیم تھا اور اس کی مزاحمت کر رہا تھا لیکن قبل اس کے کہ شاہی
لشکر منگلیر پہنچے بہادر وہاں سے فرار ہوا۔ محمود شاہ نے منگلیر کے قلعہ پر جسے حال ہی میں بہادر
نے تعمیر کرایا تھا دو یا تین روز کے عرصہ میں قبضہ کر لیا اور قاسم برید کی صلاح کے موافق مرچ
روانہ ہوا بہادر گیلانی کے بعض سردار جو دو یا تین روز کے عرصہ میں قلعہ کے اندر آ کر پناہ گزیں
ہوئے تھے پھر قاسم برید کی مدافعت پر آمادہ ہوئے اور قصبہ کے ضابطہ نے میدان
میں نکلکر حریف کا مقابلہ کیا لیکن اکثر معرکۂ جنگ میں کام آئے اور بقیہ زخمی سانپ کی طرح
قلعہ کے سوراخ میں گھس کر حصار میں پناہ گزیں ہو گئے۔ جب یہ نوبت پہنچی تو قاسم برید
اور بقیہ امیروں نے صلاح یہ دی کہ مورچل کو تقسیم کر لیں اور قلعہ کے چاروں طرف نیچے کی
جانب نقب کھودیں تاکہ قلعہ کا پانی خندق میں گر جائے اور اہل قلعہ پانی نہ ہونے سے
ہلاک ہو جائیں اور نیز یہ کہ ہر برج کے محاذ میں ایک دوسرا برج تیار کریں۔ قلعہ کے

ضابطہ نے راہ فرار مسدود دیکھی اور عاجزی سے اماں کا طلب گار ہوا بادشاہ نے قاسم برید
کی صلاح کے موافق اسے اماں دی بہادر گیلانی کے نائب سے دو سو عراقی اور عربی گھوڑے
مع بے شمار ہتھیار کے بادشاہ کے ہاتھ آئے بادشاہ نے بہادر کے سپاہیوں کی بابت حکم
دیا کہ جو شخص بادشاہ کی نوکری کرے اس کو گھوڑا اور چارہ و جاگیر دیجائے اور جو سپاہی
بہادر گیلانی کے پاس جانا چاہے راہ دار اس سے باز پرس نہ کریں مغلوں نے بادشاہ سے
عرض کیا کہ ہم کس منہ سے بہادر گیلانی کے پاس جائیں ہتھیار اور گھوڑے ہم نے اپنے
ہاتھوں سے کھودئے اور قلعہ حریف کے سپرد کر دیا اس زندگی سے تو موت بہتر ہے
اگر بادشاہ ہمارے قتل کا حکم دے تو ہم عنایت سلطانی کے شکر گزار ہوں گے۔
محمود شاہ کو ان مظلوموں کا خلوص بیحد پسند آیا اور اس نے حکم دیا کہ ہتھیار اور گھوڑے
ان کو واپس کر دئے جائیں اور یہ لوگ بہادر گیلانی کے پاس روانہ کر دئے جائیں۔ محمود شاہ
اسی زمانہ میں فوراً قصبہ پاوہ کو روانہ ہوا۔ بہادر گیلانی کے بعض دوست بادشاہ کے
لشکر میں موجود تھے ان لوگوں نے اسے پیغام دیا کہ بادشاہ تم پر مہربان ہے اگر پیشکش
بھیجکر عذر خواہی کرو تو یقین ہے کہ محمود شاہ یہ ممالک تم کو عنایت کر کے اپنے ملک کو
واپس جائے گا۔ بہادر گیلانی نے ابتدا میں دوستوں کی نصیحت سنی اور خواجہ نعمت اللہ تبریزی
کو جو صاحب وقعت شخص تھا بادشاہ کے لشکر میں روانہ کیا جس روز خواجہ نعمت اللہ
بادشاہ کی بارگاہ میں پہنچے حسن اتفاق سے اسی دن خدا کے فضل سے بادشاہ کے محل میں ایک
بیٹا پیدا ہوا یہ دن رجب کی ستائیس تاریخ تھی بادشاہ نے فرزند کو احمد کے نام سے موسوم کیا
اور بیٹے کے سر پر تاج رکھکر جشن عشرت منعقد کی۔ محمود شاہ نے قاسم برید کی رائے سے
خواجہ نعمت اللہ کے آنے کو بہانہ بنایا اور بہادر گیلانی کے قصور معاف کئے اور کہا کہ
اگر بہادر گیلانی خدمت شاہی میں حاضر ہو کر دو سلسلہ فیل و مقررہ مال خزانہ شاہی میں
داخل کرے تو اس کے مقبوضہ ممالک اسے واپس کر دئے جائیں گے۔ خواجہ نعمت اللہ
نے بہادر گیلانی کو لکھا کہ جلد سے جلد آستانہ شاہی پر حاضر ہو کہ اس کا معروضہ قبول ہو گیا
ہے۔ خواجہ کا خط بہادر کے پاس پہنچا اور بہادر پھر غرور و تکبر کی نشہ میں سرشار ہوا اور اس نے
بادشاہ کی اس درخواست کو محمود شاہ اور قاسم برید کی عاجزی پر محمول کیا اور یہ کہا کہ
میرا ارادہ ہے کہ امسال احمد آباد بیدر میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوا کر دوسرے سال

احمد آباد گجرات میں بھی اپنے ہی نام کا خطبہ و سکہ جاری کردں حالانکہ قاسم برید اگر بہادر گیلانی کو تباہ بھی کردے گا تو یوسف عادل بادشاہ کی واپسی پر ان مفتوحہ ممالک پر قبضہ کرلے گا۔
بہرنوع بادشاہ نے یہ خبر بد سنا اور یادہ سے کلہر روانہ ہوا بادشاہ نے کلہر کا قلعہ بھی جو بہادر کے مقبوضات میں تھا سر کیا اور قصبہ کو غارت کرکے بہادر کے تباہ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ بہادر گیلانی نے مرج اور کلہر کے قلعوں کی فتح سے حیرت میں مبتلا ہوا اور سمجھا کہ اس نے اپنی نادانی سے بہت بڑی غلطی کی ہے اسی دوران میں ملک شمس الدین طارمی نے جو بہادر کی طرف سے دابل کا حاکم تھا کلہر کی تباہی کی خبر سنی اور اسی نواح کے امیروں کے ہمراہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ بہادر گیلانی اب اور زیادہ پریشان ہوا اور اس نواح کے مضبوط ترین حصار یعنے پنالہ میں اس نے پناہ لی چونکہ اس قلعہ کو آسانی سے فتح کرنا ممکن نہ تھا اس لئے بادشاہ نے کولاپور کا رخ کیا تاکہ بندر دابل کے سیر و تفریح اور دریا کے تماشہ میں کچھ دن بسر کرے۔ بہادر گیلانی اپنے خیال باطل میں پنالہ کے قلعہ سے نکلا اور اس نے جلد سے جلد اپنے کو کولاپور پہنچایا تاکہ سر راہ بادشاہ کا مزاحم ہو کر اس سے صف آرائی کرے لیکن آخر کار شاہی دبدبہ سے خوف زدہ ہو کر لشکر کا بہت بڑا حصہ اس سے جدا ہو گیا جن میں سے بعض تو بادشاہ سے آملے اور بعضوں نے یوسف عادل کے دامن میں پناہ لی۔ محمود شاہ نے قاسم برید کی صلاح کے موافق فخر الملک دکنی المخاطب بہ خواجہ جہاں حاکم پرینڈہ کو جو اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ تھا عین الملک اور میمنہ خاں احمد نظام الملک کے سر لشکر کے ہمراہ قلعۂ پنالہ کے انتظام اور اس نواح کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ اس مہم کا مقصود یہ تھا کہ بہادر گیلانی قلعۂ پنالہ میں دوبارہ پناہ گزیں نہ ہو سکے محمود شاہ خود کولاپور پہنچا یہ زمانہ موسم برسات کا تھا بادشاہ نے چند دنوں کولاپور میں قیام کیا بہادر گیلانی کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی اور اس کا غرور و تکبر تھوڑی دیر کے لئے کافور ہوا اور اس نے راہ عجز و ندامت اختیار کی بہادر نے خواجہ نعمت اللہ تبریزی اور خواجہ مجد الدین کے وسیلہ سے دو بادشاہ کے حضور میں عریضہ روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ اگر قول نامہ دستخط مبارک سے مزین ہو کر فدوی کو مرحمت ہو اور نیز اس پر قاسم برید اور دوسرے اعیان مملکت کی مہریں بھی ثبت ہوں تو خدمت شاہی میں حاضر ہو کر اپنی بقیہ زندگی اطاعت اور اخلاص کے ساتھ بادشاہ کے سایۂ عاطفت میں بسر کروں اور پھر کبھی نمک حرامی کا خیال تک دل میں نہ لاؤں۔

بادشاہ نے رفع فساد کا خیال کیا اور اس مرتبہ بھی بہادر گیلانی کا معروضہ قبول کر کے عہد نامہ
خواجہ نعمت اللہ تبریزی کے حوالہ کیا بلکہ تبریزی کی التجا کے مطابق صدر جہاں اور قاضی زین الدین
کو بھی بہادر گیلانی کے مزید اطمینان کے لئے خواجہ نعمت اللہ کے ہمراہ روانہ کیا۔ یہ گروہ
اس دریا کے کنارہ پہنچا جو بادشاہ اور بہادر کے درمیان حائل تھا خواجہ نعمت اللہ نے
دریا کو عبور کر کے سب سے پہلے بہادر گیلانی سے ملاقات کی اور بادشاہ کی مہربانی اور
اعیان دولت کی آمد کا اسے مژدہ سنایا لیکن اس مرتبہ بھی بہادر کی رائے برگشتہ ہوگئی
اور اس نے راہ راست اختیار نہ کی۔ خواجہ عنایت اللہ مع اپنے ہمراہیوں کے واپس
آئے اور انھوں نے حقیقت حال سے لوگوں کو آگاہ کیا اور اسی دوران میں قدم خان اور
قطب الملک بھی دریا کو عبور کر کے بہادر کے پاس پہنچے اس نے اس گروہ کے سردار کی
اگرچہ تعظیم و تکریم بیحد کیا لیکن اس کے دل نے ان لوگوں کی بھی نصیحت نہ قبول کی یہ لوگ بھی
ناکام واپس آئے مشرف الملک صدر جہاں اور قاضی زین الدین بھی بہادر کے پاس گئے
اور ان صاحبوں نے بھی نصیحت کرنے میں دریغ نہیں کیا لیکن چونکہ بہادر راہ حق سے کوسوں
دور تھا اس کی قسمت نے اس وقت بھی اسے سنبھلنے نہ دیا اور یہ برگشتہ بخت پھر دفع الوقتی
کرنے لگا بہادر نے کہا کہ اگر بادشاہ خود اپنے ملک کو واپس جائے اور خواجہ پنالہ کے محاصرہ
سے دست بردار ہو جائے تو میں بادشاہ کی ملازمت وہیں آکر حاصل کروں گا غرضکہ یہ سب
لوگ واپس آئے اور محمود شاہ نے مجبوراً فخر الملک دکنی المعروف بہ خواجہ جہاں کو پنالہ سے
طلب کیا اور اسے خلعت خاص اور کمر مرصع سے سرفراز فرما کر خواجہ جہاں کو بہادر کی سرکوبی
پر متعین کیا۔ خواجہ جہاں قطب الملک اور دیگر امرا کے ساتھ جو پنالہ کی مہم میں اس کے
ہمراہ تھے روانہ ہوا۔ بادشاہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں بہادر گیلانی پھر قلعۂ پنالہ میں پہنچ جائے
اور مہم سر کرنے میں تاخیر ہو محمود شاہ نے قطب الملک کو پنالہ کے محاصرے کا حکم دیا۔
خواجہ جہاں بہادر گیلانی کے جوار میں پہنچا اور دوسرے روز اپنی صفیں آراستہ کر کے
لڑنے پر تیار ہو گیا۔ بہادر بھی غرور اور تکبر کے نشہ میں سرشار اپنے دو ہزار سواروں جن میں
اکثر گیلانی۔ مازندرانی۔ عراقی اور خراسانی لوگ تھے اور پندرہ ہزار پیادوں اور ہتھیار
توپوں اور تیر و تفنگ کے ساتھ خواجہ جہاں کے مقابلہ میں آیا اثنائے جنگ میں ایک
تیر کمان قضا سے نکلا اور بہادر کے پہلو کو چھیدتا ہوا دوسری طرف سے نکل گیا تیر لگتے ہی

خواجہ جہاں کے بھائی زین خاں یا احمد نظام الملک کے سپہ سالار مینہ خاں نے نیزے
کی ضرب سے اُسے نیچے گرا دیا اور خواجہ جہاں اس مغرور کا سر تن سے جدا کر کے کامیاب
و بامراد واپس آیا بادشاہ نے خواجہ جہاں کو دوبارہ خلعت خاص کمر مرصع ایک
اسپ تازی اور ایک ہاتھی کے عطیات سے سرفراز فرما کر لفظ مخدوم کا اس کے
خطاب پر اضافہ کیا۔ دو تین روز کے بعد بادشاہ پنالہ کے قلعہ میں گیا اور حصار کی سیر
و تفریح میں مشغول ہوا۔ محمود شاہ نے عین الملک کنعانی کو بندر گوہ بھیجا تاکہ عین الملک
بہادر گیلانی کے بھائی ملک سعید کو تسلی و تشفی دیکر اس سے نمک حرام بہادر کا تمام
مال و اسباب بادشاہ کے پاس لے آئے۔ محمود شاہ نے قاسم برید کی رائے کے موافق
بہادر گیلانی کی تمام جاگیر عین الملک کنعانی کو عطا کی اور خود اپنے چند مقرب درباریوں
کے ساتھ جن میں قاسم برید بھی شامل تھا بندر دابل چلا گیا اور ساحل دریا کی سیر کر کے
مراجعت پر آمادہ ہوا۔ بادشاہ بیجاپور کے حوالی میں پہنچا اور یوسف عادل نے
قاصد بھیجکر محمود شاہ سے بیجاپور آنے کی درخواست کی بادشاہ نے لشکر کو پائے تخت
روانہ کر دیا اور خود اپنے چند مخصوص درباریوں کے ساتھ جن میں قاسم برید بھی تھا
بیجاپور پہنچا اور کالا باغ میں جو ملک التجار محمود گاواں کا لگایا ہوا تھا مقیم ہوا اور عیش و عشرت
میں مشغول ہو گیا۔ یوسف عادل نے بادشاہ کی ضیافت اور مہمانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی
اور بڑی کشادہ دلی سے اس خدمت کو انجام دیا۔ محمود شاہ دو یا تین ہفتے کے بعد احمد آباد بیدر
واپس آیا اور قاسم برید کی رائے سے محمود شاہ گجراتی کے قاصدوں کو تازی گھوڑے
اور روپئے اور اشرفیاں عنایت کیں اور تمام مورخین کی متفقہ روایت کے موافق
پانچ من مروارید بوزن دہلی اور پانچ ہاتھی اور ایک خنجر مرصع سوغات کے طور پر محمود شاہ گجراتی
کے لئے روانہ کیا۔ بادشاہ نے کمال خاں صفدر خاں اور دوسرے گجرات کے باشندوں کو
جو بہادر گیلانی کے قیدی تھے مع چوبیس جہازوں کے جن کو بہادر نے غارت کیا تھا محمود شاہ
کے آدمیوں کے سپرد کیا۔ ۸۹۰ھ ہجری میں بادشاہ نے ملک قطب الملک ہمدانی کو جو سلاطین قطب شاہیہ کا جد اعلیٰ
ہے تمام تلنگانے کا طرفدار مقرر کیا اور گولکنڈہ اور ورنگل دو شہروں کا اس کی جاگیر پر اضافہ کیا۔
دستور دینار حبشی جو قطب الملک کے قتل کے بعد تلنگانے کا طرفدار مقرر کیا گیا تھا معزول کیا گیا اور سلطان محمد شاہ بہمنی
کے عہد کے موافق حسن آباد گلبرگہ ساغر اور اسکے مضافات اسکی جاگیر میں دیئے گئے۔ بادشاہ کو یہ سمجھا دیا گیا تھا کہ منصب الامرائی کے واسطے وہ دگا

ہو کر باغی ہو جاتے ہیں محمود شاہ نے قاسم برید کی رائے سے علاوہ امیروں کے تمام
منصبداروں کو جو دستور دینار حبشی کے گرد جمع تھے اس سے جدا کر کے ان کو خاصہ خیل کے
گروہ میں داخل کیا۔ محمود شاہ کے وقت سے لیکر اس زمانے تک دکن کے منصبدار امرا
کے گروہ میں داخل نہیں سمجھے جاتے اسی طرح سلاحدار بھی لشکر خاصہ میں شامل نہیں اور ان کو
سرگروہ اور حوالہ دار کہتے ہیں۔ سید اشرف دکنی جو سلطان محمود کا ملازم خاص تھا بیان
کرتا تھا کہ دوصدی سے پانصدی تک کے لوگ منصبدار اور اس سے زیادہ کے ارکین امرا
سمجھے جاتے تھے۔ دستور دینار حبشی منصبداروں کے جدا ہو جانے سے رنجیدہ ہوا اور عزیز الملک دکنی
کی موافقت سے اس نے بغاوت شروع کی۔ دستور نے سات یا آٹھ ہزار دکنی اور حبشیوں
کا ایک گروہ اپنے گرد جمع کیا اور بغیر شاہی حکم کے تلنگانے کے بہت سے شہروں پر جو گلبرگے
سے قریب تھے قابض ہو گیا۔ محمود شاہ نے قاسم برید کی صلاح سے یوسف عادل سے مدد
مانگی اور عادل شاہ نے دستور پر لشکر کشی کی بادشاہ اور قاسم برید بھی یوسف عادل سے جا ملے۔
دستور دینار اور عزیز الملک بھی اپنے تمام ہی خواہوں کے ساتھ قصبۂ جھندری کے قریب
اپنی فوجیں آراستہ کر کے بادشاہ کے مقابلے میں صف آرا ہوئے۔ طرفین سے لڑائی کا
بازار گرم ہوا۔ لیکن حبشیوں پر ادبار نازل ہوا اور یوسف عادل کی ہمت مردانہ سے جو
میمنۂ شاہی کا سردار تھا باغیوں کو شکست ہوی۔ دستور دینار زندہ گرفتار کیا گیا۔ بادشاہ
نے دستور دینار کے قتل کا حکم دیا یوسف عادل نے دستور کی سفارش کی اور محمود شاہ نے
اس کا خون معاف کر کے حسن آباد گلبرگہ کے مضافات اور ساغر وغیرہ اس کی جاگیر میں
مرحمت فرمائے بادشاہ نے بہادر گیلانی کا تمام مال جو اس کی سرکار میں جمع ہوا تھا واپس
کیا اور خود قلعۂ ساغر کو روانہ ہوا۔ چونکہ معرکۂ جنگ کے بعض فراری قلعۂ ساغر میں پناہ گزیں
تھے بادشاہ نے حصار کا محاصرہ کر لیا۔ شاہی فوج کے بہادر سپاہیوں نے پہلے ہی حملے میں
حصار اول کو فتح کر لیا۔ اہل قلعہ حصار بالائی میں پناہ گزیں ہوئے لیکن چونکہ شاہی لشکر سے
مقابلہ نہ کر سکتے تھے چند دنوں انھوں نے قیام کیا اور بعد کو قلعہ بادشاہ کے سپرد کر دیا۔
محمود شاہ نے قلعہ یوسف عادل کے سپرد کیا اور خود پایۂ تخت کو روانہ ہو گیا۔

سنہ ۹۰۲ ہجری میں یوسف غلام دکنی تقرش خاں دکنی مرزا شمس الدین اور
نعمت اللہ اور دوسرے امیروں نے جو بادشاہ کی درگاہ میں معزز مکرم تھے مع دیگر ترکی

امرائے شاہی کے ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کی بیعت کی۔ قاسم برید اور ان کے علاوہ دوسرے ترکی امیر ان کے اتفاق و اتحاد سے آگاہ ہوئے اور کسی واقعے کے ظہور کے قبل اس کا علاج ضروری سمجھے۔ ان لوگوں نے مرزا شمس الدین۔ تغرش خاں اور یوسف غلام دکنی کو ان کے تمام بہی خواہوں کے ہمراہ قتل کیا اور دوسرے ترکوں اور دکنیوں کی جو سازش میں شریک تھے تباہی اور قتل میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ بادشاہ خود مستعد ہوا اور اس نے قتل و غارتگری میں پورا حصہ لیا اس ظلم پر اضافہ یہ ہوا کہ محمود شاہ ترکوں سے بیحد رنجیدہ ہوا اور ایک مہینے تک ان کا سلام بند کر دیا لیکن آخر میں شاہ محب اللہ نے ان کی سفارش کی اور ترکی امرا نے بادشاہ کی قدمبوسی حاصل کر کے معذرت چاہی بادشاہ نے مجبوراً ان کا قصور معاف کیا۔ محمود شاہ ان واقعات کے بعد بھی عیش و عشرت میں مشغول ہوا اور ایسا اس میں منہمک ہوا کہ اس کی ہیبت اور شوکت لوگوں کے دلوں سے اُٹھ گئی۔

۹۰۳ھ ہجری میں محمود شاہ نے بی بی ستیتی یوسف عادل کی یکسالہ دختر کو شاہزادہ احمد کی زوجیت کے لئے جو اس وقت چہار سالہ تھا خواستگاری کی غرضکہ بڑی گفت و شنید اور طرفین سے امیروں کی آمد و رفت کے بعد بادشاہ اور یوسف عادل حسن آباد گلبرگے میں جمع ہوئے اور جشن عروسی ترتیب دیا گیا۔ اسی جشن کے اثنا میں قاسم برید اڈیسہ وادگیر سے فخر الملک دکنی المخاطب بہ خواجہ جہاں قلعۂ پرندہ سے حاضر ہو کر بادشاہ کی حضوری میں باریاب ہوئے اور ان امیروں کے سامنے قاضی لشکر مولوی عبد السمیع نے خطبہ نکاح پڑھا اور یہ طے پایا کہ جب دلہن دس سال کی ہو جائے اس وقت شاہزادہ کے سپرد کر دی جائے۔ جشن عروسی ختم نہ ہوا تھا کہ دستور دینار اور یوسف عادل کے درمیان اقطاع گلبرگہ کی بابت جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا یوسف عادل کا مقصود تھا کہ حسن آباد گلبرگے کے مضافات مع النّدوگنجوٹی اور کلیان کے اس کے سپرد رہیں تاکہ بادشاہ کے مقبوضات اور عادل خانی جاگیر میں کوئی دوسرا حائل نہ ہو اور دونوں مضافات ایک دوسرے سے ملحق رہیں۔ دستور دینار یہ چاہتا تھا کہ بیجاپور سے دریائے بھتورہ کے کنارے تک عادل خانی قبضہ رہے اور حسن آباد و ساگر وغیرہ تلنگانے کی سرحد تک اس کی جاگیر میں داخل رہیں۔ بادشاہ کو ان باتوں میں کوئی دخل

نہ تھا دستور دینار نے قاسم برید کے دامن میں پناہ لی اور قاسم برید اور یوسف عادل خاں میں سخت گفتگو ہوئی۔ قطب الملک ہمدانی نے اتحاد مذہب کی وجہ سے یوسف عادل کا ساتھ دیا۔ قاسم برید اس واقعے سے خوف زدہ ہوا اور اپنے فرزند اکبر۔ جہانگیر خاں۔ دستور دینار اور خواجہ جہاں کو ہمراہ لے کر النندوچ چلا گیا۔ یوسف عادل قطب الملک ہمدانی اور عین الملک نے جشن عروسی کو بالائے طاق رکھا اور بادشاہ کے ہمراہ اس گروہ کی تنبیہ کے لئے روانہ ہوئے گنجوٹی کے نواح میں دونوں گروہوں میں جنگ ہوئی اور اگرچہ ملک الیاس اور عین الملک قتل کئے گئے لیکن اس پر بھی قاسم برید اور فخر الملک دکنی شکست کھا کر اڈیسہ اور پرینده چلے گئے یوسف عادل کا استقلال اور زیادہ ہوا اور اس کی عظمت و شوکت اس حد کو پہنچ گئی کہ بادشاہ اس کی موجودگی میں تخت پر نہیں بیٹھتا تھا۔ عین الملک کے فرزند اکبر میاں محمد نے یوسف عادل کی سفارش پر باپ کی جاگیر پر قبضہ پایا اور اس واقعہ کے بعد بادشاہ اور یوسف عادل اپنے اپنے مستقر کو روانہ ہو گئے۔ قاسم برید پھر بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور عہدۂ وکالت پر فائز ہوا اس مرتبہ قاسم برید نے ایسا شدید انتظام کیا کہ بادشاہ کو پیاس کی شدت میں پانی بھی بلا اس کی اجازت کے نہ ملتا تھا۔

سنہ ۹۰۹ ہجری میں یوسف عادل نے دستور دینار پر لشکر کشی کی۔ دستور گلبرگے سے بھاگا اور اس نے قاسم برید کے دامن میں پناہ لی اور قاسم برید کی رائے سے قطب الملک ہمدانی کے پاس چلا گیا۔ ملک احمد نے دستور کی اعانت کی اور یوسف عادل اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ پا کر بیدر پہنچا بادشاہ نے ملک احمد کو ایک نامہ لکھا جس میں اسے دستور کی امداد سے منع کیا۔ ملک احمد نے شاہی فرمان کا ادب و لحاظ کیا اور یوسف عادل کے پرگنات کی غارتگری سے باز آیا۔ نظام الملک نے ایک عریضہ بادشاہ کے حضور میں روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ دستور دینار حسن آباد گلبرگے کا جاگیردار اور خاندان شاہی کا قدیم نمکخوار ہے۔ یوسف عادل ہمیشہ دستور کی دشمنی اور اس کی تباہی پر کمر بستہ رہتا ہے اگر فرمان شاہی اس مضمون کا صادر ہو کہ آئندہ سے اس قسم کا فتنہ و فساد پھر نہ برپا ہو تو ذرہ نوازی اور مرحمت شاہی سے بعید نہ ہوگا۔ یوسف عادل نے بادشاہ کے حکم سے اس مرتبہ دستور کو اماں دی۔

سنہ ۹۱۰ ہجری میں قاسم برید فوت ہوا اور اس کا فرزند امیر برید باپ سے بھی

زیادہ مہات سلطنت میں دخیل ہوا اور بادشاہ کو بالکل معطل کردیا۔ اسی سال یوسف عادل نے میاں محمد فرزند عین الملک کو اپنے ساتھ لیا اور دستور دینار پر حملہ کرکے اسے قتل کیا اور اس کی جاگیر پر قابض ہوگیا یوسف عادل نے مذہب شیعہ کا خطبہ بیجاپور میں پڑھوایا۔ اور جو امر کہ ظہور اسلام سے اس وقت تک ہندوستان میں نہ ہوا تھا وہ کر دکھایا۔ دکن کے تمام باشندے یوسف عادل سے نفرت کرنے لگے محمود شاہ نے امیر برید کے مشورہ سے قطب الملک ہمدانی فتح اللہ عماد الملک اور خداوند خاں حبشی وغیرہ کو ایک فرمان لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ یوسف عادل کسی طرح بھی اطاعت قبول نہیں کرتا اور اس نے بری طرح سے بغاوت پر کمر باندھی ہے اور ملک میں امامیہ مذہب کو جاری کیا ہے اس فرمان کے پہنچتے ہی تم لوگ آستانۂ شاہی پر حاضر ہو۔ محمود شاہ نے ہر فرمان کے حاشیے پر اپنے قلم سے نستعلیق خط میں شعر بھی اس مضمون کا لکھدیا۔

به اسباب حشمت چناں غره شد　　　که خورشید در چشم او ذره شد

قطب الملک ہمدانی تمام تلنگانے کے امرا کے ساتھ آستانۂ شاہی کو روانہ ہوا فتح اللہ عمادی اور خداوند خاں حبشی نے تساہل کرکے معذرت چاہی بادشاہ اور امیر برید پریشان ہوے اور انھوں نے ملک احمد نظام الملک سے مدد مانگی۔ ملک احمد نظام الملک اور فخر الملک دکنی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ بیدر روانہ ہوے اور سلطان کے پاس پہنچ گئے یوسف عادل نے جنگ میں مصلحت نہ دیکھی اور ساغر و حسن آباد و النداراکو دریا خاں اور فخر الملک کے سپرد کیا۔ اور اپنے فرزند اسمعیل عادل کو جو طفل شیر خوار تھا کمال خاں سر نوبت دکنی اور دوسرے امیروں کے ساتھ مع ہاتھی اور خزانے کے بیجاپور بھجوادیا کہ یہ لوگ قلعے میں قیام پذیر ہوکر ملک کے انتظام و سیاست میں پوری کوشش کریں اور خود پانچہزار سواروں کے ساتھ برار روانہ ہوگیا۔ محمود شاہ امیر برید ملک احمد نظام الملک فخر الملک دکنی اور قطب الملک ہمدانی نے یوسف عادل کا تعاقب کیا اور جس منزل سے یوسف عادل کوچ کرتا تھا یہ لوگ دوسرے دن اسی منزل قیام کرتے تھے یہاں تک کہ کاویل میں جو فتح اللہ عماد الملک کا قیام گاہ تھا پہنچے فتح اللہ عماد الملک نے اس وقت یوسف عادل کی مدد کرنا مناسب

نہ خیال کیا اور کہا کہ چونکہ بادشاہ خود اس فوج کے ساتھ ہے یہ امر پاس ادب سے دور ہے کہ
میں اس کے مقابلے میں صف آرائی کروں بہتر یہ ہے کہ تم تھوڑے دنوں برہان پور میں قیام
کرو تاکہ ہم اس معاملہ کو کسی نہ کسی طرح طے کریں یوسف عادل خاں نے یہ بات قبول کرلی
اور برہان پور چلا گیا۔ فتح اللہ عماد الملک نے ملک احمد نظام الملک اور قطب الملک کے پاس
قاصد روانہ کئے اور انھیں پیغام دیا کہ امیر برید جس کو دکن کے عقلا روباہ صفت کہتے ہیں
یہ چاہتا ہے کہ یوسف عادل کا قدم درمیان سے اٹھا کر خود بیجاپور کے علاقے پر قبضہ کرے
اگر اس طرح امیر برید کی طاقت بڑھ گئی اور بادشاہ اس کے ہاتھ میں رہا تو نتیجہ اچھا نہ ہوگا
اور دوسروں کو بھی نقصان پہنچے گا میری صلاح یہ ہے کہ تم لوگ اپنے اپنے ملک کو واپس
جاؤ تاکہ میں بادشاہ کو بھی اس کے پائے تخت کی طرف روانہ کردوں ملک احمد نظام الملک
اور قطب الملک فتح اللہ عمادی کی رائے کے موافق بغیر بادشاہ سے اجازت حاصل کئے
میدان جنگ سے روانہ ہوگئے۔ فتح اللہ عمادی نے بادشاہ کو اس مضمون کا ایک عریضہ
لکھا کہ مناسب یہ ہے کہ بادشاہ اپنے ملک کو مراجعت فرمائیں اور یوسف عادل کی
خطاؤں کو معاف فرمائیں۔ محمود شاہ نے امیر برید کی ترغیب سے فتح اللہ کے معروضے پر
خیال نہ کیا اور برید کو ساتھ لیکر بیجاپور پر لشکر کشی کی تاکہ ملک کو یوسف عادل کے قبضے سے
نکال لے یوسف عادل نے سنا کہ احمد نظام الملک اور قطب الملک بادشاہ سے جدا ہوگئے۔
یوسف عادل برق و باد کی طرح برہان پور سے روانہ ہوا اور عماد الملک کے پاس پہنچ گیا
یوسف عادل اور فتح اللہ نے بالاتفاق امیر برید پر لشکر کشی کی امیر برید نے اپنے میں
مقابلے کی طاقت نہ دیکھی اور اسباب و مال کو میدان میں چھوڑا اور سلامتی جان کو غنیمت
سمجھکر بادشاہ کے ہمراہ بیدر روانہ ہوگیا۔ یوسف عادل فتح اللہ عماد الملک فخر الملک دکنی
المخاطب بہ خواجہ جہاں نے اپنی اپنی طبعی موت سے ۹۱۶ھ ہجری میں وفات پائی اور
ان کی اولاد جیسا کہ مفصل بیان ہوگا حکمرانی کے مرتبہ تک پہنچی۔ امیر برید بیجاپور کی
حکومت کو اپنی میراث جانتا تھا اس نے اس شہر کے فتح کرنے میں پوری کوشش کی لیکن
تمام تدبیریں بیکار گئیں اور کچھ اثر مترتب نہ ہوا اور عادل شاہی خاندان میں حکومت
اس زمانے سے لیکر آج کی تاریخ تک جو ۱۰۲۳ھ ہجری ہے برابر چلی آرہی ہے ۹۱۵ھ ہجری
میں قطب الملک ہمدانی کو شاہی کی ہوس دامنگیر ہوئی اور اس نے بادشاہ کا نام خطبے سے

حذف کرکے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا اور پانچوں وقت نوبت شاہی بجوانے لگا۔ قطب الملک پانچہزار ہون ہر مہینے خفیہ طور پر بادشاہ کے لئے اس کے پاس بھجوا دیتا تھا۔

سنہ ۹۲۰ ہجری میں امیر برید نے سودائے خام اپنے دماغ میں پکایا اور فتح اللہ عماد الملک اور قطب الملک ہمدانی کو فریب دیکر خزانہ بہمنیہ کا دروازہ کھولا اور بادشاہ کو ساتھ لیکر پائے تخت سے روانہ ہوا امیر برید نے دستور دینار کے خوانندہ پسر مسمی جہانگیر خاں کو دستور الملک کا خطاب دیا اور حسن آباد گلبرگہ کو جسے یوسف عادل کے قبضہ سے نکالا تھا اس کی جاگیر میں دیا۔ دستور الملک نے تھوڑے ہی زمانے میں دو تین ہزار دکنی اور حبشی سواروں کو اپنے گروہ میں جمع کرلیا اور دریائے بہورہ کے اس پار کے قلعوں کے علاوہ تمام ملک بیساغر سے نلدرک تک اپنا قبضہ کرلیا اس یورش میں شاہ اور امیر برید نے برہان نظام الملک بحری اور قطب الملک ہمدانی سے مدد طلب کی اور بیس ہزار کی جمعیت سے دریائے بہورہ کو عبور کیا اور جلد سے جلد بیجاپور پہنچ گیا اسمعیل عادل نے بھی اپنا لشکر مرتب کرکے الندا پور کے قصبے میں جو بیجاپور کے کنارے واقع ہے دشمنوں سے مقابلہ کیا اور امیر برید بحال تباہ حریف کے سامنے سے بھاگ کھڑا ہوا۔ محمود شاہ گھوڑے سے گر کر زخمی ہوا بادشاہ مع شاہزادہ احمدؐ کے معرکہ کارزار میں ہی مقیم رہا اسمعیل عادل نے بادشاہ کے ساتھ خادمانہ برتاؤ کیا اور اس کے مرتبے کے موافق محمود شاہ کی تعظیم و تکریم کی اور چاہا کہ بادشاہ کو بیجاپور میں لے آئے لیکن محمود شاہ نے بکمال ندامت کی وجہ سے شہر میں قیام کرنے سے انکار کیا اور قصبۂ الندا پور میں مقیم رہا۔ مرزا لطف اللہ ولد شاہ محب اللہ زخموں کی مرہم پٹی میں مشغول ہوا اور وفاداری کے ساتھ پسندیدہ خدمات بجالایا۔ چند دنوں کے بعد بادشاہ اسمعیل عادل کے ہمراہ حسن آباد گلبرگے گیا اور بہت بڑا جشن عروسی منعقد کرکے اسمعیل عادل کی خواہر بی بی ستی کو جو شاہزادہ احمدؐ کے نکاح میں تھی شوہر کے سپرد کیا۔ بادشاہ نے اسمعیل عادل سے چار ہزار مغل سواروں کی امدادی فوج اپنے ساتھ لی اور احمدؐ آباد بید ر روانہ ہوا امیر برید نے شہر کو خالی کرکے اڈیسے میں پناہ لی اور بادشاہ اطمینان کے ساتھ شہر میں قیام پذیر ہوا اسمعیل عادل کے امیروں نے سنا کہ امیر برید نے برہان نظام الملک بحری کے دامن

میں پناہ لی ہے اور ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ احمد آباد بیدر آرہا ہے ان امیروں
نے اب زیادہ قیام مناسب نہ سمجھا اور جلد سے جلد واپس ہوئے امیر برید بعجلت تمام
احمد آباد بیدر پہنچا اور حسب دستور سابق بادشاہ پر اُس نے پہرہ بٹھایا۔ اسمٰعیل عادل کی
قرابت کی وجہ سے امیر برید نے بادشاہ کی حفاظت میں اور زیادہ کوشش کی۔ بادشاہ
برید کی پاسبانی سے تنگ آگیا اور احمد آباد بیدر سے بھاگ کر علاؤالدین عماد الملک
کے پاس کاویل پہنچا اور اس سے مدد کا طلبگار ہوا علاؤالدین عماد الملک نے اس کی
بیحد عزت کی اور اسے بادشاہ بناکر محمود شاہ کے ساتھ امیر برید کے دفعیہ کے لیے روانہ
ہوا۔ عماد الملک بیدر کے قریب پہنچا اور امیر برید نے قلعہ بند ہو کر ملک احمد نظام الملک
سے مدد مانگی۔ نظام الملک نے فخر الملک دکنی المخاطب بہ خواجہ جہاں کو اس کی مدد کے لیے
روانہ کیا۔ امیر برید فخر الملک سے جا ملا اور اپنی فوجیں آراستہ کرکے مقابلے کے لیئے
تیار ہوا۔ عماد الملک نے بھی اپنی فوجیں ترتیب دیں اور حریف کے مقابلے میں
صف آرا ہوا لیکن صف آرائی کے وقت بادشاہ غسل میں مشغول ہوا عماد الملک نے
اپنے ایک معتمد مقرب کو محمود شاہ کی طلب میں روانہ کیا اور یہ پیغام دیا کہ معرکۂ کارزار کا
وقت قریب ہے جلد تشریف لائیے۔ قاصد نے بادشاہ کو غسل میں مصروف پایا اور
اعتراض اور طنز کے طور پر کہا کہ جو فرمانروا جنگ کے وقت نہانے میں مصروف ہوگا یقین
ہے کہ وہ امیروں کے ہاتھ میں شاہ شطرنج رہے گا۔ قاصد کی یہ بات بادشاہ نے سنی اور بیحد
غضب آلود ہو کر فوراً گھوڑے پر سوار ہوا جب میدان جنگ میں پہنچا تو گھوڑے پر تازیانہ
مارا اور امیر برید کے لشکر سے جا ملا۔ عماد الملک کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی اور وہ بے نیل مرام
اپنے ملک کو واپس گیا امیر برید کامیاب اور بامراد شہر میں داخل ہوا اور اس مرتبہ اس نے
بادشاہ کی ایسی پاسبانی کی کہ محمود شاہ کو پھر کبھی فرار کا موقع نہ ملا۔ بادشاہ نے مال و حکومت
سے ہاتھ دھو کر وہی زندگی اختیار کی جو سلطان سنجر نے امیروں کے ہاتھوں میں پھنس کر بسر
کی تھی۔ محمود شاہ کا شمار نہ زندوں میں تھا نہ مردوں میں اس لیئے کہ تمام کوتوال اور محافظ
امیر برید کے ہی خواہ اور اس کے مقرر کردہ تھے بادشاہ کے پاس سوا قصبۂ گلتھانہ کے
جو شہر سے دو کوس کے فاصلہ پر آباد ہے اور کوئی حصۂ ملک باقی نہ رہا باقی تمام شہروں پر
امیر برید کی حکومت تھی امیر برید اکثر قندھار اور اڈیسہ میں مقیم رہکر حکومت کرتا تھا اور

کبھی کبھی پایۂ تخت میں آکر بادشاہ سے بھی ملاقات کر لیا کرتا تھا اگر بادشاہ کبھی تنگیٔ معاش کی شکایت کرتا تو امیر برید جواب دیتا کہ وزیروں نے جو دکن کی اصطلاح میں امرا کہلاتے ہیں پایۂ تخت سے پانچ چھ کوس ادھر تک سارے ملک پر قبضہ کر لیا ہے جو تھوڑا بہت حصہ میرے پاس ہے وہ میرے لوازمۂ حشمت اور ہاتھیوں کے لئے خود کافی نہیں ہے محمود شاہ اور اس کا فرزند احمد شاہ دونوں باپ بیٹے کم عقل عیش پرست اور سیاست سے بے بہرہ تھے اور ہر دو فرمانروا دن رات عیش و عشرت میں مشغول اور خواب غفلت میں مبتلا رہتے تھے۔

سنہ ۹۲۳ھ ہجری میں خداوند خاں حبشی کے فرزند نے جو ماہور کا جاگیردار تھا چند مرتبہ قندھار اور اودگیر پر حملہ کر کے ان شہروں کو تباہ و ویران کیا امیر برید نے بادشاہ کو اپنے ساتھ لیا اور ماہور کا رخ کیا خداوند خاں کا فرزند اور اس کا پوتہ شرزہ خاں دونوں میدان جنگ میں کام آئے اور امیر برید غالب آیا اس واقعے کے بعد فتح اللہ عماد الملک نے اپنا لشکر جمع کیا اور ماہور پر قبضہ کرنے کے لئے امیر برید پر حملہ آور ہوا بادشاہ نے غالب خاں بن خداوند خاں حبشی کو ماہور کا جاگیردار مقرر کر کے اس ضلع کو بھی فتح اللہ عماد الملک کی نگرانی میں دیدیا اور بیدر واپس آیا محمود شاہ نے چوتھی ذی الحجہ سنہ ۹۲۴ھ ہجری کو وفات پائی اس بادشاہ نے باوجود فتنہ و فساد اور انقلاب کے سینتیس سال بیس روز حکمرانی کی۔

احمد شاہ بہمنی بن سلطان محمود شاہ بہمنی المعروف بہ احمد شاہ ثانی

امیر برید کے قبضے میں بہت تھوڑا ملک تھا اور اس کے ملازموں کی تعداد تین یا چار ہزار سے زیادہ نہ تھی اس امیر کو اطراف و نواح کے حاکموں کی طرف سے خطرہ تھا کہ کہیں یہ امیر بیدر کی حکومت کے طامع ہو کر اس پر لشکر کشی نہ کریں اس لئے مجبوراً احمد شاہ ولد محمود شاہ کو تخت حکومت پر بٹھا دیا اور اس کے نام کا سکہ و خطبہ جاری کیا احمد شاہ نے باپ کی تقلید شروع کی اور دن رات ساقی و شراب کے شغل میں بسر کرنے لگا امیر برید نے برائے نام اسے فرمانروا کیا اور ایک شاہی عمارت میں جو نہروں اور سبزہ زار و خوشنما درختوں سے معمور تھی اس کے قیام کے لئے مقرر کردیا شاہان بہمنیہ کا مرصع تاج اور محمود شاہ کی بساط شراب تنبور اس کے حوالہ کر دئے گئے امیر برید نے احمد شاہ کی روزانہ

عیش و عشرت کا سامان اور روزینہ مقرر کر دیا اور چند لوگوں کو بطور پاسبان مقرر کیا۔
اور انھیں حکم دیا کہ اغیار کو بادشاہ کے پاس محل کے اندر جانے نہ دیں اور نہ احمد شاہ کو
شاہی عمارت کے باہر آنے دیں۔ امیر برید کا مقرر کردہ وظیفہ بادشاہ کے لئے کافی
نہ تھا محمود شاہ کی وفات کے بعد قطب الملک نے بھی بادشاہ کا نذرانہ بند کر دیا تھا
اس لئے بادشاہ نے شاہان بہمنیہ کے تاج کو جس کی قیمت مبصروں نے چار لاکھ ہون
آنکی تھی خفیہ طور پر توڑا اور اس کے یاقوت و موتی اور الماس وغیرہ ان سوئے فروشوں کو
دئے جو اس کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے تاکہ ان جواہرات کی قیمت سے
سامان عیش و عشرت فراہم ہوتا رہے۔ امیر برید کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی اور
اس نے بے شمار سوئے فروش تہ تیغ کئے اور ہر چند کوشش کی لیکن بقیہ جواہرات کا
پتا نہ چلا اس لئے کہ جو شخص ان جواہرات کو خریدتا تھا وہ اسی خوف سے بیجاپور یا
کسی دوسرے شہر میں چلا جاتا تھا سلطان احمد شاہ نے خفیہ طور پر اسمٰعیل عادل کے پاس
قاصد روانہ کئے اور امیر برید کی سختیوں کی شکایت کی اسمٰعیل عادل نے ایلچی کو نفیس
اور نادر تحفوں کے ساتھ احمد آباد بیدر روانہ کیا اور زبانی پیغام بھی کہلا بھیجا لیکن
ایلچی پائے تخت پہنچا بھی نہ تھا کہ احمد شاہ ثانی نے دو سال ایک ماہ حکومت کر کے
سنہ ۹۲۶ھ ہجری میں زہر یا اجل طبعی سے وفات پائی۔

علاء الدین
سلطان احمد شاہ

احمد شاہ بہمنی نے وفات پائی اور امیر برید ظاہر اعزاداری اور
ماتم کے لوازم بجا لایا۔ امیر برید نے تقریباً دو ہفتے تک
مہمات سلطنت کو معطل رکھا بڑے غور و فکر کے بعد خود تخت سلطنت
پر جلوس نہ کیا بلکہ علاء الدین بن احمد شاہ بہمنی کو اپنی مصلحتوں کے لحاظ سے برائے نام
بادشاہ بنایا۔ کہتے ہیں کہ سلطان علاء الدین ذی ہوش عاقل اور بہادر فرمانروا تھا
اور اقبال مندی اور فراست کے آثار اس سے ظاہر ہوتے تھے اس بادشاہ کو
اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کے اسلاف شراب و ساقی کے کشتہ اور عیش و عشرت
کے مارے ہوئے تھے علاء الدین شراب کے گرد نہ پھٹکتا تھا بلکہ اپنی تمام کوشش
امیر برید اور دوسرے غاصب امیروں کو تباہ کرنے کے تدابیر سوچنے اور ان کو
عمل میں لانے میں صرف کرتا تھا۔ ان تدبیروں میں سب سے اہم مقصود یہ تھا کہ

جو دشمن سر پر سوار ہے پہلے اس کا تدارک کیا جائے اور بے وفا ملازموں میں اول امیر برید کا قدم درمیان سے اُٹھا دیا جائے۔ علاؤ الدین نے ایک روز امیر برید سے کہا کہ میرے باپ دادا ساری زندگی خواب غفلت میں مبتلا رہے اور انھیں عمر کے کسی حصے میں ایک لحظے کے لئے بھی ہوشیاری میسر نہ ہوی ان کی غفلت کا یہ نتیجہ ہوا کہ بدخواہوں اور غداروں نے ان کے کان بھرے اور انھوں نے قاسم برید کی اور تمھاری وفاداری کی قدر نہ کی۔ میرے اسلاف کی اس ناعاقبت اندیشانہ روش کی وجہ سے تم جیسے بہی خواہان دولت کا فرض تھا کہ ان کی پاسبانی اور حفاظت میں کوشش کرو لیکن میرا حال بالکل ان کے خلاف ہے مجھے شراب سے قطعاً سروکار نہیں ہے اور تم جیسے امیروں کی وفا شعار خصلت سے بخوبی آگاہ اور اس کا قدردان ہوں مجھے میرے اسلاف کے مثل پاسبانوں کے سپرد کرنا بے معنی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر تم موجود نہ ہوتے تو اطراف و جوانب کے حکام نے بیدر اور اس کے مضافات پر بھی قبضہ کر لیا ہوتا قطع نظر اس کے اگر تم کو مجھ سے اطمینان نہیں ہے تو مجھ کو مکہ معظمہ روانہ کردو اور خود آرام کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ امیر برید باوجود اس کے کہ روباہ بازی میں یکتائے روزگار تھا بادشاہ کے فریب میں آگیا اور علاؤ الدین پاسبانوں کی مصیبت سے آزاد ہو گیا۔ بادشاہ نے اس قید سے آزاد ہو کر چند دنوں تو بڑی اطاعت اور عاجزی کے ساتھ بسر کئے اور اپنے کسی فعل سے بھی اپنے دلی ارادے کا امیر برید کو پتہ نہ دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد بادشاہ نے اپنے حسن تدبیر اور دانائی سے ایک گروہ کو امیر برید اور اس کے فرزندوں کے قتل پر ایسا اپنا ہم راز بنایا کہ کسی دوسرے کو کانوں کان اس سازش کی خبر تک نہ ہوی علاؤ الدین نے اس گروہ کو شب غرہ کو اپنے محل میں بلایا امیر برید کا قاعدہ تھا کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بادشاہ کے سلام کے لئے آتا تھا اس مرتبہ بھی حسب عادت صبح کو محل شاہی میں سلام اور ماہ نو کی مبارکباد دینے حاضر ہوا۔ ایک سن رسیدہ عورت جو بادشاہ کی سازش سے بے خبر تھی آئی اور امیر برید کو نشیمن سلطانی تک لے گئی۔ امیر برید تین یا چار فرزندوں اور قرابتداروں کے ساتھ شاہی عمارت کے قریب پہنچا اس درمیان میں سازشی گروہ میں سے ایک شخص پر چھینک نے غلبہ کیا اس شخص نے ہر چند کوشش کی کہ چھینک کو روکے لیکن ممکن نہ ہوا سازشی کے چھینکنے کی آواز امیر برید نے سنی

اور سمجھ گیا کہ یہ آواز اجنبی کی ہے۔ امیر برید فوراً واپس آیا اور جلد سے جلد احاطہ شاہی کے باہر چلا گیا۔ امیر برید نے پیرزال کو بلایا اور اس سے حقیقت واقعی پوچھی پیرزال نے اپنی لاعلمی ظاہر کی امیر برید نے خواجہ سراؤں کے ایک گروہ کو محل کے اندر بھیجا اور حقیقت واقعہ سے مطلع ہوا اور سازشی گروہ کو محل سے باہر کر کے ہر ایک کو بری طرح ہلاک کیا۔ امیر برید نے علاء الدین کو جس نے دو برس تین مہینے حکمرانی کی بتی چلے تو معزول اور نظر بند کر دیا اور اس کے بعد اس کا قدم بھی درمیان سے اٹھا دیا معاملہ شناس حضرات جانتے ہیں کہ اس بادشاہ نے حسن تدبیر میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی لیکن بدقسمتی نے اپنا کام کیا اور بجائے دشمن کے خود اسی کا پیمانۂ حیات لبریز ہو گیا۔

شاہ ولی اللہ بن سلطان محمود شاہ بہمنی

شاہ ولی اللہ بادشاہ ہوا اور تین برس امیر برید کا دست نگر رہکر صرف کپڑے اور روٹی پر قانع رہا اس مدت کے بعد ولی اللہ نے اپنے بھائی کی طرح اپنی آزادی کی فکر کی امیر برید بادشاہ کے ارادے سے آگاہ ہو گیا اور اس نے ولی اللہ کو محل میں قید کر دیا اور اس کی زوجہ پر مائل ہوا۔ امیر برید نے ولی اللہ کا قدم بھی درمیان سے اٹھا دیا اور قبل اس کے کہ یہ بادشاہ دنیاوی لذتوں سے مزہ اٹھائے اسے کنارۂ لحد میں سلا کر بادشاہ کی منکوحہ کو اپنے نکاح میں لے آیا ولی اللہ کے بعد کلیم اللہ شاہ بہمنی نے جو یوسف عادل کا نواسہ تھا تخت حکومت پر قدم رکھا۔

کلیم اللہ بہمنی بن محمود شاہ بہمنی کا جلوس اور خاندان بہمنیہ کا اختتام۔

کلیم اللہ بہمنی بادشاہ ہوا لیکن شاہی نام کے سوا اور کوئی عزت اسے نہ ملی بادشاہ گوشۂ قناعت میں زندگی بسر کرتا تھا اور محل شاہی کے باہر نہیں آتا تھا سنہ ۹۳۲ ہجری میں بابر بادشاہ نے کابل سے ہندوستان پر دھاوا کیا اور دہلی پر قابض ہو گیا بابر کی کشور کشائی کا غلغلہ سارے ہندوستان میں بلند ہوا اور اسمعیل عادل برہان نظام شاہ اور سلطان قطب قلی وغیرہ نے اخلاص آمیز عریضے بابر کی خدمت میں روانہ کئے شاہ کلیم اللہ نے بھی یہ خبریں سنیں اور اپنے

ایک معتمد کی معرفت ایک نامہ فاتح ہندوستان کے نام روانہ کیا اس عریضے کا مضمون یہ تھا کہ تقدیر کی گردش نے میرے تمام قدیم نوکروں کو مجھ سے برگشتہ کر دیا ہے ان بے وفا ملازموں نے خود سارے ملک پر قبضہ کر کے مجھے گوشۂ اسیری کے سپرد کر دیا ہے اگر بادشاہ اس طرف توجہ فرمائیں اور اس نیاز مند کو اس گرفتاری سے نجات دلا دیں تو میں برار اور دولت آباد شاہ کی نذر کر دوں گا کلیم اللہ کے اس نامہ کا کچھ اثر نہ ہوا بابر کو ہنوز ہندوستان میں استقلال نہ ہوا تھا اور یہ کہ بابر اور کلیم اللہ کے درمیان مندو اور گجرات کے فرمانروا حائل تھے فاتح ہندوستان نے اس عریضے پر کچھ توجہ نہ کی کلیم اللہ کے اس نامے کی خبر فاش ہوی اور بادشاہ نے جان کی حفاظت کو مقدم جانا ۹۳۲ھ ہجری میں کلیم اللہ نے بیدر سے فرار ہو کر بیجاپور کی راہ لی لیکن یہاں بھی خود اس کے ماموں اسمعیل عادل نے اس کی گرفتاری کا ارادہ کیا۔ کلیم اللہ اٹھارہ سواروں کے ساتھ بیجاپور سے احمد نگر روانہ ہوا برہان نظام شاہ نے بادشاہ کی بیحد تعظیم و تکریم کی اور بڑی عزت اور وقعت کے ساتھ اسے شہر میں لایا برہان نظام شاہ کا مدعا یہ تھا کہ کلیم اللہ کو اپنے پاس جگہ دیکر احمد آباد بیدر کو بھی فتح کرے اس لیے جب کبھی کلیم اللہ دربار میں آتا برہان نظام شاہ دست بستہ اس کے سامنے کھڑا ہوتا تھا۔ شاہ طاہر نے برہان کو اس کی اس ادا پر سرزنش کی اور کہا کہ بندگی اور آقائی کا معاملہ اب دگرگوں ہو گیا ہے ملک میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرنا اور وارث ملک کے سامنے اس طرح خادمانہ کھڑے ہونا احتیاط سے دور ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ درباری امیر کلیم اللہ شاہ سے متفق ہو جائیں اور کوئی ایسا فتنہ رونما ہو جس کا تدارک آیندہ مشکل ہو جائے۔ برہان نظام شاہ اپنی غفلت سے آگاہ ہوا۔ اور اسکے بعد پھر اس نے کبھی کلیم اللہ کو مجلس شاہی میں نہ طلب کیا۔ اسی اثناء میں کلیم اللہ نے زہر یا اپنی طبعی موت سے وفات پائی اور اس کا تابوت احمد آباد بیدر روانہ کر دیا گیا۔

کلیم اللہ کے فوت ہونے کے بعد خاندان بہامنہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور خدا کے حکم سے دکن میں عادل شاہی۔ نظام شاہی عماد شاہی قطب شاہی اور برید شاہی پانچ خاندانوں کی حکومت ظہور پذیر ہوی۔

احوال شاہان بیجاپور

المعروف بہ

سلاطین عادل شاہی

یوسف عادل شاہ

مورخین لکھتے ہیں کہ بانی خاندان عادل شاہی ابوالمظفر سلطان یوسف عادل شاہ سلاطین روم المعروف بہ آل عثمان کی نسل سے تھا۔ اس فرمانروا کا ابتدائی واقعہ اس طرح مرقوم ہے کہ ۸۵۵ھ ہجری میں قسطنطنیہ کے مشہور حکمراں سلطان مراد نے دنیا سے کوچ کیا اور مرحوم سلطان کا بڑا بیٹا سلطان محمد باپ کا جانشین ہوا۔ سلطان محمد کی علم پروری اور فضل شناسی تمام دنیا میں مشہور ہے فارسی کے مشہور استاد حضرت مولانا عبدالرحمن جامی نے بھی اس عظیم الجاہ حکمراں کی مدح میں چند قصائد نظم فرمائے ہیں۔ سلطان محمد کے تخت سلطنت پر جلوس کرنے کے بعد ارکان دولت نے بادشاہ سے کہا کہ مرحوم سلطان کے عہد میں ایک شخص مدعی حکومت پیدا ہوا اور وہ اپنے کو ایلدرم بایزید کا فرزند بتا کر ملک میں فتنہ و فساد برپا کرنے کا آرزومند تھا۔ اس جھوٹے مدعی سلطنت کے دعوی نے ایوان حکومت کی بنیاد کو متزلزل کر دیا تھا لیکن بہزار مشکل یہ فتنہ فرو کر دیا گیا تھا اس لئے بہتر ہے کہ سوا ولی عہد کے اور باقی تمام عثمانی شہزادے امن و اماں پر قربان کر دئے جائیں تاکہ سلطنت ہمیشہ کے لئے مدعیان حکومت کے فساد سے محفوظ اور مامون ہو جائے۔ سلطان محمد نے مجبوراً ارکان دولت کی رائے سے اتفاق کیا اور اپنے چھوٹے بھائی شاہزادہ یوسف کے

قتل کی اجازت دے دی درباری امیر شاہی حرم سرا کے دروازے پر آئے اور انھوں
نے چاہا کہ بیگناہ یوسف کو تہ تیغ کر کے اس کی لاش کو باہر لائیں تاکہ تمام رعایا آگاہ ہو جائے
کہ فرمانروائے وقت کے بعد سوا ولی عہد کے اور کوئی فرد ایسا باقی نہیں ہے کہ جسکی
رگوں میں عثمانی خون دورہ کر رہا ہو۔ سلطان کی ماں کو اپنے چھوٹے بیٹے سے بڑی
محبت تھی۔ بیگم کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی اور بیوہ سلطانہ دروازے پر آئی اور
اس نے امرا سے عاجزی کے ساتھ کہا کہ اول تو اس معصوم شاہزادے کے خون سے
باز رہیں اور اگر مصلحت ملکی کا یہی تقاضہ ہے کہ یوسف عثمانی موت کے تاریک
کنوئیں میں گرایا جائے تو صرف ایک رات کی اور مہلت دیں تاکہ غریب ماں اپنے
ہمیشہ کے لئے جدا ہونے والے فرزند کو خوب جی بھر کر دیکھ لے۔ ارکان دولت نے
ملکہ کی اس درخواست کے منظور کرنے میں کوئی خرابی نہ دیکھی اور آج کے گناہ کو کل پر
اٹھا کر حرم سرا کے دروازہ سے واپس آئے۔ بیگم نے فوراً خواجہ عماد الدین محمود گرجستانی
ساکن ساوہ کو طلب کیا۔ یہ سوداگر ایران کے تحفے اور بیش قیمت چیزیں اپنے ملک
سے لاکر عثمانی حرم سرا میں فروخت کیا کرتا تھا۔ ملکہ نے اس سوداگر سے کہا کہ اگر کچھ غلام
قابل فروخت تمھارے پاس ہوں تو انھیں لے آؤ۔ تاجر نے پانچ گرجی اور دو چرکسی
غلام حاضر کئے چرکسی غلاموں میں سے ایک غلام شاہزادہ یوسف سے کچھ مشابہت
رکھتا تھا ملکہ نے نہایت پوشیدہ اس غلام کو خرید کیا اور خواجہ عماد سے کہا کہ اس طرح کا
واقعہ درپیش ہے اگر حقوق نمک کا پاس ہو تو میری مدد کرو اور میرے یوسف کو اپنے
غلاموں کی گروہ میں داخل کر کے جلد سے جلد اسے بلاد عجم کو روانہ کر دو اس خدمت کے صلہ میں
تجھے دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز کر دوں گی۔ خواجہ عماد نے حق نمک یا طمع مال کا لحاظ
کر کے اس خدمت کو انجام دینے کا بیڑہ اٹھا لیا اور شاہزادہ یوسف کو اپنے ہمراہ لیکر
راتوں رات ایک قافلہ کے ساتھ بغداد روانہ ہو گیا۔ خواجہ عماد نے خدا کی بارگاہ میں
منت مانی کہ اگر سلامتی کے ساتھ شاہزادہ کو لیکر عراق عجم کی سرحد تک پہنچ جائے گا تو
اپنے مال کا پانچواں حصہ حضرت شیخ صفی کی مزار اور خانقاہ کے مصارف کے نذر
کرے گا۔ دوسرے دن ارکان دولت عثمانیہ اپنے وعدے کے موافق حرم سرا کے
دروازہ پر آئے اور ملکہ سے شاہزادہ یوسف کے طلبگار ہوئے بیگم نے اس گروہ

میں سے ایک امیر کو جو اعتبار اور بھروسہ کے قابل تھا انعام واکرام اور وعدہ ترقیات سے اپنا بنا کر حرم سرا کے اندر بلایا۔ اس امیر نے اس غلام یوسف نما کو تہ تیغ کر کے مقتول کی لاش کو شاہی مراسم کے موافق کفن دیا اور لاش کو حرم سرا کے دروازہ سے باہر لایا یہ امیر چونکہ ارکان دولت کے گروہ میں بلند پایہ رکھتا تھا دوسرے امرا نے اس پر اعتبار کیا اور غلام مقتول کی لاش کو شاہزادہ کا جنازہ سمجھکر بغیر اس کے کہ حالات کی تحقیق کریں میت کو پیوند خاک کر دیا۔ خواجہ عماد الدین گرجستانی اردبیل پہنچا اور اپنی منت آتار کر شاہزادہ یوسف کو بھی ہمیشہ کے لئے حضرت شیخ صفی کا معتقد بنایا اور اردبیل سے ساوہ آیا۔ عماد گرجستانی نے شاہزادہ کو اخفائے راز کی شدید تاکید کر کے یوسف کو بھی اپنے بیٹوں کے ساتھ مکتب میں بٹھایا۔ دوسرے سال شاہزادہ یوسف کی ماں نے بیقرار ہو کر شاہزادہ کی تحقیق حال کے لئے اپنے ایک معتمد کو ساوہ روانہ کیا ملکہ کا قاصد یوسف کے پاس پہنچا اور شاہزادہ کو بیحد آرام کے ساتھ خوش اور مطمئن دیکھکر یوسف کی زندگی اور تعلیم وصحت کی خوشخبری پہنچانے کے لئے روانہ ہوا لیکن اسکندریہ پہنچکر بیمار ہو گیا اور تقریباً ڈیڑھ برس وہیں مقیم رہا۔ تیسرے سال قاصد قسطنطنیہ پہنچا اور شاہزادہ کی صحت اور سلامتی کا مژدہ ماں کو سنایا۔ بیگم نے شاہزادہ کا خط پا کر اور اس کی صحت اور سلامتی کا مژدہ سن کر خدا کی درگاہ میں شکریہ ادا کیا اور صدقے اور نذریں مستحقین اور بزرگوں کو روانہ کیں۔ مذہبی خدمات بجا لانے کے بعد بیوہ سلطانہ نے شاہزادہ یوسف کی دائی اور اس کے پسر ودختر یعنے غضنفر آقا اور دلشاد آقا کو اسباب اور بیش قیمت سوغات کے ساتھ اپنے بیٹے کے پاس پوشیدہ طور پر بلدہ ساوہ روانہ کیا۔ اس زمانہ میں خواجہ عماد ہندوستان گیا ہوا تھا اور اخفائے راز کی پوری احتیاط نہ ہوسکتی تھی۔ عماد کے گھر والے غضنفر آقا اور اس کی بہن کے اقوال وافعال سے معاملہ کی تہ کو پہنچ گئے اور استے دنوں کا چھپا ہوا بھید فوراً کھل گیا۔ رفتہ رفتہ حاکم ساوہ تک یہ خبر پہنچی۔ ساوہ کا حاکم اق قویلو ترکمانی تھا۔ اس افسر کو مال کی طمع دامنگیر ہوی اور اس نے کسی نہ کسی تدبیر سے چار سو تومان ان غریب الوطن مسافروں سے وصول کئے اس واقعہ سے تھوڑے دنوں بیشتر شاہزادہ یوسف اور حاکم ساوہ کے ایک عزیز میں ایک سنار کے لڑکے کی حمایت میں اتفاق سے کچھ

رنجش بھی پیدا ہو گئی تھی۔ ان دونوں سانحوں کی بنا پر شاہزادۂ یوسف کا
دل بلدۂ ساوہ سے اچاٹ ہو گیا شاہزادہ نے ساوہ کو خیرباد کہا اور بلدۂ قم پہنچا
اور یہ عہد کیا کہ جبتک موجودہ حاکم صاحب اقتدار رہے گا میں ساوہ کا رُخ
نہ کروں گا شاہزادۂ یوسف کاشان اور اصفہان کی سیر کرتا ہوا شیراز پہنچا شاہزادے
تھوڑے ہی دن شیراز فردوس منظر کے باغات اور سبزہ زار کی سیر میں بسر کئے
تھے کہ اپنے دشمن کی معزولی کی خبر سنی اور ارادہ کیا کہ پھر بلدۂ ساوہ کو واپس
ہو جاؤں کہ ناگاہ ایک رات حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت خواب میں نصیب
ہوی اور ان حضرت نے بیحد شفقت اور عنایت کے ساتھ شاہزادہ کو ہدایت
فرمائی کہ وطن کا خیال دل سے دور کرے اور غریب الوطنی کی راہ میں کچھ بادیہ پیمائی
کرے اور عزیزوں اور دوستوں کی مفارقت کا صدمہ اٹھا کر خدا کی رحمت اور
مدد پر بھروسہ کرے اور ہندوستان کی راہ لے۔ حضرت خضر نے شاہزادۂ یوسف کو
یہ بشارت دی کہ ہندوستان پہنچکر وہ چاہ ذلت سے نکلے گا اور خدا اسے
تخت سلطنت پر بٹھائے گا۔ شاہزادہ خواب سے بیدار ہوا اور وطن کے
خیال کو دل سے دور کر کے ۸۶۴ھ ہجری میں دریا کے راستہ سے ہندوستان روانہ
ہوا جہاز نے بندر مصطفےٰ آباد دابل میں لنگر کیا اور شاہزادہ دریا کے کنارے اتر کر
بندرگاہ میں مقیم ہوا شاہزادۂ یوسف روزانہ بندر کے باغات اور سبزہ زاروں کی
سیر و تفریح میں زندگی کے دن بسر کیا کرتا تھا ناگاہ ایک روز کسی مقام پر ایک
پیر روشن ضمیر سے ملاقات ہوی اور اس معمر بزرگ نے شاہزادہ کا حال
دریافت کیا۔ شاہزادہ نے اپنی سرگزشت بوڑھے ہم نشین کو سنائی اور اس
ہادی طریق نے ایک پیالہ شراب کا شاہزادہ کو عنایت کیا۔ شاہزادۂ یوسف
نے بعد دعا و تعظیم پیر بزرگ کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا اور شراب نوشی میں مشغول
ہوا ادھر شاہزادہ نے پیالہ کو لب تک لگایا ادھر پیر بزرگ یوسف کی نظروں
سے غائب ہو گیا۔ غرضکہ شاہزادہ یوسف خواب اور بیداری دونوں طریقوں سے
خضر علیہ السلام سے بشارت اور تائید پا کر خواجہ عماد کے ہمراہ بندر دابل سے
احمدآباد بیدر روانہ ہوا۔ چونکہ گرجستان گیلان کے مضافات میں ہے اس لئے بوجہ

ہم اقلیمی اور سابقہ شناسائی کے خواجہ عماد اور خواجہ محمود گاواں میں بیحد خلوص و محبت تھی۔ احمد آباد بیدر پہنچنے کے وقت شاہزادہ کا سن صرف سترہ سال کا تھا اور چہرہ پر ڈاڑھی کے بال نمایاں نہ ہوئے تھے بیدر پہنچکر شاہزادہ کو معلوم ہوا کہ شاہ بہ ترکی نژاد غلاموں کا بیحد اثر ہے اور مہمات سلطنت انھیں کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں شاہزادہ یوسف نے خواجہ عماد سے درخواست کی کہ خواجہ اسے بھی شاہی ترکی غلاموں کے گروہ میں شامل کر دے۔ خواجہ نے پہلے تو شاہزادہ کی درخواست منظور کرنے سے انکار کیا لیکن جب یوسف کا اصرار حد سے زیادہ بڑھا تو خواجہ عماد نے مجبوراً سارا واقعہ محمود گاواں سے بیان کیا۔ محمود گاواں نے یوسف کو اپنے پاس طلب کیا اور شاہزادہ کے حسن صورت۔ سواد خط اور علم موسیقی کی مہارت اور آداب سپاہگری کو دیکھکر نظام شاہ بہمنی اور اس کی ماں مخدومہ جہاں سے یوسف کا ذکر کیا۔ غرضکہ تھوڑے ہی دنوں میں دو چرکسی غلام سرکار شاہی میں خرید لئے گئے اور محمود گاواں نے ان کی قیمت خواجہ عماد کے سپرد کر دی متذکرۂ بالا قصہ وہی ہے جو مرزا محمد ساوہ نے اپنے باپ اور یوسف عادل شاہ کے وزیر غیاث الدین محمد سے نقل کیا ہے اس کے علاوہ بانی خاندان عادل شاہی کا جو حال شاہ جمال الدین حسین بن شاہ حسن انجو نے لکھا ہے اس سے بھی مذکورۂ بالا حکایت کی تصدیق اور توثیق ہوتی ہے شاہ حسین راوی ہے کہ جواہر نام ایک ضعیفہ جو ماں کی طرف سے شاہان بہمنیہ اور باپ کی جانب سے شاہ نعمت اللہ ولی کی نسل سے تھی وہ بھی اس طرح نقل کرتی ہے کہ میں اپنے عنفوان شباب میں ایک مرتبہ احمد آباد بیدر میں بی بی ستی دختر یوسف عادل شاہ کی مجلس میں حاضر تھی۔ بی بی ستی احمد شاہ بہمنی کی زوجہ تھی اور ملکہ جہاں کے نام سے پکاری جاتی تھی مذکورۂ بالا مجلس میں بہت بڑا جشن تھا اور اس بزم میں خاندان بہامنہ کی تمام شاہزادیاں موجود تھیں قاعدہ تھا کہ فرمانروا کی زوجہ جو ملکہ جہاں کے خطاب سے سرفراز کی جاتی تھی وہ عیدین کے جشن اور نیز دوسرے شاہانہ تہواروں میں موتیوں کی چند لڑیاں یکجا کر کے اس پر ایک طلائی قبہ جس میں بیش قیمت جواہرات جڑے ہوتے تھے نصب کرتی تھی اور دوسری شاہزادیوں اور شاہی حرم سرا کی عورتوں سے امتیاز حاصل کرنے کے لئے اس زیور کو اپنے سر پر اس طرح آویزاں کرتی تھی کہ قبہ تو سر پر نصب ہو جاتا تھا اور موتیوں کی لڑیاں پیشانی اور بناگوش پر لٹکا کرتی تھیں اس رسم کے موافق بی بی ستی بھی اس زیور سے

آراستہ ہو کر مجلس جشن میں آئی اور خاندان بہمنیہ کی تمام عورتوں سے بلند جگہ پر بیٹھ گئی۔ حاضرین مجلس میں سے ایک بہمنی شاہزادی بی بی ستی کو اپنے تمام خاندان سے ممتاز اور بالاتر دیکھ کر ترش روئی سے بولی کہ خدا کی شان ہے کہ یوسف عادل شاہ کی بیٹی بہمنی شاہزادیوں سے بھی زیادہ بلند مرتبہ اور صاحب وقار ہوئی۔ بی بی ستی نے اس شاہزادی کی گفتگو سنی اور کہا کہ یہ طنز آمیز گفتگو غلط ہے اگر تم لوگ شاہزادیاں ہو تو میں تم سے زیادہ بلند پایہ شاہزادی ہوں اگر تم فرمانروایان دکن کی بیٹیاں ہو تو میں سلطان روم کی پوتی ہوں۔ بی بی ستی نے یہ کہکر اپنے باپ یوسف عادل شاہ کا متذکرۂ بالا قصہ حاضرین مجلس کے سامنے بیان کیا۔ بی بی ستی کی یہ گفتگو امیر قاسم برید نے بھی سنی چونکہ یہ امیر ہمیشہ سے دودمان عادل شاہی کا حاسد تھا اور نیز یہ کہ خیرہ سری کو اس نے اپنا شعار بنا رکھا تھا قاسم برید نے یہ گفتگو سن کر کہا کہ ملکہ جہاں نے اپنے نسب کی بابت جو کچھ بیان کیا وہ تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے اور اس کی تحقیق کرنا بیحد آسان ہے غرضکہ امیر برید نے ایک معتبر شخص کو تجارت کے بہانہ سے ایلچی بنا کر دریافت حال کے لئے روم بھیجا۔ یہ قاصد قسطنطنیہ پہنچا اور شاہی حرم سرا کی کہن سال عورتوں سے اس نے سلطان محمدؒ کے بھائیوں کی بابتہ دریافت حال کیا تمام عورتوں نے بی بی ستی کی روایت کی تصدیق کی اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یوسف عادل سلطان مراد کا فرزند ہے۔ ان روایتوں کے علاوہ یوسف عادل شاہ اور اس کے فرزند اسمعیل کا رومیوں کو بیحد عزیز رکھنا اور اپنی سلطنت میں انھیں مقتدر اور بلند پایہ عہدوں پر سرفراز کرنا خود اس امر کی دلیل ہے کہ بانی خاندان رومی النسل تھا واللہ اعلم بالصواب۔

چونکہ یوسف عادل شاہ نے بلدہ ساوہ میں تربیت اور تعلیم پائی تھی اس لئے اہل علم کے گروہ میں ساوی اور ناخواندہ لوگوں کی زبانوں پر سوائی کے لقب سے مشہور تھا۔ بعض مورخین کی رائے ہے کہ ہندی زبان میں سوائی ایک اور ۱/۴ کو کہتے ہیں چونکہ یوسف عادل شاہ اور اس کے ہم عصر دکنی فرمانرواؤں کی سلطنت میں ایک اور ۱/۴ کی نسبت تھی اس لئے یوسف عادل شاہ عام طور پر یوسف سوائی کے نام سے مشہور ہو گیا مورخ فرشتہ کے نزدیک یہ رائے غلط اور پہلی روایت زیادہ قرین قیاس اور صحیح ہے اور جس طرح شاہ بحردی کو بحری کر دیا ہے اسی طرح ساوی کو تحریف کر کے سوائی بنا لیا ہے

مختصر یہ کہ دو تین مہینے کے بعد محمود گاوان نے مخدومۂ جہاں کی رائے سے یوسف عادل شاہ
کو عبد العزیز خاں امیر آخور کے سپرد کیا۔ عبد العزیز بہمنی بارگاہ کے ترکی نژاد غلاموں میں بڑا
معتمد ملازم اور داروغہ اصطبل تھا۔ محمود گاوان نے عبد العزیز خاں سے یوسف کی بیحد سفارش
کی اور اس نیک دل امیر نے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے امیر اخوری کے تمام مہات یوسف عادل
کے سپرد کئے اور خود آرام اور بے فکری سے زندگی کے بقیہ دن بسر کرنے لگا۔ یوسف عادل
اپنے مربی کی زندگی ہی میں شاہی مزاج میں دخیل ہو گیا اور عبد العزیز خاں کی حیات میں
اصطبل کے تمام ضروری انتظامات بلا واسطہ محمد شاہ بہمنی سے طے کرنے لگا اسی درمیان میں
عبد العزیز خاں نے وفات پائی اور محمود گاوان کی سفارش سے یوسف عادل شاہ سہ صدی
منصبدار ہو کر عبد العزیز خاں کا جانشین ہو گیا یوسف نے تھوڑے ہی دنوں اس خدمت کو
انجام دیا تھا کہ بہمن نام ایک میر اخوری کے عہدہ دار سے ناچاقی ہو گئی عادل شاہ نے
اس خدمت سے استعفا دیدیا اور ترکی گروہ کے بزرگ ترین امیر نظام الملک کے حلقہ مجلس
میں داخل ہو گیا۔ یوسف عادل نے اپنے حسن سلوک سے ایسا نظام الملک کے دل میں
گھر کیا کہ نظام نے یوسف کو اپنا منہ بولا بھائی بنایا نظام الملک یوسف کے حسن سیرت پر
ایسا فریفتہ ہوا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اسے اپنے سے جدا نہ کرتا تھا اسی دوران میں
نظام الملک برار کا طرفدار مقرر کیا گیا اس نیک دل امیر نے یوسف کے مرتبہ میں اور زیادہ
ترقی کی نظام الملک کی سفارش سے بادشاہ نے یوسف کو عادل خاں کا خطاب دیا اور
یوسف اپنے محسن کے ساتھ برار روانہ ہوا نظام الملک نے برار پہنچکر قلعہ کھرکہ کا محاصرہ
کر لیا اور ایک سال کی جدّ و جہد کے بعد حصار کو ہندو راجہ کے قبضہ سے نکالا لیکن
عین فتح کے دن ایک راجپوت کے ہاتھ سے مارا گیا۔ نظام الملک کے مارے جانے سے
بہمنی فوج میں بے چینی پھیل گئی لیکن یوسف عادل شاہ نے مردانگی سے کام لیا اور
ہندوؤں کی جماعت کو درہم و برہم کر کے قلعہ کو مضبوط اور مستحکم کیا اور تمام مال غنیمت
اور ہاتھی اور گھوڑے اپنے ساتھ لیکر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ محمد شاہ نے
یوسف کی خدمت کی قدر کی اور اسے منصب یکہزاری پر سرفراز کر کے بہمنی امیروں
میں داخل کیا۔ اس تاریخ سے یوسف کا ستارۂ اقبال روز بروز بلند ہوتا گیا یہاں تک
کہ مخصوص اراکین کے زمرہ میں داخل ہو کر طرفدار بیجاپور مقرر ہوا یوسف نے طرفداری

کے عہدہ پر پہنچکر ملک کا عمدہ انتظام کیا اور بہت بڑی فوج جمع کرلی۔ اسی درمیان میں محمد شاہ بہمنی نے وفات پائی اور تخت گاہ میں طائف الملوکی پھیلی۔ یوسف عادل شاہ نے اب اور زیادہ فوج کی درستی اور سپاہیوں کی خاطرداری میں کوشش شروع کی اور بہت سے ترکی اور مغل امیروں کو مناصب جلیلہ اور آئندہ ترقیوں کے وعدوں پر احمد آباد بیدر سے اپنے پاس بلا لیا غرضکہ یوسف عادل شاہ کی قوت اور طاقت روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ ۸۹۵ھ یا ۸۹۶ھ میں بہ تقتضائے مثل مشہور کہ جو مارے اُسی کی تلوار ہے اور جو غالب آئے اُسی کا ملک ہے یوسف عادل خاں نے بیجاپور میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوا کر چتر شاہی اپنے سر پر رکھ لیا قریب پانچہزار ترکی و آفاقی افراد نے اسکی شاہی کو تسلیم کرلیا یوسف عادل نے اپنے نام کا خطبہ جاری کر کے بہت سے قلعوں پر جو سلطان محمود کے زیر حکم تھے قبضہ کیا اور دریائے بھورہ سے بیجاپور تک اور دریائے کشنہ سے رائچور تک اپنے زیر نگین کرلیا اور لفظ خانی کو شاہی سے بدل کر اپنے کو یوسف عادل شاہ کے نام سے مشہور کیا چنانچہ آج تک اس خاندان کا ہر فرمانروا عادل شاہ کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ یوسف عادل شاہ کے خودمختار ہوتے ہی دارالخلافت کے اکثر امیر جو بیدر سے چلتے وقت یوسف سے منحرف ہوگئے تھے اس کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آستانہ عادل شاہی کی رونق دوبالا ہوگئی۔ یوسف عادل شاہ کے صاحب چتر و خطبہ ہونے سے امیر قاسم برید حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ برید کا دلی ارادہ تھا کہ خود بیجاپور کی حکومت کا ڈنکہ بجائے لیکن جب اس نے دیکھا کہ حریف بازی لے گیا تو کامیاب محسود کی تباہی کی فکر میں مبتلا ہوا قاسم برید نے رام راج کے باپ تمراج کو جس نے برید ہی کی طرح اپنے مالک شیو رائے کے فرزند پر مسلط ہوکر آقا کو صرف نام کا راجہ بنائے رکھا تھا لکھا کہ محمود شاہ بہمنی نے رائچور اور مدگل کا قلعہ مع اس کے تمام مضافات کے تمہارے سپرد کردیا تھا تمھیں چاہیئے کہ لشکرکشی کر کے یہ ممالک یوسف عادل سے چھین کر اپنے زیر نگین کرلو۔ برید نے ادھر تمراج کو اُبھارا اور اُدھر بہادر گیلانی کو جو بندر گوہ اور تمام علاقہ دریا پار پر جسے اہل دکن کوکن کہتے ہیں حکمرانی کا ڈنکہ بجا رہا تھا یوسف عادل کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ تمراج نے قاسم برید کا خط پاتے ہی بہت بڑی فوج اکٹھا کی اور رائے زادہ کو اپنے ساتھ لیکر آگے بڑھا تمراج نے

اب تہمندرہ کو پار کر کے رائچور اور مدگل کے قلعوں پر قبضہ کر لیا اور جی کھول کر ملک کو تباہ اور ویران کیا بہادر گیلانی نے بھی اس ترغیب سے فائدہ اٹھایا اور جام کھنڈی کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔ تمراج اور گیلانی کی دست درازیوں کی خبر بیجاپور پہنچی اور بادشاہ کے درباریوں کے ایک گروہ نے دشمنوں کے بد ارادے اور ان کی نیت کا ذکر پریشان کن الفاظ میں یوسف عادل شاہ سے کیا۔ بادشاہ نے ان امیروں سے کہا کہ میں اپنے تمام کاموں میں بزرگان دین کی پاک ارواح سے مدد کا طلبگار ہوتا ہوں مجھے امید ہے کہ ائمہ دین اور حضرت شیخ صفی کے برکات سے دشمنوں کے شر سے محفوظ رہونگا بادشاہ نے اسی وقت عہد کیا کہ اپنے حریفوں پر غالب آئے گا تو بارہ اماموں کے نام خطبے میں داخل کر کے انھیں حضرات کا کلمہ پڑھیگا۔ اور مذہب شیعہ کو ملک میں رائج کرے گا۔ یوسف عادل شاہ نے اس وقت حسن تدبیر سے کام لیا اور رائچور اور مدگل کے قلعہ سے تھوڑے دنوں دست بردار ہو کر تمراج اور رائے زادہ سے صلح کر لی۔ تمراج کی واپسی کے بعد یوسف عادل شاہ نے بہادر گیلانی کو اپنے ملک سے باہر کر دیا لیکن مصلحت وقت کا لحاظ کر کے جام کنڈی کے قلعہ کی واپسی کی کوشش نہ کی اور ارادہ کیا کہ سب سے پہلے اپنے اصلی دشمن امیر قاسم برید کو اس عداوت کا مزہ چکھائے۔ یوسف عادل شاہ آٹھ ہزار ترکی اور مغل سپاہیوں کا ایک لشکر ساتھ لیکر احمد آباد بیدر روانہ ہوا۔ قاسم برید نے یوسف کے دھاوے کی خبر سنی اور نظام الملک بحری سے عاجزانہ مدد کا طلبگار رہا۔ نظام الملک نے قاسم برید کی درخواست منظور کی اور خواجہ جہاں حاکم پرندہ کو اپنے ساتھ لیکر بیدر روانہ ہوا۔ قاسم برید نے محمود شاہ کو اپنے ہمراہ لیا اور شہر کے باہر نکلا اور اپنے مددگاروں سے جا ملا۔ برید نے احمد نظام اور خواجہ جہاں کے ساتھ فوج کا میمنہ اور میسرہ درست کیا اور یوسف عادل شاہ کی طرف جو بیدر سے پانچ کوس کے فاصلہ پر خیمہ زن تھا بڑھا یوسف عادل شاہ نے بھی اپنا لشکر درست کیا۔ میمنہ دریا خاں کو سپرد کیا اور میسرہ پر فخر الملک ترک کو مقرر کیا اور خود قلب لشکر میں کھڑا ہوا۔ یوسف عادل نے اپنے رضائی بھائی غضنفر آقا کو جو حال ہی میں بلدہ ساوہ سے دکن آیا تھا ایک ہزار تیر انداز مغلوں کا سردار بنا کر اسے حکم دیا کہ لشکر کا جو حصہ دشمن سے مغلوب نظر آئے غضنفر فوراً اس کی مدد کو پہنچ جائے غرضکہ لڑائی شروع ہوئی اور یوسف عادل شاہ نے حریف کے میسرے اور قلب کو درہم برہم کر دیا لیکن نظام الملک بحری نے عادل شاہی فوج کے میسرہ کو پریشان کیا اور فخر الملک زخمی ہو کر میدان جنگ سے ہٹ گیا۔ عادل شاہ نے اپنے لشکر کا یہ حال دیکھکر ارادہ کیا کہ

نظام الملک بحری سے برسر مقابلہ ہو کہ غضنفر آقا نے یوسف عادل سے کہا کہ لڑائی کا اصلی سبب قاسم برید تھا جبکہ وہ خود اس معرکہ میں موجود نہیں ہے تو خواہ مخواہ آپس میں نبرد آزمائی کر کے اپنی طاقت کو گھٹانا مناسب نہیں ہے میری رائے یہ ہے کہ اب معرکہ آرائی ملتوی کی جائے اور جس طرح ممکن ہو صلح کرلی جائے غضنفر آقا کی رائے پر عمل کیا گیا اور طرفین سے کچھ لوگ درمیان میں آئے اور باہم صلح ہو گئی۔ دونوں سرداروں نے گھوڑے پر سوار ہی ایک دوسرے کو رخصت کیا اور اپنے اپنے ملک واپس ہوئے۔ مولوی عالی نے اپنی مشہور نظم عادل نامہ میں یوسف عادل کا مجمل حال لکھا ہے مورخ مذکور لکھتا ہے کہ حوالی نلدرگ میں معرکہ آرائی ہوئی اور ملک نظام خود معرکہ میں موجود نہ تھا بلکہ خواجہ جہاں گنی اس کی طرف سے بادشاہ کے ہمراہ میدان جنگ میں آیا تھا اور نیز یہ کہ اس لڑائی میں قاسم برید کو فتح ہوئی۔ یوسف عادل شاہ بیجاپور روانہ ہو گیا اور اس نے احمد نظام اور بہادر گیلانی سے صلح کرلی اس صلح کا اصلی باعث بیجانگر کے تخت گاہ کی طائف الملوکی تھا جس نے عادل شاہ کو اپنے تمام حریفوں سے تھوڑے دنوں بے نیاز کر کے تمراج کی طرف متوجہ کر دیا۔ یوسف عادل شاہ نے لشکر تیار کیا اور اپنا بدلہ لینے کے لئے جلد سے جلد بیجانگر روانہ ہوا۔ راستہ میں تقریباً دس روز بادشاہ نے سیر و شکار میں صرف کئے دریائے کشنہ کے کنارے شاہی بارگاہ نصب کی گئی اور بادشاہ مجلس عشرت منعقد کر کے عیش پرستی اور نغمہ نوازی میں دن رات بسر کرنے لگا۔ اس زمانۂ عشرت میں قانون سازی اور نغمہ نوازی کے دو بے نظیر استاد گیلانی اور حسین قزوینی بھی اس بزم میں حاضر تھے ان استادوں نے فارسی کی ایک بے مثل غزل گائی جس کا مطلع یہ ہے۔

بوئے پیراہن یوسف زجہاں گم شدہ بود   عاقبت سرز گریبان تو بیروں آورد

بادشاہ کو یہ غزل بیحد پسند آئی اور ان دونوں استادوں کو چھ ہزار ہون جو تین سو سات عراقی تومان کے برابر ہوتے ہیں خزانۂ عامرۂ شاہی سے انعام دیا۔ غرضکہ بادشاہ نے اس قدر جی کھول کر عیش پرستی کی کہ مزاج حد اعتدال سے منحرف ہو گیا اور بخار اور کھانسی نے آدبایا۔ اس بیماری نے طول کھینچا اور عادل شاہ دو مہینے کامل نہر کرشنہ کے کنارے بستر مرض پر صاحب فراش رہا۔ بادشاہ تو خود سراپردۂ شاہی کے اندر پڑا رہتا اور غضنفر آقا دیوان خانہ میں بیٹھکر مہمات سلطنت کو انجام دیتا تھا۔ بادشاہ کی اس معذوری نے بدخواہوں کو

اچھا بُرا کہنے کا موقع دیا اور سارے لشکر میں یوسف عادل شاہ کی رحلت کی خبر پھیل گئی ۔ تمراج نے بھی یہ جھوٹی افواہ سنی اور اس دروغ بے فروغ پر خوشی کے شادیانے بجانے لگا تمراج نے اس نواح کے دوسرے حاکموں کی صلاح سے رائے زادہ کو اپنے ہمراہ لیا اور ۹۰۸ھ ہجری میں بیس ہزار سوار اور پیادے اور بیس ہزار کوہ پیکر ہاتھیوں کو ساتھ لیکر رائچور روانہ ہوا ۔

غضنفر بیگ آقا اور تمام مسلمان سردار اور فوجی اس خبر کو سن کر بیحد پریشان ہوئے مسلمان سپاہیوں نے صدق دل سے بادشاہ کی صحت کی دعا مانگی ملازمین کی دعا قبول ہوئی اور چند ہی دنوں میں بادشاہ کو پوری صحت ہوگئی ۔ یوسف عادل شاہ اپنی سلامتی پر سجدۂ شکر بجا لایا اور خزانوں کے دروازے کھل گئے بادشاہ نے بیس ہزار ہون مدینۂ منورہ ۔ کربلائے معلی اور نجف اشرف کے ان علما اور سادات کو عنایت کئے جو شاہی لشکر میں مقیم اور بادشاہ کے دعاگو تھے اس کے علاوہ بیس ہزار ہون خواجہ عبداللہ ہروی کو عطا کئے ۔ خواجہ عبداللہ ایک ہی کشتی میں سوار ہو کر یوسف عادل کے ساتھ ساوہ سے دکن آیا تھا ۔ عبداللہ ہروی کو حکم ہوا کہ فوراً بلدۂ ساوہ روانہ ہو اور شہر میں ایک مسجد اور مینار تعمیر کرا کے دریا سے ایک نہر شہر کے اندر جاری کرائے عادل شاہ نے ہنوز کوچ نہ کیا تھا کہ مخبروں نے اطلاع دی کہ تمراج دریائے تنبھدرا کو پار کر کے شاہی لشکرگاہ کی طرف آرہا ہے ۔ اور اس نے بادشاہ کی فوج سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا ہے یہ سن کر افسران لشکر کو حکم ہوا کہ مسلح ہو کر میدان میں یکجا ہوں ۔ شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور عادل شاہ کو معلوم ہوا کہ آٹھ ہزار دو اسپہ اور سہ اسپہ سوار دن اور دو سو چھوٹے اور بڑے ہاتھیوں کی جمعیت موجود ہے ۔ بادشاہ نے غضنفر بیگ آقا ۔ مرزا جہانگیر ۔ حیدر بیگ اور داؤد خاں وغیرہ بہادران لشکر سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں اپنی موجودہ فوج سے دشمن پر غلبہ حاصل کر سکونگا ۔ افسران لشکر نے بادشاہ کی رائے کی تائید کی اور عادل شاہ جلد سے جلد حریف کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا ۔ بادشاہ نے دشمن سے تھوڑے فاصلہ پر اپنے خیمے نصب کئے اور رزمگاہ کی زمین کو امیروں میں تقسیم کیا تاکہ احتیاط کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول ہوں غرضکہ افسران فوج نے بڑی احتیاط اور نگہداشت کے ساتھ بارہ روز اسی مقام پر بسر کئے لیکن باوجود تمام

ہوشیاریوں کے سینچر کی صبح رجب ۸۹۵ھ ہجری کو جب طرفین کی صفیں آراستہ ہوئیں تو دفعتاً تقدیر نے تدبیر کا ساتھ نہ دیا اور حملۂ اول میں بجائے ہندوؤں کے مسلمان سپاہی میدان جنگ سے منہ موڑنے لگے اور قریب پانچسو سواروں کے معرکہ کارزار میں کام آئے فوج کی یہ ابتری دیکھ کر یوسف عادل شاہ اور غضنفر آقا گھوڑوں پر سوار میدان جنگ سے ہٹ کر کنارہ پر آئے اور بادشاہ نے حکم دیا کہ نفیر اور نقارہ بجا کر منتشر اور پراگندہ فوج کو پھر یکجا کریں شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور باجہ کی آواز سنتے ہی سب سے پہلے مرزا جہانگیر قمی پانچسو مغل سواروں کے ساتھ بادشاہ کے پاس پہنچ گیا جہانگیر کے آتے ہی داؤد خان بھی سات ہزار افغان اور راجپوت سپاہیوں کو ہمراہ لیکر عادل سے جاملا بادشاہ کی تنہائی فی الجملہ رفع ہوی اور عادل شاہ آئندہ تدابیر کے سوچنے میں منہمک ہو گیا۔ بادشاہ ابھی غور ہی میں تھا کہ سوئے چک جو سلاحداروں کا افسر تھا عادل شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں معرکۂ جنگ میں دشمنوں کے پنجہ میں گرفتار ہو گیا تھا حریف میرا تمام مال اور ہتھیار یہاں تک کہ سواری کا گھوڑا بھی لوٹ کر لے گئے میں پیادہ پا ادھر اُدھر دوڑ رہا تھا کہ دشمن کا ایک سوار گھوڑے سے گرا میں نے جھپٹ کر اس کا گھوڑا پکڑ لیا اور سوار ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میری رائے یہ ہے کہ دشمن اپنے کو فتحیاب سمجھکر غارتگری میں مشغول ہیں خدا پر بھروسہ کر کے ایک حملہ اور کرنا چاہئے امید ہے کہ اس حملے میں ہم کامیاب اور فتحمند ہو جائیں گے عادل شاہ نے سوئیچک کی رائے سے اتفاق کیا اور اس کی تدبیر کی بیحد تعریف کر کے اسے آئندہ ترقیات کا امیدوار بنایا۔ بادشاہ نے سلحدار کی رائے کے موافق تین ہزار پانچسو تجربہ کار سواروں کو ساتھ لیکر حریف کے لشکر پر حملہ کیا۔ تمراج نے جب دیکھا کہ اس کی فوج لوٹ مار میں مشغول ہے اور دشمن پھر برسر مقابلہ آ گیا۔ ہندو امیر کو فوج جمع کرنے کی فرصت نہ ملی اور سات یا آٹھ ہزار سواروں اور کچھ پیادوں اور تفنگچی اور تین سو ہاتھیوں کی جمعیت سے جو رائے زادہ کے ہمراہ تھی عادل شاہ کے مقابلہ میں آگیا۔ طرفین سے لڑائی کا بازار گرم کیا گیا اور یوسف عادل شاہ نے مردانگی کے جوہر دکھانے شروع کئے۔ فریقین جان توڑ کر کوشش کر رہے تھے لیکن یوسف عادل شاہ کی جرأت اور مسلمان سپاہیوں کی مردانگی سے ہندوؤں کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑ گئے اور فتح عادل شاہ کو

نصیب ہوئی اس معرکہ میں دوسو ہاتھی ایک ہزار گھوڑے تین کرور ہون اور جواہرات
اور دیگر قیمتی اسباب اور بیش بہا کپڑے مسلمانوں کے ہاتھ آئے تمراج پریشان اور خستہ حال
بیجانگر روانہ ہوا۔ رائے زادہ میدان جنگ میں ایک زخم کھا چکا تھا ہندو راجہ اس زخم سے
جانبر نہ ہوسکا اور راستہ ہی میں اس نے دنیا سے کوچ کیا۔ تمراج نے مملکت بیجانگر پر اپنا
قبضہ کیا اور چاہتا تھا کہ خود گدی کا مالک بن جائے لیکن بیجانگر کے بہی خواہ امیر تمراج
کی حکومت سے راضی نہ ہوے اور انھوں نے تمراج کے خلاف بغاوت کردی۔ یوسف عادل شاہ
نے اس خانہ جنگی سے پورا فائدہ اٹھایا اور تھوڑے ہی زمانے میں رائچور اور مدگل کا قلعہ
ہندوؤں کے ہاتھ سے چھین لیا۔ عادل شاہ ان قلعوں پر قبضہ کرکے کامیاب اور فتحمند
بیجاپور واپس آیا۔ مورخ فرشتہ نے شاہ میر دستور خاں کردسے جو کہن سال امیر اور
اسمعیل عادل شاہ کا مشیر تھا یہ سنا ہے کہ جب یوسف عادل شاہ نے رائے بیجانگر سے
شکست کھائی تو بادشاہ نے قریب کے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھکر طبل جنگ بجایا۔
نقارہ کی آواز سنتے ہی تین ہزار ترکی اور غیر ترکی سوار بادشاہ کے گرد جمع ہوگئے۔
اس جمعیت کے فراہم ہوتے ہی یوسف عادل شاہ نے حیلہ جنگ سے کام لیا
اور تمراج کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ بیجانگر کا فرمانروا بہت بڑا راجہ ہے اور میں اپنی اس
نادانی سے بیحد پشیمان ہوں اگر راجہ میرا قصور معاف کرے اور مجھے اپنے دولت خواہوں
میں شمار کرکے یہ ملک میرے سپرد کردے تو میں بھی ہمیشہ اطاعت اور فرماں برداری
سے کام لوں گا۔ تمراج اس دام فریب میں گرفتار ہو گیا اور اس نے عادل شاہ کی درخواست
قبول کرلی اور صلح کے عہد وپیمان کے لئے رائے زادہ کو اپنے ساتھ لیا اور تین ہزار سواروں
کی جمعیت سے لشکر سے جدا ہوکر دریا کے کنارے ایک جگہ خیمہ زن ہوا۔ یوسف عادل شاہ
نے چار سو آزمودہ کار سوار اپنے ہمراہ لئے اور تمراج سے ملاقات کرنے گیا۔ یوسف عادل
نے صلح کی بابتہ تھوڑی گفتگو کی اور اظہار اطاعت کے عہد وپیمان کرکے رائے زادہ کے پاس
سے اٹھا اور ایک سرپیچ جو خاص اس کی ایجاد تھی اور جسے بادشاہ صرف معرکۂ کارزار
کے دن کام میں لاتا تھا بجوائی۔ کرنا کی آواز سنتے ہی جو سوار کہ عادل شاہ کے ساتھ تھے
سمجھے کہ معاملہ دگرگوں ہے۔ سو لدوں نے نیام سے تلواریں کھینچ لیں اور تمراج کی فوج پر
حملہ آور ہوے۔ تمراج کی طرح دوسرے بیجانگر کے امیر بھی یوسف عادل شاہ کی کاروائی سے

بے خبر تھے۔ ہر امیر صرف معدودے چند ہمراہیوں کو ساتھ لیکر تمراج کے ہمرکاب آیا تھا اسلئے مجبوراً رام راج خود تو دست بہ شمشیر ہو کر لڑنے میں مصروف ہوئے اور تمراج کو مع رائے زادہ کے وہاں سے بھاگ جانے کی صلاح دی مختصر یہ کہ ستر بیجانگری امیر مارے گئے جن میں چھ آدمی خود یوسف عادل شاہ کے ہاتھوں نذر شمشیر ہوئے عادل شاہی سپاہیوں نے بھی جرأت اور مردانگی سے کام لیا اور دشمن کی صفیں درہم وبرہم کر دیں۔ ہندؤں کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور ان کا خزانہ اور گھوڑے اور ہاتھی تمام لوازمۂ سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ آیا عادل شاہ نے اسی روز سوبچک بہادر کو مرتبۂ امارت پر سرفراز کرکے بہادر خاں کا خطاب دیا اور پچاس ہاتھی اور ایک لاکھ ہون نقد اسے مرحمت کئے اور رائچور اور مدگل کے قلعہ کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ سوبچک بہادر نے بہ احسن تدبیر قول و قرار اور عہد و امان کے ساتھ چالیس روز میں قلعہ فتح کرلیا۔ بادشاہ ان حدود سے کوچ کرکے اپنے ملک کو واپس آیا۔ اس فتح کے ہونے اور خزانہ اور اسباب حشمت کے حاصل ہونے سے یوسف عادل شاہ کی شوکت، اور حشمت کا آوازہ اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ بلند ہوا اور ہر چھوٹے اور بڑے کے دل میں بادشاہ کی ہیبت اور اس کے دقار کا سکہ بیٹھ گیا۔ یوسف عادل شاہ نے ایک زربفت کا ٹکڑا جس کا طول گز بھر کا تھا اور جس کے حاشیے مرصع اور جواہر نگار تھے اور چار گھوڑے جن کے چار جامے زریں اور جن کی لگامیں مرصع تھیں اور جن کے پیروں میں زریں نعل جڑے ہوئے تھے مال غنیمت میں سے منتخب کرکے مذکورۂ بالا ہدیۂ سلطان محمود شاہ بہمنی کی خدمت میں روانہ کئے۔ بیجانگر کی فتح کے بعد یوسف عادل شاہ نے ارادہ کیا کہ بہادر گیلانی کی مناسب تنبیہہ کرکے جام کھنڈی کے قلعہ پر قبضہ کرے۔ یوسف عادل شاہ روانگی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ محمود شاہ گجراتی کا ایک چرب زبان اور سر پھرا ایلچی بہادر گیلانی کی شکایت لیکر محمود شاہ بہمنی کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ شکایت کا مدعا یہ تھا کہ بہادر گیلانی کے ملازمین نے گجرات کے جہاز کو جو مکہ معظمہ جا رہا تھا گرفتار کرکے لوٹ لیا ہے محمود گجراتی نے اپنے ہم نام مگر ناکام فرمانروائے بہمنی کو یہ درشت پیغام بھیجا تھا کہ اگر تم سے ان لٹیروں کا کچھ تدارک نہیں ہوسکتا تو ہم سے درخواست کرو تاکہ ہم ایسے قزاقوں کا کافی انتظام کریں اور اپنے ایک سردار کو بھیجکر ان کا نام ونشان

صفحۂ ہستی سے مٹادیں محمود شاہ قاسم برید ترک کے مشورہ سے بارگاہ بہمنی کے
مشہور امیر عبدالملک شستری کو یوسف عادل شاہ کے پاس روانہ کرکے بہادر گیلانی کی
مدافعت کے لئے مدد کا طلب گار ہوا۔ یوسف عادل شاہ نے گویا منہ مانگی مراد پائی
اور علاوہ اپنی تمنا بر آنے کے محمود شاہ پر احسان رکھنے کا موقع پاکر پانچ ہزار آزمودہ کار سواروں
کو محمود بہمنی کی مدد کے لئے روانہ کیا اس فوج کا سردار کمال خاں دکنی تھا۔ بہادر گیلانی کو
یوسف عادل شاہ کے ارادہ سے اطلاع تھی اور وہ جام کھنڈی کے حوالی میں خیمہ زن ہو چکا
تھا محمود شاہ نے دریا کو عبور کرکے گیلانی پر حملہ کیا بہادر بادشاہ کا مقابلہ نہ کرسکا اور ظلگوان
بھاگ گیا۔ بادشاہ نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا محاصرہ کے دو یا تین مہینے گزرنے کے بعد
اہل قلعہ نے اماں مانگی اور قلعہ پر بہمنی قبضہ ہوگیا۔ محمود شاہ نے ارادہ کیا کہ قلعہ کو
قطب الملک خواجہ جہاں ہمدانی کے سپرد کرے۔ قاسم برید نے بادشاہ کی اس رائے
سے مخالفت کی اور عرض کیا کہ اس قلعہ کو یوسف عادل شاہ سے ہمیشہ تعلق رہا ہے
بہتر ہے کہ عادل شاہ کا دل ہاتھ میں رکھنے کے لئے قلعۂ مذکور عادل شاہی عاملوں کے
قبضہ میں دیدیا جائے۔ محمود شاہ کو قاسم برید کی رائے بیحد پسند آئی اور بادشاہ نے
قلعۂ جام کھنڈی کی حکومت کمال خاں دکنی کو عنایت کی۔ بہادر گیلانی کو یہ خوف
ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یوسف عادل شاہ بھی دوسری طرف سے اس کے مقبوضات
میں داخل ہو۔ گیلانی نے قصبۂ کلنکر میں ڈیرے ڈالے لیکن جب معلوم ہوا کہ
محمود شاہ اس کی سرکوبی کے لئے آرہا ہے تو لاچار اس جگہ کو بھی چھوڑا اور کلہر اور پنالہ
میں مقیم ہوا اور لڑائی کی تیاریاں کرنے لگا۔ محمود شاہ نے گیلانی کے صدر مقام کا رخ کیا
اور وہاں پہنچکر لڑائی شروع کردی۔ محمود شاہ کے پہنچتے ہی گیلانی کے اکثر رفیق طرابق اس کو
چھوڑکر محمود شاہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور بیچارہ گیلانی جو بارہ سال سے اپنی
بہادری کا ڈنکہ بجا رہا تھا چوب اجل کی بے پناہ ضرب سے راہی عدم ہوا۔ محمود شاہ
سواحل دریا کی سیر کرتا ہوا حدود بیجاپور میں پہنچا۔ یوسف عادل شاہ نے غضنفر بیگ کو اعیان مملکت
کی ایک جماعت کے ساتھ بادشاہ کے لشکر گاہ میں بھیجا اور محمود شاہ سے بیجاپور آنے کی درخواست
کی محمود شاہ نے قاسم برید کے مشورہ سے اپنا لشکر احمد آباد بیدر روانہ کردیا اور خود مخصوص درباریوں
کے ہمراہ بیجاپور روانہ ہوا۔ یوسف عادل شاہ نے محمود کا استقبال کیا اور بیحد اعزاز و اکرام

کے ساتھ اسے شہر میں لایا۔ بادشاہ نے ارک کے نوساختہ قلعہ میں قیام کیا اور عادل شاہ نے
دس روز برابر شاہانہ ضیافت اور مہمانداری کی اور بیس ہاتھی پچاس گھوڑے اور چار مرصع
عنبر چے اور دوسرے بیش قیمت اور عمدہ تحفے محمود شاہ کی خدمت میں پیش کئے۔ محمود شاہ نے
ایک ہاتھی لے لیا اور باقی تمام چیزیں عادل شاہ کو واپس کر دیں اور پوشیدہ طور پر کہلا بھیجا کہ
تمہارے ہدیے مینے قبول کئے لیکن میں ان چیزوں کو اپنے ہمراہ اس لئے نہیں لیجانا چاہتا
کہ بیدر پہنچتے ہی ان پر قاسم برید کا قبضہ ہو جائے گا اس لئے تم ان کو بطور امانت اپنے ہی
پاس رکھو مجھے قاسم برید کے پنجے سے نجات دینے کے بعد یہ ہدیہ بھی میرے سامنے پیش
کر دینا۔ یوسف عادل شاہ اگرچہ قاسم برید کو اس وقت ہی دفع کر سکتا تھا لیکن اپنی مصلحتوں پر
لحاظ کر کے خاموش ہو رہا اور بادشاہ کے پیغام کا یہ جواب دیا کہ قاسم برید کا دفعیہ بغیر احمد نظام الملک بحری
اور فتح اللہ عمادی کی مدد کے تنہا میرے امکان سے خارج ہے بادشاہ تخت گاہ کو تشریف لیجائیں
میں ان دونوں اراکین کو ہموار کر کے بیدر حاضر ہوتا ہوں بادشاہ سے رخصت ہوتے وقت
یوسف عادل شاہ نے پچاس ہزار ہون نقد پوشیدہ طور پر محمود شاہ کی خدمت میں
بھیج دئے اور قاسم برید اور قطب الملک ہمدانی کو بھی بیش قیمت تحفوں سے راضی اور
خوش کیا۔ سنہ ۹۰۱ ہجری میں دستور دینار حبشی خواجہ سرا نے بھی تاج و تخت کے خواب دیکھنے شروع
کئے اور یہ چاہا کہ حسن آباد گلبرگہ۔ ساغر المینکر۔ اللندر اور گنجوٹی وغیرہ تمام ان پرگنات اور
قلعوں کا جو دریائے بیورہ اور تلنگانہ کے مابین اس کے زیر اثر ہیں مستقل فرمانروا ہو کر خود مختاری
کا ڈنکہ بجائے دستور کی اصلی تمنا یہ تھی کہ دکن کے سکۂ اشرفی پر حبش کی سیاہی کا روغن چڑھے
اور دینار بھی دوسروں کی طرح صاحب سکہ ہو جائے اس لئے دستور نے نظام الملک بحری
سے دوستی کی طرح ڈالی اور اسے پیغام دیا کہ یوسف عادل شاہ کی مدد سے فتح اللہ عماد الملک
برار پر خود مختارانہ قابض ہو گیا ہے اگر میں جو آپ کا قدیم خیر اندیش اور بہی خواہ ہوں جناب
کی اعانت سے منصب شاہی پر سرفراز ہو جاؤں تو نوازش مربیانہ سے بعید نہیں ہے۔
نظام الملک دستور کو منہ سے بیٹا کہہ چکا تھا اب اپنی زبان کا پاس کرنا ضروری تھا اس نے
دستور کو اجازت دیدی کہ ملک میں اپنے نام کا سکہ رائج کرے دینار نے اپنے نام کا خطبہ
اور سکہ جاری کر کے قاسم برید ترک کے عاملوں کو شہر بدر کیا اور بہت سے ان قصبات
اور مواضعات پر بھی قبضہ کر لیا جو تخت گاہ کے زیر حکومت تھے۔ اس واقعہ سے قاسم برید

بیحد پریشان ہوا اور اس نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ محمود شاہ یوسف عادل سے مدد کا طلبگار ہو۔ یوسف عادل شاہ نے بادشاہ کی درخواست پر پوری توجہ کی اور غضنفر بیگ کو اپنے چند معتمد امیروں کے ہمراہ بھیجکر بادشاہ کو پیغام دیا کہ اگر میں خود آتا ہوں تو میری آمد کی خبر سن کر نظام الملک بھی دستور کی مدد کے لئے میدان میں آجائے گا اور قصہ طول پکڑے گا اور میری غیر حاضری کسی تمرد یا عدم تعمیل پر محمول نہ کیجائے۔ اس کے بعد فوراً ہی معلوم ہوا کہ خواجہ جہاں دکنی جو شجاعت اور مردانگی میں تمام ملک میں مشہور تھا نظام الملک کا فرستادہ دستور کی مدد کو تیزی سے آرہا ہے اور احمد نگر کی فوج کا بہترین حصہ اس کے ہمراہ ہے یوسف عادل شاہ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ خود نظام الملک ہی پابرکاب اور ضرورت کا منتظر ہے۔ اب یوسف عادل شاہ نے اپنی روانگی بھی مناسب اور ضروری سمجھی بادشاہ فوراً روانہ ہوگیا اور اپنے لشکر سے جا ملا۔ یوسف عادل شاہ نے قاسم برید کو بھی طلب کیا اور دونوں امیر مل کر دستور کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ دستور دینار نے اپنے خاصہ کے آٹھ ہزار سوار اور بارہ ہزار سوار ملک احمد نظام الملک کے ساتھ لئے اور خواجہ جہاں دکنی کے ساتھ لڑنے کے لئے آگے بڑھا۔ فریقین میں جنگ ہوی اور باجودیکہ دستور نے پوری مردانگی سے کام لیا لیکن چونکہ تقدیر ناموافق تھی حریف کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا۔ قاسم برید نے محمود شاہ بہمنی سے اس کے قتل کا فرمان لیکر چاہا کہ ایسے مجرم کو تہ تیغ کرے لیکن یوسف عادل شاہ نے قاسم برید کے خلاف محمود شاہ سے دستور کی سفارش کر کے اسے آزاد کردیا اور اس کی جاگیر حسنا باد گلبرگہ پر اسے بحال کرایا یوسف عادل شاہ نے بلا محمود شاہ سے ملاقات کئے ہوئے بیجاپور کی راہ لی اور دستور دینار بھی اپنی جاگیر پر روانہ ہوگیا۔ ۹۰۳ھ ہجری میں محمود شاہ نے یوسف عادل شاہ کی شیر خوار لڑکی بی بی ستی خاتون کا اپنے بیٹے شاہزادہ احمد کے ساتھ نکاح کرنا چاہا۔ جشن عیش اور مجلس عقد کے لئے گلبرگہ تجویز کیا گیا۔ محمود شاہ اور یوسف عادل دونوں اپنے اپنے مستقر سے گلبرگہ روانہ ہوے دستور دینار ان فرمانرواؤں کے آنے سے دل میں خوف زدہ ہوا۔ اس زمانے میں یوسف عادل شاہ نے محمود شاہ سے درخواست کی کہ چونکہ میرے اور تخت گاہ کے مقبوضات کے درمیان دستور دینار کی جاگیر کے پرگنے حائل ہیں اس لئے میں قاسم برید کا کوئی تدارک نہیں کر سکتا اگر بادشاہ قاسم برید کے پنجے سے نجات چاہتے ہیں تو دستور دینار کی جاگیر بھی میرے قبضہ

میں دے دی جائے تاکہ میں اس بہانہ سے آزمودہ کار اور لائق افسروں کو وہاں مقرر کرکے فرصت کے وقت دھاوا کروں اور غفلت کے عالم میں قبل اس کے کہ نظام الملک بحری آگاہ ہو میں قاسم برید کو گرفتار کرلوں۔ بادشاہ نے یوسف عادل کی درخواست منظور کرلی اور دینار کے تمام خزانہ اور املاک پر یوسف کا قبضہ ہوگیا۔ دستور دینار نے قاسم برید کے دامن میں پناہ لی۔ قطب الملک ہمدانی نے بھی یوسف عادل شاہ کا ساتھ دیا قاسم برید قطب الملک کی مخالفت سے اور زیادہ خوف زدہ ہوا اور دستور دینار خواجہ جہان دکنی اور دوسرے ہندی امیروں کی ایک جماعت کو اپنے ہمراہ لیکر محمود شاہ سے علیحدہ ہوگیا اور بیدر سے بھاگ کر النّدر میں پناہ گزیں ہوا۔ عادل شاہ نے قطب الملک کو اپنے ہمراہ لیا اور مخالفین کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ ایک سخت اور خونریز لڑائی کے بعد عادل شاہی جماعت نے دشمن پر فتح پائی اور مخالفین کے گروہ کا ہر امیر شکست کھاکر کسی نہ کسی طرف بھاگ گیا۔ میدان جنگ میں زربفت کا ایک غالیچہ بچھایا گیا اور حاضرین نے یوسف عادل شاہ کا ہاتھ پکڑ کر اس فرش پر بٹھانا چاہا۔ یوسف عادل شاہ بیحد مبالغہ اور تواضع کے بعد محمود بہمنی کے پاس اسی فرش پر بیٹھا اور بہمنی فرمانروا سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا یوسف عادل اور محمود میں یہ مشورہ طے پایا کہ دوسرے سال دونوں فرمانروا مل کر نظام الملک بحری اور فتح اللہ عمادی پر لشکر کشی کرکے قاسم برید کو ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کردیں اس معرکہ میں ملک الیاس کام آچکا تھا یوسف عادل شاہ نے اس کا منصب اور جاگیر اس کے بڑے بیٹے میاں محمد کو عنایت کرکے عین الملک کے خطاب سے سرفراز کیا اور محمود شاہ سے رخصت ہوکر بیجاپور واپس آیا دوسرے سال یوسف عادل شاہ نے دستور کے تباہ کرنے پر کمر ہمت باندھی اور دینار پر لشکر کشی کی ملک احمد نظام الملک جلد سے جلد دستور کی مدد کے لئے آگیا۔ یوسف عادل شاہ نے بیدر کے نواح میں پہنچکر قطب الملک ہمدانی اور فتح اللہ عمادی سے مدد مانگی۔ ملک احمد قضیہ کے طول پکڑ جانے سے خوف زدہ ہوا اور احمد نگر واپس آیا اس واقعہ کے دوسرے سال یوسف عادل شاہ نے اپنی دور اندیشی سے کام لیا اور ارادہ کیا کہ ملک نظام الملک بحری سے دوستی بڑھاکر اپنی مملکت کو اور زیادہ وسیع کرے۔ یوسف عادل شاہ نے ملک نظام کو یہ پیغام بھیجا کہ دکن کا ملک بالکل مختصر اور چھوٹا ہے سرزمین اتنی وسیع ہے کہ تمام موجودہ

فرمانروا اسی پر اکتفا کرکے دکن کے مختلف ٹکڑوں میں خود مختاری کا جھنڈا اڑائیں یہ وقت غنیمت ہے تم جلد سے جلد دولت آباد۔ دہور۔ کالنہ۔ پونہ اور جیوا کیہ پر قبضہ کرلو میں دستور دینار اور عین الملک کے پرگنوں کو اپنے دائرۂ حکومت میں شامل کرلوں۔ عماد الملک خداوند خاں حبشی کی جاگیر اپنے قبضہ میں لے آئے اور قطب الملک تلنگانہ کا ملک اپنے زیر حکومت کرلے اور بیدر مع اپنے قلیل مضافات کے قاسم برید کے ماتحت رہے اور ہم میں کوئی کسی کی مخالفت نہ کرے اور بڑے اتحاد اور یگانگی کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ مورخ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ جس شخص نے تاریخ دکن کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ ایوان بہمنی کی بنیاد متزلزل ہوتے ہی صوبہ داران ملک نے اپنے استقلال اور خود مختاری حاصل کرنے میں ریشہ دوانیاں شروع کیں اور جو شخص کہ جہاں کہیں تھا وہیں خود پرستی کا دم بھرنے لگا ہر شخص کسی دوسرے کے آگے سر جھکانا گناہ کبیرہ سمجھتا تھا چنانچہ اسی طرح سارے دکن میں گیارہ خود مختار حاکم پیدا ہوگئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

یوسف عادل شاہ بیجاپور میں

احمد نظام الملک جنیر میں۔

فتح اللہ عماد الملک برار میں۔

قطب الملک ہمدانی تلنگانہ میں

بیجاپور کے پچھم دریائے شور کے کنارے تک تمام مشہور پرگنے مرچ دکلہر وغیرہ اور چند مضبوط قلعے پنالہ۔ کودہ وغیرہ بہادر گیلانی کے قبضہ میں تھے۔ بہادر گیلانی کے مارے جانے کے بعد اس کی جاگیر بہادر کے فرزند ملک الیاس المخاطب بہ عین الملک کو عطا کی گئی اور الیاس کے بعد اس کا بیٹا میاں محمد ان پرگنوں کا حاکم مقرر ہوا اور باپ کی طرح عین الملک کے خطاب سے بھی سرفراز کیا گیا۔ بیجاپور کے جنوب میں نہر بھسوارہ اور بیدر کے درمیان گنجوٹی۔ الندرا۔ حسن آباد گلبرگہ باکاہی ویلی۔ کھیر دیجنولی وغیرہ عمدہ پرگنوں پر دستور دینار قابض تھا۔ بہادر گیلانی اور دستور دینار کا قدم جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا یوسف عادل شاہ نے درمیان سے اٹھا کر ان کا ملک اپنی سلطنت میں شامل کیا احمد نظام الملک کے پہلو میں دو امیر اور بھی خود مختاری کا ڈنکا بجا رہے تھے ایک ان میں سے خواجہ جہاں دکنی تھا جو پرندہ اور شولاپور کے قلعوں اور اس کے نواح کے پرگنوں

اور دیہات پر قابض ہو گیا تھا دوسرے، زین الدین علی ناس جو پونہ۔ چھاکیہ مجار کونده اور قلعۂ وندا راجپوری پر متصرف تھا اس کے علاوہ دولت آباد کے قلعہ پر بھی ملک وجیہ اور ملک اشرف دو حقیقی بھائی خود مختارانہ قابض تھے مذکورۂ بالا حاکموں کو ملک احمد نظام الملک نے پسپا کر کے ان کے ملک پر قبضہ کیا۔ برار میں خداوند خاں حبشی فتح اللہ عمادی کا رقیب بنا ہوا تھا اور جھکر تومار۔ کلم اور قلعۂ ماہور پر آزاد حکومت کر رہا تھا۔ خداوند خاں حبشی آخر میں فتح اللہ عمادی کے ہاتوں پیوند گور ہوا اور اس کا ملک بھی عماد شاہی سلطنت میں شامل کر لیا گیا اور خود تخت گاہ پر قاسم برید ترک کا تسلط اور غلبہ تھا۔ مختصر یہ کہ رسل و رسائل بھیجنے کے بعد عادل شاہ نے سب سے پہلے میاں محمد المخاطب بہ عین الملک کی طلبی میں فرمان روانہ کیا۔ یوسف کا فرمان دیکھتے ہی عین الملک کی آنکھیں ٹھنڈی اور روشن ہو گئیں اور اس کے گھر میں شادیانے بجنے لگے عین الملک نے یوسف عادل کو لکھا کہ میرے لئے اس سے بڑھکر اور کوئی بات مسرت اور فخر کی نہیں ہو سکتی کہ فرمانروائے بیجاپور مجھے بھی اپنے ہی خواہوں میں شمار کرنے لگے عین الملک نے ایک ہفتہ کامل اپنے مستقر قلعہ کووہ میں جشن عشرت منعقد کی اور اس کے بعد بلا تامل چھ ہزار سواروں کی ایک جمعیت اپنے ساتھ لیکر بیجاپور روانہ ہو گیا۔ عین الملک عادل شاہی دار السلطنت میں پہنچا اس مرتبہ یوسف عادل شاہ نے عین الملک کے سلام کے جواب میں مساوات کا لحاظ رکھا اور تازی گھوڑوں کے عطیے اور گراں بہا خلعت سے اسے سرفراز کیا عین الملک یوسف کے اس برتاؤ سے دستور سمجھ گیا کہ دنیائے دکن کے نظام حکومت میں پھیر کچھ انقلاب آنے والا ہے۔ دستور نے امیر برید کو جو تھوڑے ہی دنوں سے باپ کا جانشین ہوا تھا لکھا کہ تمھیں چاہئے کہ باپ کے طریقہ پر عمل کرو اور دشمنوں کے مقابلہ میں میری امداد اپنا فرض سمجھو دستور کا خط پاتے ہی امیر برید نے تین ہزار سوار اس کی مدد کے لئے روانہ کئے۔ دستور نے بھی حریف کی مدافعت کا پورا قصد کر لیا اور نہر بھیورہ کے کنارے اپنے ڈیرے اور خیمے ڈالے۔ خواجہ جہاں دکنی نے جو دستور دینار کی طرح تخت و تاج کے خواب دیکھ رہا تھا ارادہ کیا کہ ملک احمد نظام الملک منظاہرت سے حکمرانی کا جھنڈا بلند کرے خواجہ جہاں یوسف اور نظام کی صلح و آشتی سے بھی آگاہ تھا اور یہ چاہتا تھا کہ ان دونوں فرمانرواؤں میں اس کے خلاف عہد و پیمان

ہو چکا ہے۔ خواجہ جہاں یوسف عادل اور احمد نظام سے رنجیدہ ہو گیا اور اسے بھائی زین خاں کی رائے سے دستور کو مدد دینا اپنا فرض سمجھا۔ اس زمانہ میں احمد نظام دولت آباد کی تسخیر میں مشغول تھا اور سلطان محمود شاہ گجراتی کے فتنہ کے بیدار ہونے کا قوی اندیشہ تھا۔ خواجہ جہاں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور پانچہزار سواروں کی جمعیت سے دستور سے جا ملا۔ دستور اب اپنی جمعیت سے بیحد مغرور ہوا اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگا۔ دینار نے روپیہ اور ہتھیار اپنے سپاہیوں میں تقسیم کئے۔ دستور اور خواجہ جہاں کی اس سازش اور ان کے ارادے سے یوسف عادل کو بھی خبر ہوئی اور باوجود اس کے کہ حریفوں کی فوجی قوت اس وقت عادل شاہی طاقت سے زیادہ تھی لیکن یوسف نے کمر ہمت باندھی اور اس لڑائی کو آئندہ کے فتوحات کا پیش خیمہ سمجھکر حریفوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔ یوسف عادل شاہ نے خزانہ کا دروازہ کھول دیا اور بیجانگر کا مال غنیمت بیدریغ لشکریوں میں تقسیم کرنا شروع کیا اور بڑے اہتمام کے ساتھ فوج لیکر دستور دینار کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ یوسف عادل نے حریف سے پانچ کوس کے فاصلہ پر اپنے خیمے نصب کئے۔ بادشاہ نے ایک دن آرام لیا اور دوسرے روز لشکر تیار ہوا اور یوسف عادل خود بھی گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں آیا اور دو ہزار تیر انداز اور اسی قدر نیزہ باز اپنے لشکر سے منتخب کر کے ان سب کو اپنے سامنے بلایا اور ہر ایک کو شاہانہ نوازش سے سرفراز کیا۔ اپنے جاں نثار بھائی غضنفر آقا کو اس جمعیت کا سردار بنا کر اس فوج کو بطور مقدمۂ لشکر کے آگے روانہ کیا اور حکم دیا کہ دشمن سے ایک کوس کے فاصلہ پر خیمہ زن ہو۔ یوسف عادل نے اپنے مقدمۂ لشکر کو ہدایت کی کہ عادل شاہی فوج جنگ آزمائی میں سبقت اور جلدی نکرے بلکہ دشمن کے قریب پہنچکر پہلے صلح کا پیغام حریف کو پہنچائے۔ یوسف عادل نے غضنفر کو ہدایت کر دی کہ ایک معتمد امیر پہلے دستور دینار کے پاس روانہ کر کے اسے عادل شاہی غاشیۂ اطاعت کاندھے پر رکھنے کی ہدایت کرے اور اسے یقین دلائے کہ اگر دستور عین الملک کی طرح بیجاپوری اقتدار کی حمایت میں آجائے گا تو دینار بھی عادل شاہی امرا میں داخل ہو کر زندگی کو بڑی شوکت اور حشمت کے ساتھ بسر کرے گا۔ بادشاہ کی تاکید تھی کہ اگر دستور اس پیغام سے برسر راہ آجائے تو بہتر ہے ورنہ اگر نکبت و ادبار کی کالی گھٹا اس کے سر پر سوار ہے اور تمہاری نصیحت پر عمل پیرا نہ ہو تو حریف کی تباہی

اور بربادی میں کوئی کوتاہی نہ کرنا غضنفر بیگ نے بادشاہ کے ارشاد کو سر آنکھوں پر
قبول کیا اور دستور دینار سے ایک کوس کے فاصلہ پر قیام کر کے یوسف کی ہدایت کے
موافق اسے اطاعت اور فرماں برداری کی نصیحت کی دینار کو در بدر کی بھیک مانگنی
تھی اس نے غضنفر کے کہنے پر عمل نہ کیا اور چھ ہزار سوار مکمل اور مسلح ساتھ لیکر غضنفر سے
مقابلہ کرنے کے لئے آگے قدم بڑھایا غضنفر شیر دل نے سمجھ لیا کہ یہ حبشی نژاد ہندی بغیر
بلا تلوار کی ضرب کھائے راہ راست پر نہ آئے گا غضنفر بھی اپنی فوج کو ساتھ لے کر
دستور سے لڑنے کو آگے بڑھا۔ عادل شاہی تلواریں دشمن کا خون پینے کے لئے
نیام سے نکلیں اور طرفین میدان جنگ میں کام آنے لگے۔ ایک شدید لڑائی کے بعد
غضنفر کو فتح ہوی اور دشمن جان بچانے کے لئے میدان سے بھاگے۔ حریف کے
گھوڑے ہاتھی اور اور تمام سامان حرب غضنفر کے ہاتھ لگا۔ قاصدوں نے اس
فتح کی خبر جلد سے جلد یوسف عادل کو پہنچائی اور بادشاہ اپنے مقدمۂ لشکر کی اس
کامیابی کو اپنی آئندہ شوکت اور حشمت کا پیش خیمہ سمجھکر دستور کو ہمیشہ کے لئے تباہ
کرنے کی غرض سے دوسرے روز اپنے قیام گاہ سے روانہ ہوا اور جلد سے جلد
مقدمۂ لشکر سے جا ملا۔ لشکر کے پاس پہنچکر یوسف نے فوج کی درستی کی اور میمنہ پر غضنفر بیگ۔
میسرہ پر حیدر بیگ ترمذی اور قلب لشکر پر مرزا جہانگیر بیگ قمی متعین کئے گئے۔ یوسف عادل
فوج کو ترتیب دے کر خود قلب لشکر میں کھڑا ہوا حریف بھی مقابلہ کے لئے میدان میں آیا
اور اپنی کثرت سپاہ پر مغرور ہو کر جبہہ اور جوشن اور تمام دوسرے آلات جنگ سپاہیوں
میں تقسیم کرنے لگا۔ دستور نے مست ہاتھی جا بجا مقرر کئے اور توپ و تفنگ کے
عرابے لشکر کے سامنے نصب کر کے ہندوستانی قاعدہ کے موافق اپنی فوج مرتب کی۔
طرفین سے بہادروں نے جاں بازی شروع کی اور تلواروں اور نیزوں کی ضرب اور
گھوڑوں کی ٹاپ سے میدان جنگ کو سر پر اٹھا لیا سب سے پہلے مرزا جہانگیر بیگ قمی
نے قلب لشکر سے نکل کر دشمن پر حملہ کیا اور حریف کے بیشمار سپاہیوں کو تلوار کے گھاٹ
اتارا۔ اس کے بعد غضنفر بیگ اور حیدر بیگ میمنہ اور میسرہ سے نکل کر دشمن پر حملہ آور
ہوے اور دونوں ایک ساتھ ہو کر شمشیر اور نیزہ سے دشمنوں کو خاک و خون میں ملانے
لگے۔ آخر کار تائید الہی نے یوسف عادل کا ساتھ دیا اور دستور دینار معرکۂ جنگ میں کام آیا

دستور کی بے سر فوج میدان جنگ سے بھاگی اور یوسف کو فتح نصیب ہوئی غضنفر بیگ
کی پیشانی پر ایک کاری زخم پتھر کا لگا لیکن اسی حالت میں تمام امرا کو ساتھ لیکر مبارکباد
کے لئے بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا۔ امیر اور سپاہی نقد و جواہر بادشاہ پر نچھاور کرنے
اور ترقی عمر و اقبال کی دعائیں دینے لگے۔ یوسف عادل نے اپنے بھائی کو سینے سے لگایا
اور اپنے ہاتھ سے اس کے زخم کی مرہم پٹی کرنے لگا۔ یوسف نے ہر چند دوا اور معالجہ
کیا لیکن غضنفر اس زخم سے جاں بر نہ ہوسکا اور تیسرے دن دنیا سے کوچ کر گیا۔ بعض
مورخین لکھتے ہیں کہ غضنفر یوسف عادل کا حقیقی بھائی تھا اور بعضوں نے اسے
بادشاہ کا رضاعی بھائی بتایا ہے اور لکھا ہے کہ غضنفر عادل کے جلاوطن ہونے کے بعد
روم سے ساوہ آیا اور پھر ساوہ سے ہندوستان پہنچا۔ یوسف عادل کو غضنفر کی
موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ بادشاہ نے لوازم تعزیت بجالا کر دل کو دنیا کے کاموں میں
لگایا اور حسن آباد گلبرگہ۔ ساغر۔ آہنکر اور دوسرے دستور کے پرگنوں اور جاگیروں پر
قبضہ کر لیا بادشاہ نے ان پرگنوں کو اپنے معتمد امیروں کے سپرد کیا اور خود بیجاپور
واپس ہوا۔ یوسف نے تخت گاہ پہنچکر اعیان دولت پر مہربانی فرمائی اور مرزا جہانگیر قمی
اور حیدر بیگ کو جنھوں نے دستور کے معرکہ میں پورا حق نمک ادا کیا تھا اعلیٰ ترین مرتبوں پر
فائز کیا اس فتح سے بادشاہ کی مراد بر آئی۔ ۹۰۸ھ ہجری میں یوسف نے ایک مجلس جشن
ترتیب دی۔ اس مجلس میں سید احمد صدری اور دوسرے شیعی علما حاضر تھے یوسف
نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ جلاوطنی کے ابتدائی زمانہ میں جب شہر کے
بازاروں میں میرا سودا ہو رہا تھا مجھے حضرت خضر نے خواب میں یہ بشارت دی تھی
کہ اللہ تعالیٰ مجھے چاہ ذلت سے نکال کر تخت سلطنت پر بٹھائے گا۔ حضرت خضر نے
مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ تاج شاہی سر پر رکھکر میں خدا کو نہ بھولوں اور ہمیشہ سادات
اور محبان اہل بیت رسول صلعم کی عزت اور توقیر کروں اور ہمیشہ دوازدہ امام کا مذہب
دنیا میں پھیلانے کی کوشش میں زندگی بسر کروں میں نے اس خواب کی بنا پر خدا سے
عہد کیا تھا کہ اس عظیم الشان مرتبے پر فائز ہو کر دوازدہ امام کے اسمائے گرامی خطبہ میں
داخل کر کے مذہب شیعہ کو رواج دوں گا۔ اس کے علاوہ تاراج کے فتنہ و فساد میں
جبکہ ملک و سلطنت میرے قبضہ و اقتدار سے جا رہے تھے میں نے دوبارہ خدا سے

یہ عہد کیا تھا کہ دشمن کی اس مہم پر فتح پاکر میں مذہب شیعہ کے رواج دینے میں پوری کوشش کروں گا۔ یہ تقریر کر کے یوسف عادل نے درباریوں سے پوچھا کہ اب تمھاری اس میں کیا رائے ہے۔ بعضوں نے بادشاہ کے خیال کو مبارک اور مناسب کہکر یوسف کی رائے کی تائید کی اور ایک گروہ نے احتیاط اور دور اندیشی کو پیش نظر رکھکر کہا کہ سلطنت کی سنگ بنیاد رکھے ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے اور محمود شاہ بہمنی جو اصل وارث سلطنت و ملک ہے ابھی برائے نام بادشاہ مانا جاتا ہے اس کے علاوہ احمد نظام الملک فتح اللہ عمادی اور امیر برید جیسے زبردست امیر اور حاکم سنی المذہب ہیں اور خود بادشاہ کے فوجی افسر بھی زیادہ تر چار یاری اور حنفی ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح اعلان تبدیل مذہب سے تمام ملک میں تازہ فتنے نہ پیدا ہو جائیں۔ عادل شاہ اس دور اندیش گروہ کی رائے سن کر تھوڑی دیر غور کرتا رہا اور اس کے بعد سر اٹھا کر کہا کہ چونکہ میں خدا سے عہد کر چکا ہوں لہذا اس سے وفا کرنا ضروری ہے اور اس کے پورا کرنے میں جو مشکلات پیش آئیں گے اس میں خدا ہی میرا حافظ اور مددگار ہوگا اتفاق سے اسی زمانہ میں معلوم ہوا کہ شاہ اسمٰعیل صفوی بادشاہ ایران دوازدہ امام علیہم السلام کا خطبہ اپنے ملک میں جاری کر کے مذہب اثنا عشری کے رواج میں جان و دل سے کوشش کر رہا ہے۔ یوسف عادل شاہ اس خبر کو سن کر بیحد خوش ہوا اور اپنے خیال میں اور زیادہ پختہ ہو گیا چنانچہ اسی سال ذی الحجہ کے مہینہ میں جمعہ کے دن بادشاہ خود قلعہ ارک کی مسجد جامع میں آیا اور مدینۂ منورہ کا ایک صحیح النسب سید مسمی نقیب خاں خطبہ پڑھنے کے لئے منبر پر گیا پہلے اذان میں علیاً ولی اللہ کا کلمہ اضافہ کیا گیا اور اس کے بعد خطبہ میں دوازدہ امام کا نام داخل کر کے باقی صحابہ کے نام خطبہ سے خارج کئے گئے مورخین لکھتے ہیں کہ یوسف عادل پہلا فرمانروا ہے جس نے ہندوستان میں آئمۂ اثنا عشر کے نام کا خطبہ پڑھوا کر شیعہ مذہب کو ملک میں رائج کیا لیکن باوجود ان واقعات کے ناسمجھ شیعوں کی یہ مجال نہ تھی کہ صحابۂ کرام کی شان میں کوئی بے ادبی کا کلمہ صراحتاً یا اشارتاً زبان سے نکال سکیں۔ بادشاہ کی اس احتیاط اور ہوشیاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ تعصب کا قدم درمیان میں نہ آسکا اور شیعہ اور سنی بالکل ایک دوسرے سے شیر و شکر ہو گئے شیعی حنفی اور شافعی علما بڑے خلوص اور محبت سے ایک دوسرے سے

ملتے تھے اور باہم کسی طرح بغض اور کینہ ایک دوسرے سے نہ رکھتے تھے۔ ہر مذہب کے لوگ اپنی عبادت گاہوں میں اپنے طریقہ پر خدا کی پرستش کرتے تھے اور کوئی فرقہ بھی اپنے مذہب کی فضیلت اور دوسرے طریقہ کی اہانت میں کوئی کلمہ زبان پر نہ لاسکتا تھا۔ علما اور مشائخ اس اتحاد کو دیکھکر تعجب کرتے تھے اور اس بھی اتفاق کو بادشاہ کے اعجاز پر محمول کر کے یوسف کے جان و مال کو دعا دیتے تھے مورخ فرشتہ کو اس مقام پر ایک عجیب اور پرمعنی حکایت یاد آگئی ہے ناظرین کی تفریح کے لئے اسے بھی حوالہ قلم کرتا ہوں۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مولانا غیاث الدین نامی ایک بزرگ سرزمین فارس کے رہنے والے تھے۔ مولانا غیاث بڑے صاحب عقل اور حکیم منش مورخ اور شاعری کے مسلم الثبوت استاد تھے مناقب اہل بیت میں ان کے بہت سے قصیدے ایران میں مقبول اور مشہور ہیں یہ بزرگ شیعہ تھے لیکن تعصب سے بالکل پاک اور حق پسند تھے۔ مولانا غیاث کا دستور تھا کہ عصر کے وقت شیراز کے بازار میں ایک جگہ پر بیٹھ کر مرکب دوائیں فروخت کرتے تھے اور شعر و شاعری اور جاماسپ نامہ کے نصیحت آمیز فقروں اور لطیفوں سے مجمع اور اپنے خریداروں کو راضی اور خوش رکھتے تھے۔ اہل فارس ان بزرگ کے عقیدت مند اور ان کی سچائی کے مقر تھے اور حتی الوسع ان کے احکام کی پوری تعمیل کرتے تھے۔ ایک دن سلطان ابراہیم نے مولانا غیاث کو طلب کیا اور ان سے پوچھا کہ موجودہ مذاہب میں سب سے بہتر کون طریقہ ہے مولانا نے جواب دیا کہ بادشاہ ایک گھر کے اندر جلوہ فرما ہے اور اس گھر کے مختلف دروازے ہیں انسان جس دروازہ سے بھی داخل ہوگا بادشاہ کی زیارت اسے نصیب ہوگی آدمی کو چاہئے کہ پہلے بادشاہ کی باریابی اور خدمت گزاری کی قابلیت پیدا کرے اس کے بعد یہ سوال کرے کہ کس دروازہ سے شاہی مجلس کے اندر داخل ہونا زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔ بادشاہ نے پھر سوال کیا کہ ہر مذہب اور فرقے کے لوگوں میں کون طبقہ سب سے بہتر ہے۔ مولانا نے جواب دیا کہ مرد صالح ہر فرقہ کا خدا کا مقبول بندہ ہے۔ بادشاہ کو مولانا غیاث کی تقریر بیحد پسند آئی اور انھیں خلعت اور انعام سے سرفراز

کر کے رخصت کیا۔ چنانچہ شیخ فرید الدین عطار بھی اپنی مثنوی میں اسی بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ مختصر یہ کہ یوسف عادل شاہ کے خطبہ پڑھتے ہی اور مذہب اثنا عشری جاری اور قبول کرتے ہی موافق مثل مشہور کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ بہت سے امیروں نے بھی شیعہ مذہب اختیار کر لیا لیکن ایک گروہ امیروں کا جو متشدد سنی اور حنفی المذہب تھے اپنے آبائی دین پر قائم رہے۔ میاں محمدؒ المخاطب بہ عین الملک۔ دلاور خاں حبشی اور محمدؒ خاں سیستانی وغیرہ بادشاہ کے اس تبدیل مذہب سے بیحد آزردہ ہو گئے ان لوگوں کی نفرت اور دلی کدورت سے قریب تھا کہ ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے لیکن یوسف عادل نے بڑی ہوشیاری اور دانائی سے کام لیا اور ان امیروں کو اپنے پاس بلا کر انھیں سمجھایا کہ مذہب اور ملت کا معاملہ ہر شخص کے عقیدہ اور اس کے رجحان پر موقوف ہے ہم کو اپنے مذہب کا گرویدہ رہنے دو اور تم اپنے طریقے کے شیدائی رہو۔ اعتقاد کی مخالفت کو سیاسی اختلاف سے کیا سروکار ہے۔ غرضکہ یوسف عادل نے اس طرح کی تقریر و فہمائش سے ان امیروں کے مذہبی جوش کو ٹھنڈا کیا۔ ان غضب آلود امیروں میں میاں محمدؒ بڑا صاحب اقتدار تھا۔ یوسف عادل اس امیر سے کچھ خوف زدہ ہوا اور ابتدائے ۹۰۹ھ ہجری میں اس کو سپہ سالاری سے معزول کر کے اس کی جاگیر جو بہادر گیلانی کے بعد عین الملک کے نامزد کی گئی تھی بدل دی اور اس کے عوض میں پرگنہ اہتگری اور بلگاون میاں محمدؒ کو مدد معاش کے لئے عطا کئے۔ بادشاہ نے حنفی مذہب امیروں کو اطلاع دیدی کہ ہر امیر اپنی جاگیر میں اپنے عقائد کے موافق اذاں دیں اور حکام اطراف کو حکم دیدیا کہ کوئی شخص بھی اہل سنت کے طریقۂ عبادت میں روک تھام نہ کرے۔ لیکن باوجود اس احتیاط کے بھی یوسف عادل نے ہوشیاری اور دور اندیشی کو ہمیشہ مدنظر رکھا اور ہر حکم کی نگہداشت کے لئے ہرکارے اور سرکاری عامل مقرر کئے جو بادشاہ کو ہر ہر جزوی واقعہ سے برابر مطلع کرتے رہتے تھے اسی اثنا میں ملک احمدؒ نظام الملک اور امیر برید جو بڑے سخت سنی حنفی تھے اسی مذہبی معاملہ میں یوسف عادل سے رنجیدہ ہو گئے اور دونوں نے مل کر بیجاپور پر لشکر کشی کی سب سے پہلے امیر برید نے پرگنہ گنجوٹی اور دوسرے ان قصبات اور دیہات پر جو عادل شاہی حکومت میں شامل ہونے سے پیشتر دستور دینار کی جاگیر میں تھے قبضہ

کرلیا اس کے بعد احمد نظام الملک نے ایک ایلچی بیجاپور روانہ کیا اور یوسف عادل سے قلعۂ نلدرک کو جو اس سے پہلے دستور دینار کے قبضہ میں تھا طلب کیا۔ یوسف عادل نے باوجود اس کے کہ اپنے اکثر فوجی افسروں سے مطمئن نہ تھا قاصد کو سخت جواب دیا اور ملک نظام کو بُرے الفاظ سے یاد کیا اور گنجوٹی کے نواح پر دھاوا کرکے پرگنۂ مذکور کے قرب و جوار کو اپنے قبضہ میں لے آیا۔ محمود شاہ بہمنی نے امیر برید کی فہمائش سے اطراف و نواح کے حکام کے پاس قاصد روانہ کئے قطب الملک فتح اللہ عماد الملک خداوند خاں حبشی اور ملک احمد نظام الملک بحری سے یوسف عادل کے مقابلہ میں مدد کا خواستگار ہوا۔ خداوند خاں اور فتح اللہ عماد الملک ایک دوسرے سے کشیدہ اور خوف زدہ تھے یہ دونوں امیر تو باہمی رنجش کی وجہ سے اپنی جگہ سے نہ ہلے اور عذر لنگ کر کے اپنے مقام پر ساکت اور خاموش رہے قطب الملک ہمدانی اگرچہ حقیقت میں شیعی تھا اور دل سے چاہتا تھا کہ مذہب امامیہ ملک میں رائج ہو لیکن وقت کی مصلحتوں سے مجبور ہوکر تلنگانہ کے امیروں کے ساتھ محمود شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملک احمد نظام الملک بھی خواجہ جہاں دکنی حاکم پرندہ اور زین خاں حاکم شولاپور کو ہمراہ لیکر بارہ ہزار سوار اور بے شمار توپ خانوں کے ساتھ احمد آباد بیدر پہنچ گیا۔ محمود شاہ بہمنی بھی تلنگانہ کے لشکر کو آراستہ کرکے امیر برید کے ساتھ دار الخلافت سے روانہ ہوا اور احمد نگر کے لشکر سے دو کوس کے فاصلہ پر مقیم ہوا۔ محمود شاہ کے ساتھ اتنی بڑی جمعیت دیکھکر یوسف عادل کو معاملہ دگرگوں نظر آیا یوسف نے اپنے پنجسالہ فرزند شاہزادہ اسمٰعیل کو کمال خاں دکنی اور دوسرے معتمد امیروں کے ساتھ مع فیل و خزانہ اور اسباب و سامان بیجاپور روانہ کر دیا اور دریا خاں اور فخر الملک کو حسن آباد گلبرگہ کی مہم پر نامزد کرکے خود عین الملک کے ہمراہ چھ ہزار تجربہ کار سواروں کی ایک فوج ساتھ لیکر پرگنۂ بیٹر روانہ ہوا۔ یوسف نے پرگنۂ مذکور پر پہنچکر دیہات اور قصبات کو جلانا اور برباد کرنا شروع کیا۔ احمد نظام نے جب اپنی جاگیر کو اس طرح تباہ ہوتے دیکھا تو محمود شاہ کو مع تمام لشکر اور سامان حرب کے اپنے ساتھ لیکر جلد سے جلد یوسف عادل کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ یوسف عادل دشمن کی سخت گیری سے تنگ آگیا اور بیٹر سے دولت آباد پہنچا اور اس صوبہ کو غارت اور آتش زدہ کرکے برار روانہ ہو گیا۔ فتح اللہ عمادی محمود شاہ اور احمد نظام کے تعاقب سے

بیحد خوف زدہ ہوا۔ عمادی نے عادل سے کہا کہ بادشاہ اور احمد نظام شاہ دونوں سنی حنفی ہیں اور مذہب کا بہانہ کرکے تم کو تباہ اور برباد کرنا چاہتے ہیں اس وقت مجھ میں بھی اتنی طاقت نہیں ہے کہ حریف کے مقابلہ میں تمھاری مدد کرسکوں میری رائے یہ ہے کہ تم ظاہر المذہب شیعہ سے توبہ کرکے مجھ سے ناخوش ہوکر برہان پور چلے جاؤ میں قطب الملک کے مشورہ سے فرصت کے وقت اس معاملہ کی اصلاح کرلوں گا یوسف عادل نے عماد الملک کی رائے کو پسند کیا اور اسی وقت ایک فرمان اس مضمون کا بیجاپور روانہ کیا کہ بجائے دوازدہ امام کے حضرات چار یار کا خطبہ ملک میں پڑھا جائے اور فتح اللہ عماد الملک سے جنگ زرگری کرکے خود برہان پور چلا گیا۔ یوسف عادل کی روانگی کے بعد عماد الملک نے اپنے ایک عزیز کو ملک احمد نظام الملک کے پاس روانہ کیا اور اسے یہ پیغام دیا کہ امیر برید کی اصلی تمنا یہ ہے کہ عادل شاہ کا قدم درمیان سے اٹھا کر خود بیجاپور پر قابض ہو گو ہمارے نزدیک عادل اور برید دونوں یکساں ہیں لیکن برید کی حالت ہم کو معلوم ہو چکی ہے ظاہر ہے کہ جو شخص پانچ کوس زمین کا مالک ہو کر محمود شاہ بہمنی کو شاہ شطرنج بنا کر بہمنیہ خزانہ کی مدد سے ہماری خواہش کے خلاف جو چاہتا ہو وہ کرے اور ہم زبان بھی نہ ہلا سکیں وہ شخص اگر بیجاپور جیسے وسیع ملک پر قابض ہو گا تو یقین ہے کہ ہم کو اور ہماری اولاد کو دکن میں دم لینا بھی دشوار ہو جائیگا دوسرے یہ کہ ہم لوگ سپاہی منش اور فوجی ہیں ہم کو دوسروں کے مذہب اور عقیدہ سے کیا سروکار ہے قیامت کے دن ہر شخص اپنے عقائد کا خود جواب دہ ہوگا اور باوجود اس کے یوسف عادل نے میرے سامنے مذہب شیعہ کو ترک کرکے اہل سنت کا عقیدہ پھر اختیار کرلیا ہے اور ایک فرمان کے ذریعہ سے اہل بیجاپور کو مذہب امامیہ کے شعار برتنے سے منع کردیا ہے میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ایسی حالت میں سب کا متفق ہو کر یوسف عادل پر لشکر کشی کرنا اور محمود شاہ کے نام سے امیر برید کی تمناؤں کا پورا کرنا ہرگز قرین مصلحت نہیں ہے میرا خیال یہ ہے کہ ہم اس قضیہ سے کنارہ کش ہو کر اپنے اپنے ملک کو واپس جائیں۔ ملک احمد نظام الملک اور قطب الملک ہمدانی فتح اللہ عمادی کو اپنا پیر سیاست جانتے تھے ان دونوں امیروں نے فتح اللہ عمادی

کی رائے پر اتفاق کرلیا اور رات ہی رات اپنے اپنے ملک کو روانہ ہو گئے۔
دوسرے دن صبح کو میدان جنگ سنسان نظر آیا اور محمود شاہ اور امیر برید نے
انقلاب زمانہ سے حیرت زدہ ہو کر ایک قاصد فتح اللہ عمادی کے پاس بھیجا اور
اس سے بیجاپور کی مہم پر مدد کا طلب گار ہوا۔ فتح اللہ عمادی تھوڑے دنوں
محمود اور برید کی درخواست کو آرے اور بلے کہکر ٹالتا رہا اور خفیہ ایک قاصد
عادل شاہ کے پاس روانہ کیا اور اسے جلد سے جلد واپس آنے کی ہدایت
کی عادل شاہ فوراً فتح اللہ عمادی سے آملا اور دونوں سردار فوجیں آراستہ کر کے محمود
اور برید سے جنگ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ محمود شاہ اور امیر برید اس ناگہانی
آفت سے پریشان ہو گئے اور اسباب باربرداری اور سامان حرب کو میدان میں چھوڑ کر
احمد آباد بیدر روانہ ہو گئے۔ یوسف عادل نے حریف کے لشکر کو تباہ اور غارت
کیا اور فتح اللہ عمادی سے رخصت ہو کر بیجاپور واپس آیا عادل نے بیجاپور پہنچکر ملک
میں دوبارہ دوازدہ امام کے نام کا خطبہ جاری کیا اور شیعہ مذہب کے رواج دینے میں
سرگرم ہوا۔ یوسف عادل نے عین الملک کنعانی۔ کمال خان دکنی اور فخر الملک ترک کو
شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کر کے سید احمد ہروی کو شاہ اسمٰعیل صفوی کی بارگاہ میں روانہ کیا
شاہ ایران کو بیش قیمت تحفے اور تبرکات پیش کر کے خلوص کے ساتھ مبارکباد دی اور
اپنے اثنا عشری ہونے اور دوازدہ امام کا کلمہ پڑھنے کی اسمٰعیل صفوی کو خوشخبری سنائی
اس مہم کے بعد یوسف عادل نے ملک کے رفاہ اور رعایا پر عدل و انصاف کے ساتھ
حکومت کرنے میں عمر بسر کی اور صرف دو مرتبہ دار السلطنت سے سفر کیا۔ پہلا سفر تو
محض سیر و شکار اور تفریح طبع کے لئے تھا جو اندرا پور کے نواح تک ختم ہو گیا یوسف عادل
نے دو تین مہینے سیر و شکار میں بسر کئے اور عیش و عشرت سے لذت اندوز ہو کر صحیح و سالم
اندرا پور سے بیجاپور واپس آیا۔ دوسرا سفر بیجاپور سے بندر گوہ تک محدود رہا۔ اس مرحلہ کا
مقصد غیر مسلموں کی تنبیہہ اور تادیب تھی جس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ آخر ۹۱۵ھ ہجری
میں عیسوی مذہب کے کچھ لوگ اچانک بندر گوہ میں پہنچ گئے۔ نصرانیوں نے حاکم بندرگاہ کو
غافل پاکر بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے بندرگاہ پر قبضہ کرلیا۔ یوسف عادل کو اس
واقعہ کی اطلاع ہوئی اور بادشاہ نے دو ہزار خاصہ کے سوار جس میں دکنی اور غیر ملکی دونوں طرح

کے لوگ شامل تھے منتخب کئے اور بیجاپور سے بندر کوہ پر دھاوا کر دیا۔ روانگی کے پانچویں دن عادل شاہی فوج بندر مذکور پر پہنچ گئی۔ یوسف عادل نے نصرانیوں کو غافل پاکر قلعہ پر حملہ کیا اور دربانوں کو قتل کر کے قلعہ کے اندر داخل ہوا اہل قلعہ اس آفت سے بالکل بے خبر تھے عادل شاہی تلواروں کو دیکھکر نصرانی بالکل حواس باختہ ہوگئے اور جو جان بچا سکے وہ کشتیوں پر روانہ ہو کر بھاگ گئے اور بقیہ مسلمانوں کی تلوار کے نذر ہوگئے۔ یوسف عادل نے قلعہ پر قبضہ کر لیا جو اس وقت تک مسلمانوں کے زیر حکومت ہے بادشاہ نے قلعہ کی حکومت اپنے معتمد امیروں کے سپرد کی اور خود بیجاپور واپس آیا۔ یہ مہم بادشاہ کی عمر کا آخری مرحلہ تھی جس کے بعد سوا سفر آخرت اور کسی طرح کی بادہ پیمائی کی نوبت نہیں آئی۔ یوسف عادل نے بیس برس اور دو مہینے استقلال کے ساتھ فرمانروائی کی اور مرض الموت میں مبتلا ہو کر ۹۱۶ھ ہجری میں دنیا سے رحلت کی۔ یوسف عادل کی لاش اس کی وصیت کے موافق قصبہ کرگی میں شیخ جلال المشہور شیخ چندا کے پہلو میں دفن کی گئی۔ یوسف کو ان بزرگ سے بیحد عقیدت تھی اس بادشاہ نے پچھتر برس کے سن میں دنیا کو خیر باد کیا یوسف کی وفات کا تاریخی مصرع یہ ہے۔

"بگفتا نماندہ شہنشاہ عادل"

نظام الدین احمد الحسینی کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ یوسف عادل نے ۹۱۰ھ ہجری میں وفات پائی لیکن ظاہرا یہ روایت غلط معلوم ہوتی ہے وہی سنہ صحیح ہے جو اوپر مذکور ہوا العلم عند اللہ۔ شیخ چندا کا سلسلۂ نسب حضرت امام زین العابدین تک اس طرح پہنچتا ہے کہ جلال الدین چندا ابن جہاں بن خضر بن محمد بن احمد بن یحیی بن زید بن حسین بن سراج الدین بن شرف الدین بن زید ابوالحسن بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن یحیی بن حسین بن زید ابوالحسن بن علی بن حسین اصغر بن امام زین العابدین۔ شیخ چندا مذہباً شیعہ تھے اور اسی وجہ سے یوسف عادل کو ان کے ساتھ بیحد محبت اور الفت تھی یہ محبت مذہبی تقدس کی وجہ سے یوسف اور شیخ چندا کے درمیان پیری اور مریدی کا واسطہ ہوگئی اور بادشاہ کو ان بزرگ سے بڑی عقیدت پیدا ہوی۔ شیخ چندا کی اولاد اب بھی دکن میں موجود ہے لیکن ان کی نسل میں بعض لوگ شیعہ ہیں اور بعضوں کا مذہب سنی حنفی ہے۔

مورخ فرشتہ نے نظام شاہیوں کے دارالخلافت احمد نگر میں ایک مجموعہ شاہ طاہر علیہ الرحمۃ کا خود انھیں کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اس مکتوب میں شاہ طاہر فرماتے ہیں کہ میں شاہی عتاب سے خوف زدہ ہو کر جلاوطن ہوا اور دریا کی راہ سے ہندوستان روانہ ہوا جہاز نے بندر گوہ پر لنگر کھایا اور میں نے تھوڑے دنوں اس بندرگاہ میں قیام کیا۔ اسی دوران قیام میں سید احمد ہروی سے ملاقات ہوی سید احمد کہن سال بزرگ تھے اور اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ یوسف عادل اور اسمعیل عادل کی ملازمت اور دربارداری میں بسر کر چکے تھے۔ سید مذکور کا کلام شیریں اور صورت مقدس اور مرغوب تھی اور علوم وفنون میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے اور یوسف واسمعیل دونوں کے دوران حکومت میں منصب صدارت کا کام انجام دے چکے تھے جب تک میں بندر گوہ میں مقیم رہا برابر سید احمد سے ملتا رہا اور سید مذکور رنگین حکایتوں اور پرمذاق لطیفوں سے میرے دل سے غم والم کو ہمیشہ دور کرتے رہتے تھے سید احمد نے اثنائے گفتگو میں اکثر یہ کہا ہے کہ یوسف عادل دور اندیش اور تجربہ کار فرمانروا تھا۔ یہ بادشاہ شجاعت۔ سخاوت عدالت اور حلم وغیرہ دوسرے محاسن کا مجموعہ تھا۔ ذاتی اوصاف کے علاوہ علمی کمالات سے بھی عاری نہ تھا اور علاوہ خوش خط ہونے کے علم عروض وشاعری کا بھی اچھا ماہر تھا۔ بادشاہ کو علم موسیقی میں پورا کمال حاصل تھا اور طنبور وعود کو نہایت عمدگی سے بجاتا اور اس فن کے استادوں کی بیحد قدر کرتا تھا۔ یوسف عادل کی مجلس میں ہمیشہ قدما کے شعر پڑھے جاتے تھے اور کبھی کبھی خود بھی اشعار موزوں کیا کرتا تھا یوسف عادل اگرچہ عیش وعشرت کا دلدادہ تھا لیکن اس کے ساتھ ہی مہمات سلطنت کے انجام دینے اور فرائض حکمرانی کے ادا کرنے میں بھی ذرہ برابر کمی نہ کرتا تھا۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک لحظہ بھی رعایا سے غافل نہ ہوتا تھا ہمیشہ درباریوں اور ارکان دولت سے عدل وانصاف دیانت اور امانت کی خوبیاں بیان کرتا اور اس طرح اپنے ماتحت حکام کو بھی ان صفات کے اختیار کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ بادشاہ کی ظاہری وجاہت کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کو اس کے سامنے بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی حسن صورت نے اس ظاہری وقار میں اور چار چاند لگا دیے تھے بڑھاپے کے زمانے میں بھی لوگ بادشاہ کے

حسن وجمال کو دیکھنے دور دور سے آتے تھے جس روز بادشاہ کی سواری نکلتی تھی تماشائیوں کے گروہ کے گروہ سر بازار محض اسی لئے جمع ہوتے تھے کہ یوسف کے حسن وجمال سے اپنی آنکھیں روشن کریں یوسف عادل نے اپنے دوران حکومت میں ایران و توران عربستان اور روم وغیرہ میں خطوط بھیجکر فاضلوں اہل ہنر اور بہادران روزگار کو ان مقامات سے طلب کیا اوران سب کی ایسی خاطرداری کی کہ سب نے وطن کو خیرباد کہا اور تمام عمر یوسف عادل کے سلائے میں بسر کی۔ یوسف عادل نے ارک کے خام قلعہ کو اینٹ اور چونے سے ازسرنو پختہ تعمیر کرایا شاہ طاہر کے مکتوب میں لکھا ہے کہ یوسف عادل نے اپنی حکومت کے زمانہ میں ایک مرتبہ پرگنہ اندرا پور کا دورا کیا پرگنہ مذکور میں پہنچکر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ مکٹ راؤ مرہٹہ اور اس کا بھائی جو محمود شاہی امیروں میں داخل ہیں عادل شاہی دست برد سے بچنے کے لیئے رعایا کے ایک گروہ کو ہمراہ لیکر ایک کوہستان میں پناہ گزیں ہیں۔ یوسف عادل شاہ نے دو ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر مکٹ راؤ اور اس کے ساتھیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا ہندوؤں نے عادل شاہی اطاعت سے انکار کیا۔ بیجاپوری فوج نے حریف کے مال ومتاع کو جی کھول کر لوٹا اور ان کے زن وفرزند کو اسیر کر کے ان کے گھروں کو تباہ وبرباد کیا ان قیدیوں میں مکٹ راؤ کی ایک بہن بھی تھی۔ اس لڑکی کا سن سولہ سال کا تھا اور حسن وجمال اور عقل ودانائی میں یگانۂ روزگار تھی۔ یوسف عادل نے اس لڑکی کو اپنے حرم میں داخل کر کے اسے مسلمان کیا اور پونجی خاتون کا اسے لقب دیکر شریعت کے موافق اس سے نکاح کر لیا اسی عورت کے بطن سے یوسف کے گھر میں چار اولادیں پیدا ہوئیں ایک بیٹا یعنے اسمٰعیل جو باپ کے بعد تخت نشین ہو کر اسمٰعیل عادل شاہ کے نام سے مشہور ہوا اور تین بیٹیاں یعنے مریم سلطان زوجۂ برہان نظام شاہ خدیجہ سلطان زوجۂ شیخ علاؤالدین عماد الملک اور بی بی ستی زوجۂ احمد شاہ بہمنی۔

تمت

کی رائے پر اتفاق کر لیا اور رات ہی رات اپنے اپنے ملک کو روانہ ہو گئے۔
دوسرے دن صبح کو میدان جنگ سنسان نظر آیا اور محمود شاہ اور امیر برید نے
انقلاب زمانہ سے حیرت زدہ ہو کر ایک قاصد فتح اللہ عمادی کے پاس بھیجا اور
اس سے بیجاپور کی مہم پر مدد کا طلب گار ہوا۔ فتح اللہ عمادی تھوڑے سے دنوں
محمود اور برید کی درخواست کو آج اور کل کہکر ٹالتا رہا اور خفیہ ایک قاصد
عادل شاہ کے پاس روانہ کیا اور اسے جلد سے جلد واپس آنے کی ہدایت
کی عادل شاہ فوراً فتح اللہ عمادی سے آملا اور دونوں سردار فوجیں آراستہ کر کے محمود
اور برید سے جنگ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ محمود شاہ اور امیر برید اس ناگہانی
آفت سے پریشان ہو گئے اور اسباب باربرداری اور سامان حرب کو میدان میں چھوڑ کر
احمد آباد بیدر روانہ ہو گئے۔ یوسف عادل نے حریف کے لشکر کو تباہ اور غارت
کیا اور فتح اللہ عمادی سے رخصت ہو کر بیجاپور واپس آیا عادل نے بیجاپور پہنچکر ملک
میں دوبارہ دوازدہ امام کے نام کا خطبہ جاری کیا اور شیعہ مذہب کے رواج دینے میں
سرگرم ہوا۔ یوسف عادل نے عین الملک کنعانی۔ کمال خان کنی اور فخر الملک ترک کو
شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کر کے سید احمد ہروی کو شاہ اسمعیل صفوی کی بارگاہ میں روانہ کیا
شاہ ایران کو بیش قیمت تحفے اور تبرکات پیش کر کے خلوص کے ساتھ مبارکباد دی اور
اپنے اثنا عشری ہونے اور دوازدہ امام کا کلمہ پڑھنے کی اسمعیل صفوی کو خوشخبری سنائی
اس مہم کے بعد یوسف عادل نے ملک کے رفاہ اور رعایا پر عدل و انصاف کے ساتھ
حکومت کرنے میں عمر بسر کی اور صرف دو مرتبہ دارالسلطنت سے سفر کیا۔ پہلا سفر تو
محض سیر و شکار اور تفریح طبع کے لئے تھا جو اندراپور کے نواح تک ختم ہو گیا یوسف عادل
نے دو تین مہینے سیر و شکار میں بسر کئے اور عیش و عشرت سے لذت اندوز ہو کر صحیح و سالم
اندراپور سے بیجاپور واپس آیا۔ دوسرا سفر بیجاپور سے بندر گووہ تک محدود رہا۔ اس مرحلہ کا
مقصد غیر مسلموں کی تنبیہہ اور تادیب تھی جس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ آخر ۹۱۵ھ ہجری
میں عیسوی مذہب کے کچھ لوگ اچانک بندر گووہ میں پہنچ گئے۔ نصرانیوں نے حاکم بندرگاہ کو
غافل پا کر بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ یوسف عادل کو اس
واقعہ کی اطلاع ہوئی اور بادشاہ نے دو ہزار خاصہ کے سوار جس میں دکنی اور غیر ملکی دونوں طرح

کے لوگ شامل تھے منتخب کئے اور بیجاپور سے بندر کووہ پر دھاوا کر دیا۔ روانگی کے پانچویں دن عادل شاہی فوج بندر ندکور پر پہنچ گئی۔ یوسف عادل نے نصرانیوں کو غافل پاکر قلعہ پر حملہ کیا اور دربانوں کو قتل کر کے قلعہ کے اندر داخل ہوا اہل قلعہ اس آفت سے بالکل بے خبر تھے عادل شاہی تلواروں کو دیکھکر نصرانی بالکل حواس باختہ ہو گئے اور جو جان بچا سکے وہ کشتیوں پر روانہ ہو کر بھاگ گئے اور بقیہ مسلمانوں کی تلوار کے نذر ہو گئے۔ یوسف عادل نے قلعہ پر قبضہ کر لیا جو اس وقت تک مسلمانوں کے زیر حکومت ہے بادشاہ نے قلعہ کی حکومت اپنے معتمد امیروں کے سپرد کی اور خود بیجاپور واپس آیا۔ یہ مہم بادشاہ کی عمر کا آخری مرحلہ تھی جس کے بعد سوا سفر آخرت اور کسی طرح کی بادہ پیمائی کی نوبت نہیں آئی۔ یوسف عادل نے بیس برس اور دو مہینے استقلال کے ساتھ فرمانروائی کی اور مرض الموت میں مبتلا ہو کر سنہ ۹۱۶ ہجری میں دنیا سے رحلت کی۔ یوسف عادل کی لاش اس کی وصیت کے موافق قصبہ کرگی میں شیخ جلال المشہور شیخ چندا کے پہلو میں دفن کی گئی۔ یوسف کو ان بزرگ سے بیحد عقیدت تھی اس بادشاہ نے پچھتر برس کے سن میں دنیا کو خیرباد کہا یوسف کی وفات کا تاریخی مصرع یہ ہے۔

"بگفتا نماندہ شہنشاہ عادل"

نظام الدین احمد الحسینی کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ یوسف عادل نے سنہ ۹۱۰ ہجری میں وفات پائی لیکن ظاہرا یہ روایت غلط معلوم ہوتی ہے وہی سنہ صحیح ہے جو اوپر مذکور ہوا العلم عند اللہ۔ شیخ چندا کا سلسلۂ نسب حضرت امام زین العابدین تک اس طرح پہنچتا ہے کہ جلال الدین چندا ابن جہاں بن خضر بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن زید بن حسین بن سراج الدین بن شرف الدین بن زید ابوالحسن بن عبد اللہ بن محمد بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید ابوالحسن بن علی بن حسین اصغر بن امام زین العابدین۔ شیخ چندا مذہباً شیعہ تھے اور اسی وجہ سے یوسف عادل کو ان کے ساتھ بیحد محبت اور الفت تھی یہ محبت مذہبی تقدس کی وجہ سے یوسف اور شیخ چندا کے درمیان پیری اور مریدی کا واسطہ ہو گئی اور بادشاہ کو ان بزرگ سے بڑی عقیدت پیدا ہوی۔ شیخ چندا کی اولاد اب بھی دکن میں موجود ہے لیکن ان کی نسل میں بعض لوگ شیعہ ہیں اور بعضونکا مذہب سنی حنفی ہے۔

مورخ فرشتہ نے نظام شاہیوں کے دارالخلافت احمد نگر میں ایک مجموعہ شاہ طاہر علیہ الرحمۃ کا خود انھیں کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اس مکتوب میں شاہ طاہر فرماتے ہیں کہ میں شاہی عتاب سے خوف زدہ ہوکر جلاوطن ہوا اور دریا کی راہ سے ہندوستان روانہ ہوا جہاز نے بندر گووہ پر لنگر کھایا اور میں نے تھوڑے دنوں اس بندرگاہ میں قیام کیا۔ اسی دوران قیام میں سید احمد ہروی سے ملاقات ہوئی سید احمد کہن سال بزرگ تھے اور اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ یوسف عادل اور اسمعیل عادل کی ملازمت اور درباداری میں بسر کر چکے تھے۔ سید مذکور کا کلام شیریں اور صورت مقدس اور مرغوب تھی اور علوم و فنون میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے اور یوسف و اسمعیل دونوں کے دوران حکومت میں منصب صدارت کا کام انجام دے چکے تھے جب تک میں بندر گووہ میں مقیم رہا برابر سید احمد سے ملتا رہا اور سید مذکور رنگین حکایتوں اور پر مذاق لطیفوں سے میرے دل سے غم والم کو ہمیشہ دور کرتے رہتے تھے سید احمد نے اثنائے گفتگو میں اکثر یہ کہا ہے کہ یوسف عادل دور اندیش اور تجربہ کار فرمانروا تھا۔ یہ بادشاہ شجاعت۔ سخاوت عدالت اور حلم وغیرہ دوسرے محاسن کا مجموعہ تھا۔ ذاتی اوصاف کے علاوہ علمی کمالات سے بھی عاری نہ تھا اور علاوہ خوش خط ہونے کے علم عروض و شاعری کا بھی اچھا ماہر تھا۔ بادشاہ کو علم موسیقی میں پورا کمال حاصل تھا اور طنبور و عود کو نہایت عمدگی سے بجاتا اور اس فن کے استادوں کی بیحد قدر کرتا تھا۔ یوسف عادل کی مجلس میں ہمیشہ قدما کے شعر پڑھے جاتے تھے اور کبھی کبھی خود بھی اشعار موزوں کیا کرتا تھا یوسف عادل اگرچہ عیش و عشرت کا دلدادہ تھا لیکن اس کے ساتھ ہی مہمات سلطنت کے انجام دینے اور فرائض حکمرانی کے ادا کرنے میں بھی ذرہ برابر کمی نہ کرتا تھا۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک لحظہ بھی رعایا سے غافل نہ ہوتا تھا ہمیشہ درباریوں اور ارکان دولت سے عدل و انصاف دیانت اور امانت کی خوبیاں بیان کرتا اور اس طرح اپنے ماتحت حکام کو بھی ان صفات کے اختیار کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ بادشاہ کی ظاہری وجاہت کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کو اس کے سامنے بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی حسن صورت نے اس ظاہری وقار میں اور چار چاند لگا دئے تھے بڑھاپے کے زمانے میں بھی لوگ بادشاہ کے

حسن وجمال کو دیکھنے دور دور سے آتے تھے جس روز بادشاہ کی سواری نکلتی تھی تماشائیوں کے گروہ کے گروہ سر بازار محض اسی لئے جمع ہوتے تھے کہ یوسف کے حسن وجمال سے اپنی آنکھیں روشن کریں یوسف عادل نے اپنے دوران حکومت میں ایران وتوران عربستان اور روم وغیرہ میں خطوط بھیجکر فاضلوں اہل ہنر اور بہادران روزگار کو ان مقامات سے طلب کیا اور ان سب کی ایسی خاطرداری کی کہ سب نے وطن کو خیرباد کہا اور تمام عمر یوسف عادل کے سائے میں بسر کی۔ یوسف عادل نے ارگ کے خام قلعہ کو اینٹ اور چونے سے از سر نو پختہ تعمیر کرایا شاہ طاہر کے مکتوب میں لکھا ہے کہ یوسف عادل نے اپنی حکومت کے زمانہ میں ایک مرتبہ پرگنہ اندرا پور کا دورا کیا پرگنۂ مذکور میں پہنچکر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ مکٹ راؤ مرہٹہ اور اس کا بھائی جو محمود شاہی امیروں میں داخل ہیں عادل شاہی دست برد سے بچنے کے لیئے رعایا کے ایک گروہ کو ہمراہ لیکر ایک کوہستان میں پناہ گزیں ہیں۔ یوسف عادل شاہ نے دو ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر مکٹ راؤ اور اس کے ساتھیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا ہندوؤں نے عادل شاہی اطاعت سے انکار کیا۔ بیجاپوری فوج نے حریف کے مال ومتاع کو جی کھول کر لوٹا اور ان کے زن وفرزند کو اسیر کر کے ان کے گھروں کو تباہ وبرباد کیا ان قیدیوں میں مکٹ راؤ کی ایک بہن بھی تھی۔ اس لڑکی کا سن سولہ سال کا تھا اور حسن وجمال اور عقل ودانائی میں یگانۂ روزگار تھی۔ یوسف عادل نے اس لڑکی کو اپنے حرم میں داخل کر کے اسے مسلمان کیا اور بوبجی خاتون کا اسے لقب دیکر شریعت کے موافق اس سے نکاح کر لیا اسی عورت کے بطن سے یوسف کے گھر میں چار اولادیں پیدا ہوئیں ایک بیٹا یعنے اسمٰعیل جو باپ کے بعد تخت نشین ہو کر اسمٰعیل عادل شاہ کے نام سے مشہور ہوا اور تین بیٹیاں یعنے مریم سلطان زوجۂ برہان نظام شاہ خدیجہ سلطان زوجۂ شیخ علاؤالدین عماد الملک اور بی بی ستی زوجۂ احمد شاہ بہمنی۔

تمت

صحت نامہ تاریخ فرشتہ

(جلد سوم)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۱۷	معتتر	معتبر	۶۵	۹	ستیانی	سیستانی
"	۱۸	آ ور ہ	اور	۶۹	۱۹	نبام	نیام
۱۵	۵	کی	کیا	۹۰	۱	فیرور	فیروز
۱۶	۲۵	کے موسم	کے اوائل موسم	۹۱	۷	بھتر	بہتر
۱۹	۲۱	ٹبیوں	بیٹوں	۹۹	۱۱	شالیشتہ	شائستہ
۲۱	۴	سمھ	سمجھ	۱۰۱	۲۱	پیرھال	پرتھال
۲۲	۳	تواچیپوں	تواچیوں	"	۲۲	پرتھاں	"
۲۵	۱۲	التو	التوا	۱۰۴	۲۳	حامری	حافری
۳۱	۱	انتہائی	انتہائیٔ	۱۰۸	۱۳	سبر	بسر
۴۰	۵	کے	نے	۱۱۲	۱۰	خودہ	خوردہ
۴۵	۲۱	ہیں	میں	۱۲۲	۱۰	پہینک کر	پھینکدی
۴۷	۱۵	درار	دراز	۱۲۷	۱۵	تیور	تیمور
۵۰	۱۱	مینے	اپنے	۱۲۸	۱۵	قرغہ	قمرغہ
۵۰	۱۲	لے	لیے	۱۳۹	۲۵	ولی۔	اُسے ولی
۶۵	۷	سیتائی	سیستانی				

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۷۸	۱۹	جو	کو	۲۱۹	۷	بر	ہر
۱۸۹	۱۹	جنپیر	جنیر	۲۲۴	۲۲	قبضہ لیا تھا	قبضہ کر لیا تھا
۱۹۴	۱۶	امراوں	اسیروں	۲۴۹	۹	آفاقی	آفاقی
۱۹۹	۲	دیلر	دیگر	۲۶۰	۲	وہور	دہور
〃	۸	کشتہ	برگشتہ	۲۶۲	۱	اپے	اپنے
۲۰۹	۲۳	تقرش خاں	تغرش خاں	۲۶۷	۱۲	نامزز	نامزد
۲۱۱	۱۱	رے	دے	۲۷۳	۸	دورا	دورہ





سلسلۂ نصابات تعلیم جامعۂ عثمانیہ

حواشی تاریخ فرشتہ

(جلد سوم ترجمہ اردو)

مؤلفہ

مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی

رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

۱۳۴۵ھ م ۱۳۳۶ف م ۱۹۲۶ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حواشی تاریخ فرشتہ

جلد سوم ترجمۂ اُردو

۱۔ رائے باغ بیجاپور کے پچاس ساٹھ میل مغرب میں، اب ایک ویران سا قصبہ رہ گیا ہے۔ پہلے ضلع کا صدر مقام اور خاصا مشہور شہر تھا۔ اسی کے قریب کونچی (یا چنچی) واقع ہے۔

۲۔ "تواچی" کے اصلی معنی نقیب کے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے ضرورت کے وقت ان سے فوجی پولس کے سپاہیوں کا بھی کام لیا جاتا تھا۔

۳۔ درۂ مانک گنج کا اب ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ برنی کی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ قصبہ دولت آباد سے ایک ہی منزل یعنی آٹھ دس میل کے فاصلے پر پیش آیا (صفحہ ۵۱۴) اور شمال مغرب کی سمت کا پتہ دینے سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید مانک گنج کا درہ اُن پہاڑیوں میں کہیں ہوگا جو موجودہ دیوگاؤں کے قریب قدیم شاہی سڑک کے راستے میں پھیلی ہوئی ہیں۔

۴۔ سلطان پور و ندربار۔ جیسا کہ پہلے کسی حاشیے میں بیان ہو چکا ہے سلطان پور کا تاریخی شہر اب ایک ویران گاؤں رہ گیا ہے لیکن اسکے تیس میل جنوب میں "نندربار" اب تک مغربی خاندیس کا ایک بارونق قصبہ ہے۔

ص ۵ — "اسمٰعیل فتح" کتابت کی غلطی ہے اور فارسی کتاب کے دونوں مطبوعہ نسخوں میں جابجا اس کا یہی غلط املا لکھا ہے۔ صحیح لفظ **مخ** ہے نہ کہ "فتح"۔ مگر برگز صاحب "خ" کو "غ" پڑھتے ہیں۔ اور میجر **کنگ** بھی (جنھوں نے برہان مآثر اور **تذکرۃ الملوک** کے ان حصوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو شاہان بہمنی کی تاریخ سے متعلق ہیں) برگز کے ہم رائے ہیں اگرچہ انھوں نے اپنے انگریزی ترجمے کے بعض مقامات پر صحیح لفظ "مخ" بھی تحریر کیا ہے۔

ص ۶ — ان مقامات کے متعلق ہم دوسری جلد کے حاشیہ ص ۲۲ میں صراحت کر چکے ہیں کہ "ہکری" سے **ہکیری** مراد ہے۔ اور یہ اور رائے **باغ** اور **مرج** (مرچ) بیجاپور کے مغرب میں ابھی تک موجود ہیں۔ **کلہر** کا اب پتا نہیں چلتا لیکن عادل شاہی تاریخوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام مرچ کے شمال میں اور **مان دیس** (یعنی مان ندی کے علاقے) کے مغرب میں واقع تھا۔ اس لئے میجر **کنگ** کا یہ قیاس بے بنیاد نہیں کہ اس "کلہر" سے غالبًا موجودہ **کرڑ** مراد ہے جو مرچ اور ستارا کے درمیان دریائے کرشنا پر واقع ہے۔ (دیکھو "ہسٹری اوف دی بہمنی ڈائی نسٹی" صفحہ ۲۱)

ص ۷ — "**بھرون رائے**" حاکم گلبرگہ۔ اس نام کو فرشتہ پہلے "مہرین" لکھ آیا ہے اور برنی کی تاریخ میں اسے "**بھیرن**" اور تذکرۃ الملوک میں **پرون** رائے لکھا ہے (صفحہ ۴۸۸) مگر **برہان مآثر** میں اس واقعے کو کسی قدر زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس میں اس حاکم گلبرگہ کا نام "**بوچار یڈی**" لکھا ہے جسے میجر کنگ "پوچار پری" (Pucharpari) پڑھتے ہیں (تاریخ خاندان بہمنی صفحہ ۱۰) لیکن دکنی زبان کے ناموں پر نظر کیجیے تو بوچایا "**پوچیا ریڈی**" ہی زیادہ قرین صحت معلوم ہوتا ہے۔ برہان مآثر کی روایت میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس "پوچا ریڈی" کو علاء الدین حسن

کے ایک سردار نے گلبرگہ میں محصور کر لیا تھا اور بعد میں گرفتار کر کے دکن کے نئے بادشاہ (علاء الدین) کے پاس دولت آباد بھیجا گویا اس کتاب سے خود علاء الدین کے گلبرگہ فتح کرنے اور وہاں کے اس ہندو حاکم کو قتل کرانے کی تصدیق نہیں ہوتی۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ برہان مآثر تاریخ فرشتہ سے آٹھ دس برس پہلے کی لکھی ہوئی کتاب ہے اور میجر کنگ اُس کی روایت کو فرشتہ سے زیادہ معتبر سمجھتے ہیں (اگرچہ مجھے امید نہیں کہ اس بارے میں ہر صاحب تحقیق اُن کا ہم آہنگ ہو) اس تاریخ میں سلاطین بہمنیہ اور زیادہ تر **نظام شاہی** بادشاہوں کے حالات ہیں (سنہ ۱۰۰۴ھ ۱۵۹۶ء) مگر میجر کنگ نے اپنے انگریزی ترجمے میں صرف شاہان بہمنی کی تاریخ کو لیا ہے اور اسی کے ساتھ دوسری تاریخ "تذکرۃ الملوک" کا خلاصہ بھی شامل کیا ہے۔ دکن کی یہ تاریخیں نہایت کمیاب ہیں اور میجر کنگ دنیا بھر کے مشہور کتب خانوں میں برہان مآثر کے صرف تین نسخوں کا پتا چلا سکے۔ (ملاحظہ ہو اُن کا دیباچۂ کتاب) لیکن حسن اتفاق سے اس کا ایک نسخہ مخدومی مولوی عبد الحق صاحب بی اے کے خانگی کتب خانے میں بھی موجود اور اس وقت راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔

---

۸ **ناسک** اور **پاٹودہ** اس قدر قریب لکھنے سے مغالطے کا احتمال ہے کیونکہ ناسک تو دولت آباد کے مغرب میں واقع ہے اور پاٹودہ موجودہ بیڑ کے ضلع میں دولت آباد سے کوئی نوّے میل جنوب میں ہے۔

---

۹ **کولاس** (ضلع بیڑ) لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس وقت تک یہ مقام راجۂ تلنگانہ کے علاقے میں کیونکر داخل رہا جبکہ شمال جنوب کے تمام مرکزی مقامات پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

ہ۱۰ اس جنگ اور عماد الملک سرتیز کے مارے جانے کی روایت کو بھی برہان مآثر میں بالکل دوسری طرح لکھا ہے اور اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ جب سلطان محمد تغلق نے دولت آباد کے قریب دکن کے باغی امیروں کو شکست دی تو اسمٰعیل مُخ تو قلعۂ دولت آباد میں محصور ہو گیا اور علاء الدین حسن اپنی فوج لے کے گلبرگہ روانہ ہوا لیکن راستے میں یہ سُن کر کہ اُس کے تعاقب میں عماد الملک سرتیز آرہا ہے، اُس نے گھات لگائی اور یک بہ یک عماد الملک پر حملہ کیا اور اسی ناگہانی حملے میں عماد الملک مارا گیا۔

ہ۱۱ قندھار اب سرکار عالی کے ضلع ناندیڑ میں داخل ہے اور منڈو سے مالوے کا تاریخی شہر (مانڈو) مراد ہے۔

ہ۱۲ "دراودنی" مطبوعہ نسخوں میں جابجا اسی طرح غلط چھپا ہے صحیح لفظ ادونی یا ادھونی ہے۔ یعنی دال واو سے پہلے ہے۔ اور یہ تنگ بھدرا کے جنوب میں دکن کا مشہور تاریخی قلعہ ہے۔

ہ۱۳ امیر اسمٰعیل مُخ کی موت کے متعلق برہان مآثر میں یہ عجیب روایت لکھی ہے کہ علاء الدین حسن کے خلاف جو سازش اس امیر نے کی اس میں راجہ نرائن شریک بلکہ محرک تھا۔ لیکن جب اسمٰعیل مُخ نے علانیہ سرکشی کی تو یہ راجہ عہد سے پھر گیا۔ اور مدد دینے کی بجائے اُسنے اسمٰعیل کو (دھوکے سے) قید کر کے چند روز میں خود ہی زہر دلوا دیا! (برہان مآثر نسخۂ مولوی عبد الحق صاحب صفحۂ ۴۰۔ نیز دیکھو کنگ کی "تاریخ خاندان بہمنی" صفحۂ ۱۰)

ف: نرائن کو میجر کنگ تلنگانے کا راجہ سمجھتے ہیں لیکن جیساکہ فرشتہ اور دوسری تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ شہر مدھول کا رئیس تھا جو بیجاپور کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔

۱۴ سیت بن رامیسر سے جسے پہلے فرشتہ "بند رامیسر" لکھتا رہا ہے انتہائے جنوب کا شہر رامیشورم مراد ہے۔ اور "معبر" لفظاً یہاں مشرقی ساحل (کورومنڈل) ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے؛

---

۱۵ دھورسمند سے "دور سمدر" مراد ہے جو قدیم زمانے میں ایک ہندو ریاست کی راج دھانی تھا۔ اس کی جائے وقوع کے متعلق یہ صراحت ہم کہیں پہلے کر چکے ہیں کہ وہ ریاست میسور میں موجودہ شہر میسور سے کوئی اسّی میل شمال مغرب کی طرف وہاں آباد تھا جہاں اب ہلی بیڑ نامی قصبہ واقع ہے۔ دور سمدر کے صرف کھنڈر باقی رہ گئے ہیں؛

---

۱۶ آبِ "تادلی" اور "بکری" سے ٹھیک پتا نہیں چلتا کہ کونسی ندی یا مقام مراد ہے؛ مولوی عبد الجبار خاں صاحب کی کتاب محبوب الوطن میں آخری نام کو "ہگری" لکھا ہے اور اگر یہ صحیح ہو تو اس سے وہی ہگری مراد ہے جس کا ہم حاشیہ ۶ میں ذکر کر چکے ہیں۔ ایک قیاس یہ ہے کہ اس سے تنگ بھدرا کی معاون ہگری ندی مراد ہو جس کا آئندہ حاشیہ ۲۶ میں ہم ذکر کریں گے؛ اس علاقے میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیاں بہتی ہیں ممکن ہے کہ انھیں میں سے کسی کا نام "تادلی" ہو۔ جدید نقشوں میں اس کا کچھ پتا نہیں چلتا؛

---

۱۷ رائچور و مدگل سرکار عالی کے علاقے میں مشہور مقامات ہیں۔ اور دابل کے متعلق ہم پہلی جلد کے حواشی میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ موجودہ دابھول کی قدیم کتابت ہے۔ اور یہ بندرگاہ جو پہلے بہت مشہور و با رونق تھی، ستارا کے ٹھیک مغرب میں بمبئی سے تقریباً سو میل جنوب میں ابھی تک آباد ہے؛

---

۱۸ عبارت میں "خیبر" کتابت کی غلطی ہے جنیر (ج ن ے ر)

چاہیئے جو احمد نگر سے مغرب میں، دکن کا مشہور تاریخی مقام ہے۔ "جیول" سے
چَول یا چیول مراد ہے۔ بمبئی کے تقریباً تیس میل جنوب میں اب چھوٹی سی بندرگاہ
رہ گیا ہے۔ "مونگی پیٹن" سے موجودہ پیٹھن (ضلع اورنگ آباد) مراد ہے؛

---

۱۹ ماہور جنوبی برار میں بان گنگا کے کنارے کے قریب
نہایت مستحکم اور مرکزی مقام تھا۔ جہاں کا قدیم قلعہ اب تک موجود ہے؛
اندور موجودہ **نظام آباد** کا پرانا نام ہے اور **کولاس** کے لیئے دیکھو
حاشیہ ۹؛

---

۲۰ ہون، پرتاب اور فنم دکن کے قدیم طلائی سکے ہیں لیکن
ان کے اوزان مختلف ہوتے تھے۔ چنانچہ ہون جو ان میں سب سے بڑا سکہ
تھا کہیں ایک تولے کا ہوتا تھا کہیں صرف دو ماشے کا۔ البتہ بہمنی بادشاہوں
کے زمانے میں اس کے چار یا پانچ وزن مقرر کیئے گئے اور سب سے وزنی
ہون ۲ تولہ کا قرار پایا۔ پرتاب وزن و قیمت میں ہون کا نصف اور فنم
ہون کا سُدس (۱/۶) ہوتا تھا؛ معلوم ہوتا ہے چاندی اور تانبے کے سکے یہاں
سب سے اول اور عام طور پر مسلمانوں نے مروج کیئے؛ اگرچہ مخدومی مولوی
غلام یزدانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "اندھرا خاندان کے سکے تانبے اور رصاص
کے موجود ہیں۔ اور وجیانگر خاندان کا ایک چاندی کا سکہ بھی ملا ہے جسکا حال
پروفیسر ہلٹش نے انڈین انٹی کویری (جلد ۲۵ صفحہ ۲۱۸) میں لکھا ہے۔
وجیانگر کے تانبے کے سکوں کا بھی پتا چلا ہے؛

---

۲۱ "دابل" سے جیسا کہ پہلے بیان ہوا موجودہ **دابھول**
مراد ہے اور یہ تین صدی پہلے ملک دکن کی نہایت مشہور اور بارونق
بندرگاہ تھی؛

۲۲ــــ " ویلم پٹن " کے صحیح تلفظ اور مقام کا پتا نہیں چلتا۔ برہان مآثر میں اسے " فیلم پٹن " لکھا ہے (صفحہ ۷۶) اور برگز صاحب کا قیاس ہے کہ شاید اس سے بیلم کنڈہ مراد ہو جو دو صدی پہلے تک ایک ریاست کا صدر مقام تھا۔ لیکن راقم الحروف کا گمان ہے کہ عجب نہیں اس سے موجودہ ولم واڑا (ضلع کریم نگر) مراد ہو جو گلبرگہ سے تقریباً دو سو میل مشرق میں واقع ہے۔ یہ علاقہ اس وقت تک فتح نہیں ہوا تھا اور اسی کے راستے میں کلیانی اور بدر پڑتے تھے۔

۲۳ــــ اُس زمانے میں بندوق یا " تفنگ " اگر ایجاد ہو گئی ہو تو بھی اس کا دکن میں رواج ہونا بہت بعید از قیاس ہے۔ برگز نے اپنے انگریزی ترجمے میں اس لفظ کو چھوڑ دیا ہے۔ غرض یہ روایت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی توپوں کے ابتدائی رواج کے متعلق دیکھو حاشیہ ۲۵۔

۲۴ــــ " درفش کاویانی " ایران کے ساسانی بادشاہوں کا جنگی علم تھا جو لاکھوں روپے کے صرف سے تیار ہوا اور ہر بادشاہ اپنے عہد میں اسکی تزئین و آرایش میں اضافہ کرتا رہا تھا۔

۲۵ــــ یہ جنگ ۷۶۷ھ (مطابق ۱۳۶۸ء) میں ہوئی۔ اور اس جنگ میں توپوں کا موجود ہونا برگز کو ذرا اتنا مشتبہ نظر آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ڈیڑھ صدی کے بعد جبکہ پرتگیزوں کی ہندوستان میں آمدورفت شروع ہوئی تو اُنھوں نے اقرار کیا ہے کہ سلاطین دکن کے پاس (ان پرتگیزوں) سے کہیں بہتر توپ خانہ تھا۔ نیز برگز صاحب کو بھی اعتراف ہے کہ اس زمانے میں توپ ایجاد ہو چکی تھی اور چند سال پہلے کی ایک انگلستان کی لڑائی میں بھی اس کا ذکر آتا ہے باایں ہمہ برگز کا خیال ہے کہ چونکہ یہ بالکل یقینی ہے کہ وجیانگر میں توپ کا رواج دکن کے اسلامی سلاطین کی وساطت سے ہوا، لہذا مجموعی طور پر اس روایت

کی صحت میں شبہہ ہے (انگریزی ترجمۂ تاریخ فرشتہ جلد دوم حاشیۂ ۳۱۲) لیکن جیساکہ راقم الحروف اپنی تاریخ ہند (برائے ایف-اے) میں تحریر کرچکا ہے (نیز ملاحظہ ہو انسائی کلو: برٹ: جلد بستم صفحہ ۱۸۹) توپ آٹھویں صدی ہجری (یا چودھویں صدی عیسوی) کے بالکل آغاز میں ایجاد ہوچکی تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ اسے سب سے پہلے چینیوں نے ایجاد کیا یا عربوں نے۔ لیکن اگر چینی اس کے پہلے موجد ہوں تو بھی یہ یقینی ہے کہ عربوں نے اسے بطور خود ایجاد کیا تھا اور یہ بالکل مسلم ہے کہ عربوں ہی نے اسے اول اول ایشیا اور یورپ کے ملکوں میں رواج دیا۔ غرض گو یہ بالکل درست ہے کہ وجیانگر میں توپ اسلامی سلاطین کی وساطت سے پہنچی لیکن ۷۶۷ھ میں اس سے کام لیا جانا بجائے خود خلاف قیاس نہیں ہے خاصکر ایسی صورت میں جبکہ فرشتہ نے آگے خود صراحت کردی ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ ملک دکن میں توپ سے کام لیا گیا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ فرشتہ کی عبارت کچھ ایسی الجھی ہوئی ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا مسلمانوں سے پہلے توپ کا استعمال دکن کے ہندوؤں میں شروع ہوگیا تھا۔ حالانکہ یہ یقیناً غلط ہے۔ (ملاحظہ ہو برگز کا ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد دوم۔ حاشیۂ صفحۂ ۳۱۲۔ نیز منتخب اللباب جلد سوم (قلمی) نسخہ کتب خانۂ آصفیہ صفحۂ ۳۵) برہان مآثر میں اس لڑائی کے حالات میں "توپ" کا ذکر نہیں ہے۔

توپوں کے ہندوستان میں رواج کے متعلق سرہنری ایلیٹ نے بھی ایک جامع اور محققانہ نوٹ لکھا ہے۔

---

۲۶ "تمہندرہ" سے تنگ بھدرا ندی مراد ہونی چاہئے لیکن معلوم ہوتا ہے یہاں اس ندی کے ایک معاون ہگری کی طرف اشارہ ہے جو وجیانگر سے ادھونی آتے میں عبور کرنی پڑتی ہے۔

---

۲۷ "کشن رائے" صحیح نہیں۔ جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ اس زمانے میں وجیانگر کا راجہ **بکا رائے** (اول) تھا جو سلطان محمد شاہ بہمنی

کی تخت نشینی سے پہلے راجہ ہوا اور اس سلطان کے کئی سال بعد تک وجیانگر میں حکومت کرتا رہا؛ غالباً اسی راجہ کے نام کو برہان مآثر کے ایک قلمی نسخے میں "دوگزہ" (نسخۂ مولوی عبد الحق صاحب صفحۂ ۸۰ و ۸۱) اور دوسرے میں "دوکپزہ" لکھا ہے (ترجمۂ میجر کنگ صفحۂ ۲۸)؛

۲۸ کتبہ یا کونبصہ دیو کو برگز نے "دوگو بند دیو" لکھا ہے اور یا یک جن کا پہلے بھی کئی جگہ ذکر آچکا ہے نیم مسلح تیز رو سپاہی ہوتے تھے اور غالباً گھوڑے کی طرح کبھی کبھی اونٹ بھی ان کی سواری میں رہتے تھے؛

۲۹ "سیوگاؤں" = شیو گاؤں جو پٹن کے قریب پہلے کی طرح آجکل بھی احمدنگر کے ضلع میں واقع ہے؛

۳۰ قصبۂ "کنج" کا ٹھیک مقام نہیں معلوم ہوا۔ برگز نے اپنے انگریزی ترجمے سے اس نام کو حذف کر دیا ہے اور کسی تاریخ نے اسے نقل نہیں کیا؛

۳۱ اس نیک نام بادشاہ کی وفات کے متعلق برہان مآثر (نسخۂ مولوی عبد الحق صاحب صفحۂ ۷۹) میں یہ عبارت تحریر ہے کہ "بعد از آں کہ فلک ہجدہ سال و ہفت ماہ ابواب امنیت و رفاہیت بین بمعدلت آں افتخار سلطنت بر روئے سپاہی و رعیت کشودہ و بقولے چوں ہفدہ مرحلہ در سلطنت پیمودہ زمانۂ شیوۂ بے وفائی شعار نمودہ آں شہریار معدلت آثار را در بستر ناتوانی انداخت۔ لاجرم شہزادۂ عالمیان مجاہد شاہ را ولی عہد فرمودہ و بعدل و داد وصیت نمودہ داعئ حق را اجابت فرمودہ ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید۔ الخ" لیکن میجر کنگ اس فقرے کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:-

The Sultan after having reigned 17 years & 7 months, showed signs of an irreligious manner of living

which threw him on the bed of helplessness

(تاریخ خاندان بہمنی - مترجمۂ کنگ صفحۂ ۲۸) انگریزی کے جن الفاظ کے نیچے خط کھینچ دیا گیا ہے اُن سے میجر صاحب کی فارسی زبان سے عجیب ناواقفیت ظاہر ہوتی ہے اور یا یہ کہ وہ اپنی طرف سے جو معنیٰ چاہتے ہیں انگریزی ترجمے میں داخل کرنے سے پاک نہیں کرتے - اُن کے ترجمے میں اس قسم کی اغلاط یا "اختراعات" کی اور بھی مثالیں مل جائیں گی لیکن مذکورۂ بالا ترجمے کو خاص طور پر بیان کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ونسنٹ اسمتھ نے اسی ترجمے کی بنا پر محمد شاہ بہمنی کو جا بجا نہایت ناروا الفاظ سے یاد کیا ہے - (آکسفورڈ ہسٹری صفحۂ ۲۷۶ و ۲۸۵) ونسنٹ اسمتھ صاحب کا مسلمانوں کے ساتھ تعصب مشہور و مسلّم ہے مگر اس طویل حاشیئے کا مقصود صرف یہ دکھانا ہے کہ انھوں نے بزعم خود برہان مآثر کے جو الفاظ میجر کنگ کے ترجمے سے نقل کئے ہیں وہ اصل فارسی مورّخ کے نہیں بلکہ انگریز مترجم صاحب کی ایجاد ہیں ۱۲

۳۲؎ **بنکاپور** - موجودہ احاطۂ بمبئی کے ضلع دھارواڑ میں سوانور کے قریب واقع ہے - زیر نظر عہد میں ایک مضبوط مرکزی قلعہ تھا

۳۳؎ "کنکاولی" سے بظاہر وہی **گنگاوٹی** مراد ہے جو وجیانگر کے قریب تنگ بھدرا کے شمالی کنارے پر ابھی تک آباد ہے

۳۴؎ "سیت بن رامیسر" کو فرشتہ پہلے "سیت بندر ایسر" بھی لکھ آیا ہے - مراد وہی **رامیشورم** ہے جو جزیرۂ لنکا کے مقابل پُل آدم پر واقع ہے - برگز اگرچہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی کے سپہ سالار کافور نے اسی مقام پر مسجد تعمیر کرائی تھی جس کی سلطان مجاہد شاہ بہمنی نے مذکورۂ بالا تعاقب کے زمانے میں مرمت کرائی - لیکن مجموعی طور پر اس روایت کو برگز نے خلاف قیاس بتایا ہے - بایں ہمہ راقم الحروف کے نزدیک اس پوری

روایت میں کوئی بات (بجز غیراہم جزئیات کے) خلاف قیاس نہیں ہے، اور وجیانگر سے اس مقام تک فرشتہ نے جو فاصلہ "شش صد کروہ" بتایا ہے اس سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ مقام رامیشورم ہی ہوگا نہ کہ بقول برگز "سداشیوگر" جو گوا کے قریب واقع ہے اور وجیانگر سے دو سو میل سے زیادہ دور نہ ہوگا۔

---

۳۵ سیلان جسے یورپ والوں نے "سیلون" بنالیا ہے۔ لنکا۔

---

۳۶ داؤد شاہ (بن علاء الدین گنگو) کو برہان مآثر نے علاء الدین کا پوتا لکھا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ سکوں اور دوسری تمام تاریخوں سے فرشتہ کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

---

۳۷ برہان مآثر میں اس بادشاہ کا نام "محمد بن محمود" لکھا ہے گو برہان مآثر کی روایتیں (میجر کنگ اُن کی کتنی ہی تعریف کیوں نہ کریں؟) فرشتہ کی روایات کے مقابلے میں چنداں یا وقعت نہیں کیونکہ فرشتہ نے کئی مستند اور قدیم تاریخوں کو سامنے رکھ کر دکن کے حالات خاص اہتمام سے تحریر کئے ہیں۔ اور ونسنٹ اسمتھ نے جہاں کہیں (تاریخ دکن کے متعلق) فرشتہ کی غلطی نکالی ہے وہ خود اس انگریز مولف کی ناواقفیت اور دیدہ دلیری ہے لیکن اس معاملے میں واقعی فرشتہ کا قول غلط ہے۔ اڈورڈ ٹامس نے اس بہمنی بادشاہ کے ایک سکے کی تصویر اپنی کتاب میں دی ہے۔ اور اس کے دو جانب یہ عبارت نقش ہے:

"الواثق بتائید الرحمن ابو المظفر محمد شاہ السلطان ۷۹۷"

"الناصر لدین الدیان (المنان؟) الحامی لاہل الایمان"

بایں ہمہ یہ محتاط مورخ فرشتہ کے قول سے انکار نہیں کرتا اور اسنے سلاطین بہمنیہ کی فہرست میں پانچویں بادشاہ کا نام "محمود شاہ بن علاء الدین" ہی تحریر کیا ہے

ذکر انکلز صفحہ ۱۴۱-۳۴۲) اور راقم الحروف نے اپنی تاریخ ہند جلد دوم میں بھی فرشتہ
کی پیروی کی تھی لیکن اب مجھے اپنی غلطی ثابت ہوگئی۔ اس غلطی کا سب سے بڑا
سبب وہ سکہ ہوا جس کا خاکہ **محبوب الوطن** (تذکرہ سلاطین دکن) کے
مولف نے دوسرے سکوں کے ساتھ اپنی کتاب میں دیا ہے۔ (صفحہ ۱۴۰)
اور اس کے پہلوؤں کی یہ عبارت نقل کی ہے:-

"السلطان محمود شاہ بہمنی"

"المؤید بنصر اللہ الغنی ضرب ۸۰۰ فی حسن آباد"

لیکن افسوس ہے کہ یہ بالکل غلط ہے اور میں نہایت متحیر ہوں کہ محبوب الوطن کے
فاضل مولف کو یہ فرضی سکہ اور کتبہ کہاں سے دستیاب ہوا۔ محکمۂ آثار قدیمہ سرکار عالی
کے ذخیرے میں شاہان بہمنی کے سکے موجود ہیں اور ان میں سلطان محمد بن محمود
کے صحیح نام اور سنہ و مقام ضرب کے چھ سکے محفوظ ہیں مگر محبوب الوطن والے
سکے کا کسی کتاب اور کسی ذخیرے میں پتا نہیں چلتا۔ مختصر یہ کہ فرشتہ کی یہ روایت
غلط ہے اور اس بہمنی خاندان کے پانچویں بادشاہ کا صحیح نام سلطان محمد
(ثانی) ہی تھا۔

---

۳۸ ساغر سے جیسا کہ پہلے کسی حاشیے میں تصریح ہو چکی ہے موجودہ
سگر یا ساگر (ضلع گلبرگہ) مراد ہے۔ سگر کا دوسرا نام جو غالباً مغل بادشاہوں
نے دیا نصرت آباد ہے۔

---

۳۹ لار ساحل کے قریب جنوبی ایران کا مشہور شہر ہے مگر ہرمز
سے جس کا آگے ذکر آتا ہے، موجودہ شہر ہرمز (جو لار کے قریب ہے) مراد نہیں بلکہ
یہ مشہور بندرگاہ لار کے مشرق میں کوئی پونے دو سو میل دور **میناب** ندی کے
کنارے واقع تھی اور اب بالکل ویران و بے نشان ہو گئی ہے۔

---

۴۰ "جیول" = **چول یا چیول** جو شہر بمبی کے جنوب میں پہلے

بہت مشہور بندرگاہ تھی اب معمولی ساحلی قصبہ ہے؛

۴۱ "منصید اران جدیدہ" کتابت کی غلطی ہے "منصبداران صدہ" چاہیئے جو فوجی جاگیردار اور سو سوار کے سردار ہوتے تھے؛

---

۴۲ "بھور" کو برگز نے اپنے انگریزی ترجمے میں دیدہ دلیری سے بھیا لکھ دیا ہے حالانکہ "بٹھور" موجودہ بنا تھورا ندی کا پرانا فارسی املا ہے اور یہ ندّی گلبرگہ کے بیس پچیس میل مشرق سے گزرتی ہے؛

---

۴۳ ایک دن میں آٹھ سو عورتوں سے متعہ کرنے کی روایت کسقدر خلاف قیاس ہے اور ممکن ہے اس میں کتابت کی غلطی ہو۔ برگز کے انگریزی ترجمے میں آٹھ سو کی بجائے تین سو لکھا ہے (جلد دوم صفحہ ۳۶۵)؛

---

۴۴ جیسا کہ فرشتہ نے آگے چل کر خود بیان کیا ہے سلطان فیروز شاہ بہمنی کا تخلص "عروجی" تھا۔ یہاں "عروضی" کتابت کی غلطی ہے؛

---

۴۵ "کھترلہ" سے کھیرلا یا کھرڑلا مراد ہے جو برار کے شمال میں شہر بیتول کا مشہور قلعہ تھا؛ مخدومی یزدانی صاحب لکھتے ہیں کہ "کھیرلا" زیادہ صحیح ہے؛

---

۴۶ اس قسم کے لوکرے یا چھوٹی کشتیاں اب تک جنوبی ہند میں رائج ہیں؛

---

۴۷ "بل کندھ" کتابت کی غلطی ہے نل گنڈہ چاہیئے جو علاقہ سرکار عالی کا جنوب مشرقی ضلع ہے۔ لیکن قصبۂ نل گنڈہ سے قلعۂ پانگل علیحدہ اور کچھ فاصلے پر واقع ہے؛

۴۸ گلم جنوب مشرقی برار کا مشہور تاریخی قلعہ ہے۔ ایک زمانے میں ضلع کا صدر مقام تھا لیکن اب (ضلع یوت مال میں) ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے؛

۴۹ گاویل گڑھ یا گاول گڑھ کا ہم دوسری جلد کے کسی حاشیے میں حال بیان کر چکے ہیں کہ یہ بھی برار کا بہت مستحکم قلعہ تھا (اب ضلع امراؤتی میں) ویران پڑا ہے۔ برگز نے اس کے ہندی نام سے قیاس کیا کہ اسے مسلمانوں سے پہلے کوئی رئیسوں نے بنایا ہوگا لیکن یہ صحیح نہیں اور قلعے کا طرز تعمیر ہی شہادت دیتا ہے کہ اسے مسلمان معماروں نے بنایا تھا (دیکھو امپیریل گزٹیئر جلد دوازدہم صفحہ ۱۹۳)؛

۵۰ "ترنالہ" کتابت کی غلطی ہے۔ نرنالہ چاہیئے جو اس زمانے میں شمالی برار کا ایک اور وسیع و مستحکم قلعہ تھا۔ اب آکولا کے ضلع میں واقع ہے لیکن ویران ہو جانے کے باوجود یہاں مسلمان بادشاہوں کی بہت سی یادگاریں سلامت ہیں خاصکر آب رسانی کے حوض اور زمین دوز نل نہایت ہنرمندی سے بنائے گئے ہیں۔ اور ان کے بعض حصے اب تک محفوظ ہیں؛

۵۱ رام گر یا رام گیر، ماہور اور گلم کا اپنے اپنے مقام پر حال بیان کیا جا چکا ہے یہ تینوں جنوب مشرقی برار کے قلعے تھے؛

۵۲ مہائم ("کلوہی ماہم") بمبئی کے تقریباً پچاس میل شمال میں ساحل پر واقع ہے اور اسلامی بادشاہوں کے زمانے میں مشہور شہر تھا۔ برگز صاحب اور حال میں میجر کنگ نے اسے خاص جزیرہ بمبئی کا پہلا نام قرار دے دیا ہے؛

۵۳ "بیسول"، کتابت کی غلطی ہے۔ اس کی بجائے ایک قیاس تو یہ ہے کہ بیتول چاہیئے اور اس صورت میں "قلعۂ بیتول"، سے وہی کھیڑلا مراد ہوگا جو اس شہر کے متصل برار کے شمال میں تاپتی کے پار مشہور قلعہ تھا۔ مگر فرشتہ کا طرزِ بیان ایسا مبہم ہے کہ اس سے خواہ مخواہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اور برگز وغیرہ بعض انگریز تاریخ نویس اسے "بتنول"، پڑھتے ہیں جو خاندیس کا ایک قلعہ تھا اور چونکہ اُس کا گجرات کی حکومت میں داخل ہونا بیان کیا گیا ہے لہذا بتنول ہی زیادہ قرینِ صحت ہے مگر موجودہ جغرافیوں میں ہمیں اسکا پتا نہیں چل سکا۔

---

۵۴ "آب تاپی"، کتابت کی غلطی ہے آب تاپتی یا فقط تاپتی چاہیئے۔

---

۵۵ ماہان۔ ایران کے شہر کرمان کے پندرہ بیس میل جنوب میں واقع ہے۔

---

۵۶ "رائیل وسنگیسر"، میں کتابت کی غلطی ہے۔ محبوب الوطن (صفحہ ۵۳۰) اور سلسلۂ آصفیہ (جلد سوم: تاریخ دکن صفحہ ۱۶۵) میں یہ نام بجنسہٖ نقل کر دیئے ہیں لیکن کچھ پتا نہیں دیا کہ وہ کہاں تھے؟ خافی خاں کی تاریخ (جلد سوم) کا اصلی ماخذ بھی فرشتہ ہے اور اُس نے دو سو برس پہلے اس نام کو "رائے سنگھ والی کوکن"، تحریر کیا ہے (قلمی نسخہ کتب خانۂ آصفیہ ۷۷) لیکن برگز نے بہت سے نسخوں کا مقابلہ کرنے کے بعد انھیں "رائری سنکیہر"، لکھا ہے (ترجمۂ فرشتہ۔ جلد دوم صفحہ ۴۲۴) مگر وہ بھی اُس کا صحیح مقام معلوم نہیں کر سکا۔ برہان مآثر کی اُلجھی ہوئی عبارت میں ان ناموں کی کتابت اور بھی مختلف نظر آتی ہے لیکن راقم الحروف کے نزدیک ان میں سے پہلا نام دراصل "رائے برّی" ہے اور جیسا کہ کتاب سوانح دکن اصول شش صوبہ کے

دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے (قلمی نسخۂ کتب خانۂ آصفیہ ورق ۱۸) یہی قصبہ بعد میں اسلام گرڈھ (دیور؟) کے عرف سے معروف ہوا اور اب کوکن (ضلع ستارا) کے علاقے میں ہے۔ اور "سنکیسر" سے سنگ میشور (ضلع رتناگری) مراد ہے جہاں اُس زمانے میں نہایت مستحکم پہاڑی قلعہ تھا۔

---

۵۷ "ترنالہ" سے وہی شمالی برار کا قدیم قلعہ "نرنالہ" مراد ہے (دیکھو: حاشیہ ۴۸) کاتب نے اسے جا بجا غلطی سے "ترنالہ" لکھ دیا ہے۔

---

۵۸ "خاصہ خیل" یعنی وہ فوج جو خاص بادشاہ کے پاس رہتی تھی اور جسے انگریزی میں "ہوس ہولڈ ٹروپس" کہتے ہیں۔

---

۵۹ جھکر، بالاپور اور روہن کھیڑ تینوں برار (ضلع بلڈانہ) کے تاریخی مقام ہیں۔ آخر الذکر مقام کا اب ٹھیک پتا نہیں چلتا لیکن وہ تعلقہ ملکاپور کے قریب آباد تھا۔

---

۶۰ للنگ۔ مغربی خاندیس (بمبئی) کے ضلع میں یہ پہاڑی قلعہ ابھی تک موجود ہے مگر ویران ہو گیا ہے۔

---

۶۱ "آب نعمت آباد" سے ٹھیک ٹھیک پتا نہیں چلتا کہ کونسی ندی مراد ہے۔ بیدر کے قریب سے مانجرہ اور نارنجہ دو ندیاں گزر رہی ہیں۔ غالباً انھیں کی کسی شاخ پر نعمت آباد بسایا گیا تھا۔

---

۶۲ "چاکنہ" سے ہر جگہ چاکنہ یا چاکن مراد ہے جو پونا کے بیس پچیس میل شمال میں ایک مضبوط پہاڑی قلعہ ہے۔

---

۶۳ "سرکہ" کے متعلق برگز صاحب لکھتے ہیں کہ "سرکہ" یا سُرکی جو زیادہ صحیح ہے اور جسے تاریخ مرہٹہ کے لائق مولف نے "سرکے" لکھا ہے، ملک کوکن کے ایک قدیم ترین خاندان کا نام ہے اور موجودہ راجہ ستارا کی ماں (برگز کے زمانے میں) اسی خاندان سے تھی" انگریزی ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد دوم حاشیہ صفحہ ۴۳۷

۶۴ کُن دھانہ اس قلعے کا اصلی اور پرانا نام جسے بعد سنگڑھ کہنے لگے تھے اور یہ بلند پہاڑی قلعہ موجودہ ضلع پونا میں واقع ہے۔ برگز نے اسے غلطی سے کھیلنا بنا دیا ہے مگر اس کا یہ نام اور پورے فقرے کا انگریزی ترجمہ نادرست ہے

۶۵ صاحب سلسلۂ آصفیہ نے غریب یعنی "غیر ملکیوں" کے کُشت و خون کی اس روایت کی صحت میں تامل ظاہر کیا ہے (جلد سوم صفحہ ۱۷۲) اور محبوب الوطن میں تحریر ہے (صفحہ ۳۴۵) کہ "تحفۃ السلاطین کے مولف نے بخلاف فرشتہ لکھا ہے کہ صرف مردوں کو قتل کیا عیال و اطفال اور معذورین کو مرفوع القلم رکھا ان کے ساتھ کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی" مگر تحفۃ السلاطین جو آجکل بالکل نایاب ہے فرشتہ کے سامنے تھی اور وہ حسب دستور ضرور اس اختلافِ روایت کا حوالہ دیتا۔ برہانِ مآثر میں لکھا ہے کہ "دو ہزار و دویست سید...... با قریب ہزار غریب دیگر از ہفت سالہ تا ہفتاد سالہ بہ تیغ بے دریغ گزرانیدند......" (نسخہ مولوی عبد الحق صاحب صفحہ ۲۰۹ نیز دیکھو کنگ کا انگریزی ترجمہ صفحہ ۷۷) اور اُس کے معنی یہ ہیں کہ گو بچوں کی جو تعداد اور عمر فرشتہ نے بیان کی ہے، اس میں مبالغہ ہو لیکن اس میں شبہ نہیں معلوم ہوتا کہ قتل کرنے والوں نے قتل عام کیا اور جو اُن کے ہاتھ پڑا اُسے بلا لحاظ سن و سال ہلاک کر دیا

۶۶ دیورکنڈہ ضلع نلگنڈہ میں اب تک تعلقے کا مستقر ہے؛

---

۶۷ جاج نگر جیسا کہ پہلے کئی بار صراحت کی جا چکی ہے، وسط ہند کے شمال مشرقی حصے کی ریاست کا نام تھا؛

---

۶۸ فیروز آباد کے متعلق فرشتہ پہلے بیان کر چکا ہے کہ اسے بہمنی سلاطین نے گلبرگہ کے جنوب میں (بھیما ندی کے کنارے) آباد کیا تھا اور اس کے اب بھی کھنڈر موجود ہیں؛

---

۶۹ سنگیسر کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ (مق ۵۶) "کھیلنہ" کو برگز کھیلنا پڑھتا ہے جو کوکن کا مشہور قلعہ تھا۔ اور "وائیں" سے وائی مراد ہے جو اب تک ضلع ستارا میں ہندوؤں کے تیرتھ کا مقام ہے؛

---

۷۰ "رام کنہ" کو برگز نے "رام گڑھ" لکھا ہے مگر صاف نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کونسا قلعہ تھا؛

---

۷۱ ان شہروں میں گووہ اور کولاپور تو مشہور نام ہیں۔ مگر "بندوہ" یا "بندوہ" سے بظاہر پنڈوا یا قلعہ پانڈو گڑھ مراد ہے جو ستارا کے ضلع میں وائی کے قریب اب تک موجود ہے اور "کوندوال" گروندوال معلوم ہوتا ہے جو کولاپور کے مشرق میں واقع ہے؛

---

۷۲ "رائے اوریا" سے اڑیسہ کا راجہ مراد لیتے تھے لیکن جس راجہ کا یہاں ذکر آیا ہے وہ غالباً موجودہ مدراس کے صرف شمالی حصے کا حاکم تھا؛

۷۳؎ "کندنیز" کتابت کی غلطی ہے۔ صحیح نام کنڈیٹر یا بقول یزدانی صاحب "کونڈویر" ہونا چاہیئے اور یہ قصبہ اب تک ضلع گنتور (مدراس) میں آباد ہے۔

۷۴؎ انتور کا پرانا قلعہ اب تک ضلع اورنگ آباد میں موجود ہے اسی کے قریب ویر الکھیڑا تھا جسے یرگز "وشاگرھ" پڑھتا ہے۔

۷۵؎ "نلگواں" کتابت کی غلطی ہے بلگواں چاہیئے موجودہ بلگام (احاطۂ بمبئی) کی قدیم کتابت ہے۔

۷۶؎ "آب راج مندری" سے گوداوری یا اس کے دہانے کی کوئی شاخ مراد ہے۔

۷۷؎ کونڈپلی اب ضلع کشنا (مدراس) میں چھوٹا سا قصبہ رہ گیا ہے پہلے یہاں بہت مضبوط قلعہ اور بارونق شہر آباد تھا۔
کنجی سے کنجی ورم مراد ہے۔

۷۸؎ "کندپورپلی" کتابت کی غلطی ہے۔ وہی کنڈپلی یا کونڈپلی چاہیئے جس کا گزشتہ حاشیے میں ذکر گزرا۔

۷۹؎ ان ناموں میں پہلا اندلپور ہے جو قدیم زمانے میں ضلع کا صدر مقام تھا لیکن اب ضلع پونا میں معمولی قصبہ رہ گیا ہے۔ اس کے آگے "واہیں ونان دیس" میں کتابت کی غلطیاں ہیں صحیح عبارت یوں ہونی چاہیئے۔ "واہین مان دیس ..." اور مان دیس کا حال ہم حاشیۂ ۶؎ میں بیان کر چکے ہیں کہ اس سے آن ندی کا وہ علاقہ مراد ہے جو آجکل ستارا

اور شولاپور کے ضلعوں میں منقسم ہے ۔ ان کے آگے بندر گووا اور بلگام (جسے کتاب میں جابجا غلطی سے نلگواں اور کہیں تلگوان لکھدیا ہے) مشہور مقامات ہیں؛

ح ۸۰ "آب ہورہ" سے بظاہر وہی بنا تھور انڈی مراد ہے جسکا ہم پہلے حال لکھ چکے ہیں (حاشیہ ح ۴۲)؛

ح ۸۱ لاری چاندی کا سکہ جسے مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں غالباً سب سے پہلے ایرانی سوداگروں نے دکن میں رواج دیا۔ برگز نے اس کی قیمت ۲ شلنگ قرار دی تھی (ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۵۱۳) گویا قدیم ہندوستانی روپے کے قریب قریب برابر ہوتا تھا؛

ح ۸۲ "سرو مارور" کتابت کی غلطی ہے بیڑ و معارور چاہیئے اور یہ دونوں موجودہ ضلع بیڑ میں موجود ہیں؛

ح ۸۳ "برنالہ" کی بجائے نرنالہ چاہیئے (مق: ح ۴۹) اور اگلے فقرے میں "جہاگنہ" کی بجائے چاکن یا چاکنہ (مق: ح ۶۱)؛

ح ۸۴ پنالہ سے موجودہ ریاست کولھاپور کا مشہور پہاڑی قلعہ پن ہالہ مراد ہے؛

ح ۸۵ یہ سب کوکن کے مقامات ہیں اور "سروالہ" کے سوا ہم گزشتہ حواشی میں سب کے محل وقوع بیان کر چکے ہیں۔ مگر "سروالہ" کا ٹھیک مقام نہیں معلوم ہو سکا؛

ح ۸۶ جام کھنڈی جنوبی بمبئی کی مشہور ریاست اور شہر کا

نام ہے؛

۸۷ "کوتکر" کو برگز نے اپنے انگریزی ترجمے میں (جلد دوم صفحہ ۵۴۱) بھونگیر لکھا ہے۔ مخدومی یزدانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ضلع عادل آباد میں بھی ایک مقام کوٹگر یا کوٹگیر ہے" مگر "داگی" کا پتا نہیں چل سکا؛

۸۸ "منکلیر" نامی کسی مقام کا پتا نہیں چلتا۔ برگز نے اسے سنگیسر یا سنگ میسور (ضلع رتن گری) لکھا ہے مگر یہ صریحاً غلط ہے؛

۸۹ "یادہ" کو برگز والوہ لکھتا ہے جو آجکل ضلع ستارا کا جنوب مغربی تعلقہ اور مرچ کے قریب کا علاقہ ہے۔ اور غالباً یہی درست ہے۔ ورنہ "یادہ" کا پتا نہیں چلتا؛

۹۰ قدیم سلاطین دہلی کا من ہمارے ۱۲ سیر کے برابر ہوتا تھا۔ ایک اور من جس سے قیمتی جواہرات تولے جاتے تھے ۵ , ۱/۲ ۵ سیر کے ہموزن بھی رائج تھا اور غالباً یہاں وہی من مراد ہوگا۔ لیکن خود فرشتہ کے زمانے میں دہلی کے شاہی من کا وزن (موجودہ) ۳۱ سیر کے قریب قرار دیا گیا تھا اور اس حساب سے ان موتیوں کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے؛

۹۱ "مہندری" کو برگز نے من دُرگی (قریب اکل کوٹ ضلع شولاپور) لکھا ہے اور غالباً یہی صحیح ہوگا؛

۹۲ ساغر یا سگر (ضلع گلبرگہ) کا کئی جگہ ذکر آچکا ہے اور اللہ بھی گلبرگہ کے شمال میں مشہور قصبہ ہے؛

---

۹۳ "کاویل" = گاویل گڑھ (ملک برار)؛

---

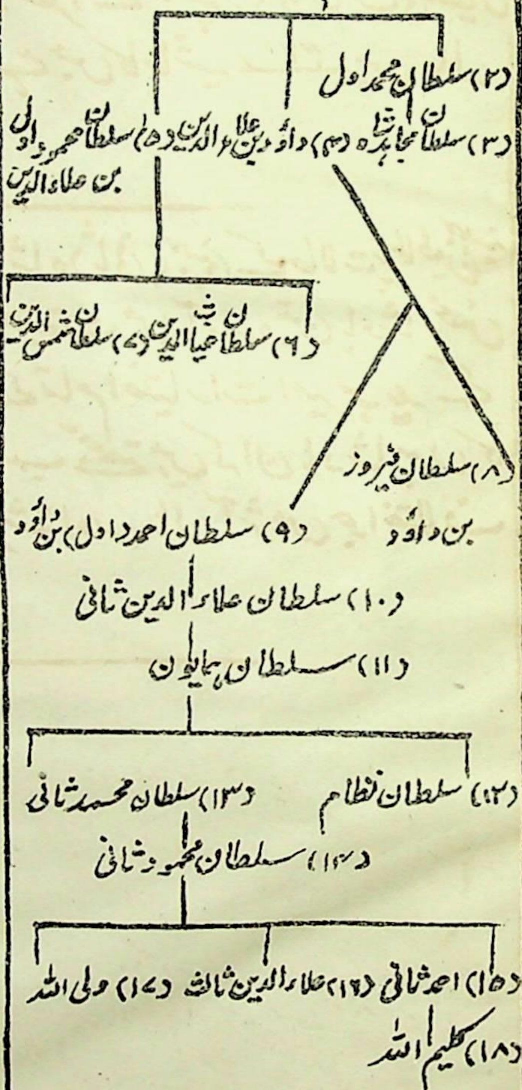
۹۴ "میورہ" اور دو سطر آگے "بتپورہ" کتابت کی غلطیاں ہیں۔ صحیح لفظ یہی آب بنا کھورا ہے جس کا حاشیہ ۲۲ میں حال بیان ہوا؛

---

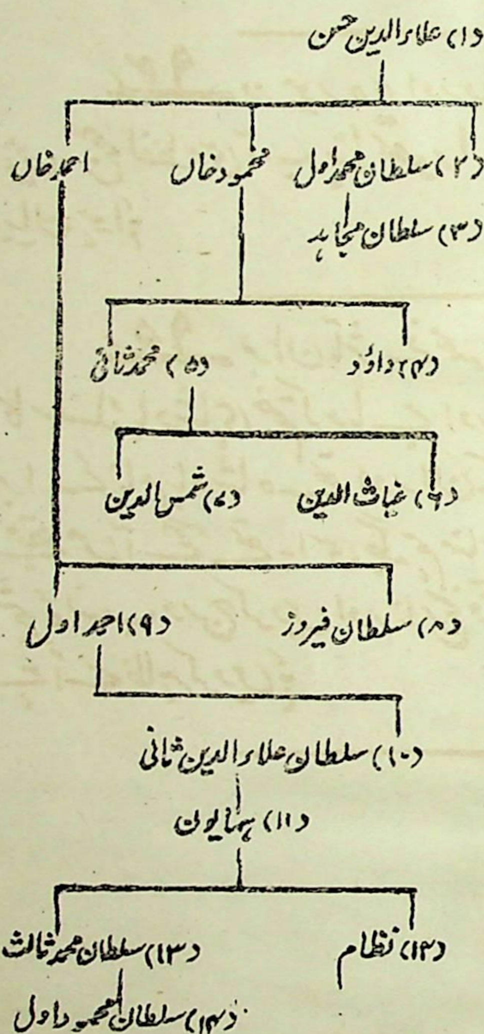
۹۵ برہان مآثر نے محمود شاہ (ثانی) بہمنی کے حالات پر سلاطین بہمنیہ کا سلسلۂ بادشاہی ختم کر دیا ہے اور حقیقت میں آئندہ تین بادشاہ محض برائے نام بادشاہ تھے اور ان کے تمام اختیارات امیر برید کے قبضے میں آگئے تھے۔ اسی جگہ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان بادشاہوں کا شجرۂ نسب درج کر دیں اور تاریخ فرشتہ اور برہان مآثر میں جو اختلاف ہے اُسے ظاہر کر دیں؛

شجرۂ سلاطین بہمنیہ

از روئے تاریخ فرشتہ



برہان مآثر (قلمی)



ختم حواشی جلد سوم ترجمۂ تاریخ فرشتہ

Tag. Sanjeev
20/10/93

